بکارِ مہاراجہ صاحب [illegible] علی [illegible]
فی [illegible]

ھٰذا صِرَاطٌ مُسْتَقِیْمٌ

اثر التصنیف والتالیف [illegible]
قیصر باغ لکھنؤ

عَیْناً یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا

عَیْناً فِیْهَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا

سلسبیلِ فصاحت

جلد اول

ترجمہ و شرح

نہج البلاغہ

از

گدائے بابِ اہلبیت علیہم السلام
ظفر مہدی
نقوی النصیرآبادی الجائسی

باہتمام محمد جواد نظامی پریس لکھنؤ میں چھپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرفت ربی بفسخ العزائم

تقدیم معذرت

وہ جذبۂ نشرِ علمی جو فرقدینِ فلکِ جاہ و ریاست و نیّرین سپہرِ اقبال و جلالت (راجہ[لہ] میاں صاحب سلمہٗ اللہ والبقاہ و نبو میاں[عہ] صاحب سلمہ اللہ والبقاہ) کے دلوں میں پیدا ہوا، اس نے ۳۴ء میں عملی جامہ پہنا، گو کمسنی اور زمانہ طالب العلمی تھا لیکن آبؤ ہولے تربیتِ اسلاف نے شغفِ علم و علم پروری (جو اس دودمانِ عالی کے افراد کا مخصوص حصّہ تھا اور آج تک ہے) کے خون کو رگ و پے میں دوڑا دیا تھا، بچپنے ہی سے علم اور اہلِ علم کی قدردانیوں کا ذوق و شوق دل میں جاگزیں تھا جس کے تقاضے نے ادارہ تالیف و تصنیف قائم کرنے کا اظہار کیا اور تعمیل

لہ ظہیر الملۃ معین الاسلام راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب المتخلص بہ مجرّد و محبوب سلمہ اللہ والبقاہ فرماں روائے ریاست عالیہ محمود آباد (حرسہا اللہ تعالیٰ)

عہ امین الدولہ یمین الریاستہ مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں صاحب المتخلص بہ حبّ و مسحور سلمہ اللہ والبقاہ

ارشاد سعادت میں، میں نے اِس کا نام دار التالیف و التصنیف امیریہ رکھا،

اِس سے کچھ دنوں پہلے مرزا محمد جواد صاحب مالک نظامی پریس نے مجھ سے خواہش ظاہر کی تھی کہ میں نہج البلاغۃ کا ترجمہ اور اسکی شرح، صحیفۂ سجادیہ کا ترجمہ اور اسکی شرح صحیفۂ علویہ کا ترجمہ اور اسکی شرح، اور دیگر دعاؤں کا ترجمہ کروں جسے وہ شایع کرتے رہیں گے میں نے اپنی عدیم الفرصتی کا لحاظ کرتے ہوئے پہلے انکار کیا لیکن جب انکا اصرار حد سے زیادہ بڑھا، تو میں نے بجز اقرار چارۂ کار نہ دیکھا اور اقرار کر لیا۔ چنانچہ تھوڑا سا ترجمہ شروع کرنے پایا تھا کہ دار التالیف و التصنیف امیریہ (ابقاہا اللہ) کی اساس قائم ہوئی اور سعادت پناہ راجہ میاں صاحب سلمہ اللہ و ابقاہ نے فرمایا کہ "ترجمۂ نہج البلاغۃ، دار التصنیف امیریہ سے شایع ہوگا" چنانچہ میں ترجمہ و شرح میں مشغول ہوگیا۔

تبرکاً و تیمناً اسکی ابتدا امام اول کے کلام سے ہوئی جس کے ترجمہ و شرح بسیط میں مشغول تھا اور چاہتا تھا کہ ایک ایسا ترجمہ اور ایک ایسی شرح "نہج البلاغہ" کی ہوجائے جو زبان اُردو میں اس طبقہ کے لئے چراغ راہ ہدایت بن جائے جو کلام امام علیہ السلام کو عربی کی وجہ سے سمجھ نہیں سکتا اور نہ شرح شارحین تک اسکی نگاہوں کی رسائی ہے ۔۔۔۔ لیکن :-

"من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال"

ستمبر ۱۹۳۶ء کی ابتدا ہی تھی اور میں "ستم بر ضعیفانِ مسکیں مکن" کا وظیفہ خواں ہی تھا کہ دفعتاً ایک ایسا شدید حملۂ مرض ہوا کہ میں فوراً بےحس و حرکت ہوکر صاحب فراش ہوگیا اور آجتک ہوں

شقشقۃ ہدرت ثم قرت[1]

"او مصلحت خویش نکو می داند" جن تکالیف کا شکار اس چار برس میں رہا اور ابتک ہوں انکا اظہار زبان انسان و زبان قلم سے نہیں کیا جا سکتا شکراً للہ و حمداً لہ۔

---

[1] ایک (ولولہ خیز) آواز تھی (جو فضائے دہر میں) گونجی اور خاموش ہوگئی؛

ترجمہ و شرح اکیسویں خطبہ اور صفحہ ۲۶۴ تک پہونچی تھی اور اس فقرہ تک۔ وَلَا اَغْلٰی ثَمَنًا مِنَ الْكِتَابِ اِذَا حُرِّفَ[1] میں قرآنی آیت یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ[2] اور کلام امام اِذَا حُرِّفَ[3] کی شرح کر رہا تھا کہ زمانہ کو کھل گیا اور میری صحت و تندرستی میں خدا جانے کن اسباب سے ایسی تحریف شدید دفعتاً واقع ہوئی کہ آجتک بستر مرض پر ہوں کب تک اس حال میں رہونگا خدا بہتر جانتا ہے وہ خدا جو کسی وشر کے اثر کو بہ جبر نہیں روکتا ورنہ زمانے میں قتل و غارت سرقہ اور دیگر گناہوں کا وجود نہ ہوتا بلکہ لَا یُمْکِنُ الْفِرَارُ مِنْ حُکُوْمَتِکَ[4] کا مضبوط محیط اُسے مہلت دیکر قیامت تک لیجا کر

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ[5] وَسَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ[6]

گنہگار بھلا جائیگا کہاں تیرا زمین تیری ہے معبود آسماں تیرا

ان حالات میں بجز اسکے کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ جتنا ترجمہ ہو چکا ہے وہ جلد اول کی حیثیت سے نشر کر دیا جائے اور آئندہ باقساط حسب نشیب و فراز مرض شایع ہوتا رہے، جس قدر بھی لیٹے لیٹے لکھوا سکوں اور جس وقت بھی طبیعت کام کر سکے۔

اسی ترجمہ کے ساتھ ساتھ برادر مرحوم مولانا مولوی سید سبط حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی سوانحعمری بھی لکھ رہا تھا، جو اگست سنہ ۳۶ء میں صفحہ ۴۲۹ تک طبع ہو چکی تھی کہ میری طویل بیماری نے اسکی اشاعت پر بھی اثر کیا اب اس کی تکمیل کی طرف بھی متوجہ ہوں جس طرح بھی بنے اسکے اتمام کا قصد ہے

اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰهِ

---

[1] کتاب خدا میں اگر تحریف ہو جائے تو اس سے زیادہ گراں قیمت چیز (ان لوگوں کی نگاہوں میں کوئی) نہیں
[2] قرآنی الفاظ و کلمات میں وہ لوگ تحریف ورد و بدل کرتے ہیں
[3] جب تحریف کی جائے
[4] تیری حکومت کی وسعت سے فرار نا ممکن ہے
[5] ہم یقیناً مجرمین سے انتقام لینگے
[6] (منافقین کو) کو ہم ڈھیل دیتے ہیں (وہ ہر طرح مرفہ الحال ہوتے ہیں) ایسی ڈھیل جسے وہ جان ہی نہیں سکتے۔

ایسی حالت میں خدا سے مدد و توفیق، اور مومنین کرام سے بصد معذرت دعا کا طالب ہوں

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اگر زور امداد الٰہی نے طاقت مرض میں کمزوریاں پیدا کردیں (انشاء اللہ) یا حکم محکم الٰہی نے مرض کو فنا کردیا اَلَّذِیْ یُمْرِضُنِیْ وَیَشْفِیْنِ[1] تو بہت جلد یہ دونوں کتابیں تکمیلی حیثیت سے بازار شہود میں آ جائینگی

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

ہر خطبہ کی سُرخی " وَمِنْ خُطْبَةٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ " ہے، میں نے ترجمہ میں عمداً ترجمہ متن کو چھوڑا ہے اور "پہلا خطبہ" "دوسرا خطبہ" لکھا ہے کہ سلاستِ ترجمہ پر حرف نہ آئے اسکے ماسوا خطبہ کا بعض حصہ، یا جزو خطبہ لکھدینے سے کوئی خاص فائدہ بھی متصور نہ تھا کیونکہ یہ معلوم ہو کہ جو کچھ مولف نے جمع کیا ہو وہ آپ ہی کے خطبے ہیں۔ میں نے حتی الامکان اس امر کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ لغزش اور اغلاط سے پاک ہو۔ لیکن بشر ہوں ممکن ہے قلم میں کوئی لغزش ہوگئی ہو اگر ایسا ہو تو ارباب نظر کی وسعت ظرف سے ملتجی ہوں کہ

مرا بہ سادہ دلیہائے من تواں بخشید

خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

خادم دین و مذہب

سید ظفر مہدی احسن اللہ الیہ

یکم اگست ۱۹۴۰ء روز پنجشنبہ

مقدمۂ خاص اس کتاب مبارک کا خاص "مقدمہ" جو تحقیقی کاوشوں اور تدقیقی محنتوں کا خاص نتیجہ ہوگا اور جس کا تعلق صرف دیکھنے سے ہوگا وہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد فراغت ترجمہ و شرح لکھا جائے گا کیونکہ وہ خود ایک بسیط اور مستقل کتاب کی صورت میں ہوگا۔

---

[1] وہ خدا جو مجھے بیمار ڈالتا ہے اور شفا دیتا ہے۔

فہرست مضامین شرح نہج البلاغہ جلد اول

نمبروار خطبے	مضمون		مضامین حواشی: حاشیہ متن دیکھئے	صفحہ	حاشیہ دیکھئے	
پہلا خطبہ	زمین وآسمان اور خلقت آدم کا تذکرہ	۱				
دوسرا خطبہ	خلقت آدم کا تذکرہ	۱۰				
تیسرا خطبہ	حج کا تذکر	۲۰				
چوتھا خطبہ	جنگ صفین کی واپسی	۲۲				
پانچواں خطبہ	مدح اہلبیت علیہم السلام	۲۶				
چھٹا خطبہ	دوسرے لوگ کیسے تھے، اہلبیت کا کوئی مقابلہ		وصی رسول علی تھے، صحابہ اور شعراء صدر اسلام			
	نہیں کرسکتا	۲۸	کی گواہیاں	۲۸		
ساتواں خطبہ	خلافت کے تینوں زمانوں کا تذکرہ، اپنے		عبداللہ بن ابی سفیان کی آواز	″	عبدالرحمن بن جبیل کی آواز	۲۸
(شقشقیہ)	حق کا دوسروں کے پاس جانا، اس پر		غلام بنی خثعبہ ″	۲۹	ابوالہیثم تیہان بدری ″	″
	صبر فرمانا، اسکے وجہ وغیرہ کا ذکر	۳۱	زیاد بن لبید الانصاری ″	″	ایک ازدی شخص ″	″
			حجر بن عدی ″	″	زجر بن قیس جعفی ″	۲۹
			خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین ″	″	زجر بن قیس ″	″
			ابن بدیل بن ورقا خزاعی ″	″	عبداللہ بن عباس ″	۳۰
			عمرو بن اجنحہ ″	″	عمر بن الاطرف ″	″
			اشعث بن قیس ″	۳۰		
			جریر بن عبداللہ ″	″		
			نعمان بن عجلان ″	″		
			عبدالرحمن بن ذویب الاسلمی ″	″		
			مغیرہ بن حارث ″	″		
			عہد ماضی کے واقعات کی ایک جھلک	۳۲		
			صحابی رسول سرگروہ انصار سعد بن عبادؓ			
			کی اس بیعت سے ناراضی۔	۳۶		
			بنی ہاشم، بنی امیہ اور بنی زہرہ کا کیا حال			
			تھا، علی ابن ابیطالب کا بیعت سے انکار،			
			ابن قتیبہ اور دیگر اجلہ مؤرخین محدثین کا بیان	۳۷		

CamScanner

نمبر خطبہ	مضمون	صفحہ	مضامین حواشی			
			حاشیہ متن دیکھئے	صفحہ	حاشیہ دیکھئے	صفحہ
			حضرت عمر کو عدم اجماع بیعت کا خود اقرار ہے	۳۸	بعد وفات رسول لشکر اسامہ کو روانہ کرتے	
			اجماع کی حقیقت اور ابوبکر کی بیعت سے		ہوئے حضرت ابوبکر کی نصیحتیں	۴۰
			زمین اسلام میں ارتدادی زلزلہ	۳۹	جب اسلام اس درجہ واضح ہے تو	
			جس ارتداد کا غل مچا ہوا ہے وہ کیسا تھا	۴۰	مرتد اور کافر کیوں کہا جاتا ہے۔	۴۱
			تقیہ کی ایک روشن مثال	۴۱	جاہلیت کا منظر اور وقت بیعت	
			انصار و بنی ہاشم کا کیا ذکر اس بیعت سے		انصار و مہاجرین کی تو تکار	۴۲
			مہاجرین بھی خوش نہ تھے۔	۴۲	جناب عمر کے استخلاف کا دلچسپ قصہ	۴۳
			جس طرح حضرت ابوبکر کی بیعت پر مہاجرین		قصہ شوریٰ کی سرگذشت	
			وغیرہ کی ناراضی تھی ویسی ہی حضرت عمر		کیا رسول کی زندگی ہی سے حضرت عمر	
			کی خلافت پر بھی اختلاف تھا	۴۵	وغیرہ کا یہ خیال تھا کہ ابوبکر کو خلیفہ ہونا	
			ایک اور قابل غور بات	"	چاہیئے اور یہی خلیفہ ہوں معلوم تو ایسا ہی	
			مہاجرین و انصار ہی کی قدر و عزت افزائی	۵۳	ہوتا ہے۔	۵۵
			حضرت عمر کی آرزو	۵۴	بیعت توڑنے کا سبب	۸۹
			اسلام والے دیکھیں اور غور کریں کہ ابھی محفل		قیام جنگ جمل میں راز حصول خلافت	
			سقیفہ کوسوں دور ہے، ابھی ابھی رسول کا		مضمر تھا۔	۹۰
			انتقال پر ملال ہوا ہے اور حضرت ابوبکر کو خلیفۂ		امیر شام کی وقتی سیاست	۹۵
			رسول کا لقب دیدیا گیا ہے، اس لقب سے		ان حضرات نے علی کی بیعت کی اور	
آٹھواں خطبہ	قریش کی حالت اور آل رسول کے احسانات	۷۵	آپ پکارے جانے لگے، کہئے بزم سقیفہ اسی لئے		دوسروں کو بھی اسکا حکم دیا پھر پلٹ گئے	۹۹
نواں خطبہ	وفات رسالتمآب کے بعد جب عباس اور		کی تفصیل تھی یا اور کچھ؟ یہ امر پہلے ہی لوگوں		طلحہ و زبیر اور علی کی بیعت	۱۰۱
	ابوسفیان آپکے پاس بغرض بیعت آئے تو آپنے فرمایا	۸۰	نے طے کر لیا تھا یا سقیفہ میں طے ہوا	۵۶		
دسواں خطبہ	طلحہ و زبیر جنگ جمل کیلئے لشکر لیگئے تو آپنے		علامہ دینوری کی زبانی شوریٰ کی کہانی	۵۷		
	بھی ارادہ جنگ کیا تو آپ کو سمجھایا گیا کہ ان		حضرت عمر کی حقیقی اسکیم اور انکی مراد ان کی			
	سے جنگ نہ کیجئے اسپر آپنے فرمایا۔	۸۷	رائے کے ظاہر ہوتے ہی معلوم ہوگئی۔	۵۹		
گیارہواں خطبہ	منافقوں کی حالت کا منظر	۹۴	امیر المومنین کا صبر اور بیعت عثمان میں پھر			
بارہواں خطبہ	جسمیں بمقتضائے حال روئے سخن زبیر		وہی سقیفہ کا منظر	۶۰		
	کی طرف ہے۔	۹۵	حضرت عثمان کا اقرار کہ حضرت عمر بھی اپنے			
			عہد میں ایسے ہی تصرفات کیا کرتے تھے۔	۶۷		

CS CamScanner

نمبر وار خطبے	مضمون	صفحہ	مضامین حواشی: حاشیۂ متن دیکھئے	صفحہ	حاشیہ دیکھئے	صفحہ
تیرہواں خطبہ	اصحاب جمل، دشمنوں کی دھمکیاں اور لاف وگزاف۔	۱۰۳	زبیر کا اعتراف ظلم اور جنگ سے پلٹنا	۹۸		
			واقعہ قتل زبیر	۹۹		
چودہواں خطبہ	معاویہ اور اسکے لشکر کی حالت اور اپنی بصیرت دینی کا تذکرہ	۱۰۵	جناب محمد بن حنفیہ	۱۰۶	امیرالمومنین علیہ السلام کے علم غیب کی ایک اور مثال	۱۱۵
			بعض حالات جناب محمد بن حنفیہ علیہ الرحمہ			
پندرہواں خطبہ	جنگ جمل میں محمد ابن حنفیہ کو لشکر کا علم دیکر آداب حرب کی تعلیم۔	۱۰۷	بعد فتح دشمنوں کے ساتھ علی کا اخلاق	۱۱۶		
			حضرت عثمان کے خلاف حضرت عائشہ کی کوششیں	۱۲۲		
سولہواں خطبہ	جب جنگ جمل میں آپ کو فتح نصیب ہوئی تو آپکے ایک صحابی نے آپ سے کہا کہ کاش میرا فلاں بھائی بھی اسوقت ہوتا تو آپ کی اس فتح یابی کو جو دشمنوں پر جناب امیر ہوئی دیکھتا تو آپ نے فرمایا۔	۱۱۴	جنگ جمل کیلئے حضرت عائشہ کے واسطے ایک اونٹ کی خریداری۔	۱۲۷		
			شیخ محمد عبدہ شارح نہج البلاغہ کے مختصر نوٹ	۱۲۹		
			بنی ضبہ کے اشعار رجز اور ان کے اعتقادات	۱۳۰		
			اہل بصرہ کا دوسرا رجز۔	۱۳۱		
سترہواں خطبہ	بصرہ والوں کی مذمت	۱۱۹	عداوت آل رسول کا جذبہ اور کربلا کے خونیں منظر کی تمہید۔	۱۳۲	علامہ ابن ابی الحدید کا بیان	۱۳۹
			صحابی رسول جناب عثمان بن حنیف کے ساتھ حضرت عائشہ، طلحہ زبیر اور اہل بصرہ کا سلوک	۱۳۵	ایک بڈھے کا وہ رجز جسکے بعد جمل والوں کی صفیں جم گئیں اور لوگ جان دینے پر آمادہ ہوگئے۔	۱۳۱
			اس زدوکوب کی تشریح	۱۳۶		
			جنھوں نے اسامہ پر چڑھائی کی وہ کون تھے	״	اونٹ پے کردیا گیا۔ یہ حاشیہ [illegible]	۱۳۳
			صہیب بن سنان	۱۳۸	بصرہ والوں کی رکاکت، عداوت بدسرشتی اور بدعہدی کا منظر جسے امیرالمومنین نے اس خطبہ میں بیان کیا ہے	۱۳۰
			سیدۂ عالم کی رضا اور ناراضی کا ایک منظر	۱۳۹		
			بصرہ	۱۴۴		
اٹھارہواں خطبہ	مذمت بصرہ اور اہل بصرہ	۱۴۹	کعب بن سور بصرہ کے قاضی کیونکر معین ہوئے	۱۵۰		
انیسواں خطبہ	اُن زمینوں کے بارہ میں جو عثمان نے بطور جاگیر اپنے رشتہ داروں کو دیں اور آپ نے مسلمانوں کو واپس کردیں۔	۱۵۳	حضرت عثمان کی عطا کردہ جاگیروں کی ایک مختصر فہرست	۱۵۵		
			خطبہ اول امیرالمومنین جسے حافظ عثمانی نے لکھا ہے	۱۵۹	مفہوم و شرح خطبہ مذکورہ	۱۵۹
			جناب حجر اور اصحاب حجر کا قصہ اور انکی عظمت	۱۶۵		
بیسواں خطبہ	جب آپکی بیعت مدینہ میں کرلیگئی تو فرمایا	۱۵۸	جناب حجر کا تصور، گواہی کی حقیقت، حجر کے خلاف گواہی دینے والے کون تھے؛	۱۶۷	محضر شہادت	۱۶۷
اکیسواں خطبہ		۱۷۷	ایک جھوٹی اور جبری گواہی کے متعلق شریح بن ہانی			

نمبروار خطبے	مضمون	صفحہ	مضامین حواشی			
			حاشیہ متن دیکھئے	صفحہ	حاشیہ دیکھئے	صفحہ
			کا خط معاویہ کے نام	۱۸۰		
			میکشان بادۂ ولا کے تیور اور انکی گفتگو	۱۸۱		
بائیسواں خطبہ		۱۸۱	ان اصحاب کے اسماء جو جناب حجر کیساتھ قتل کئے گئے	۱۸۲	حضرت عمر کے اولیات	۹۴
			حدیث رسول کے معنوں کے سمجھنے میں اختلاف	۱۹۷	شرعی تغیرات	۹۷
			الفاظ قرآنی کے معنوں سے لاعلمی۔	۱۹۹	علم اصحاب رسول کی کہانی علامہ	
			حدود واحکام شرعیہ سے لاعلمی۔	۲۰۰	مقریزی کی زبانی۔	۹۳
			علمی کارناموں پر مختصر نوٹ		قول مختلف	۲۱
			آیات والفاظ قرآنی کا علم	۲۱۳		
			ایک سوال	۲۱۶		
			ایک عجیب لطیفہ	۲۱۹		
			مسائل میراث و مسائل علمیہ میں حضرت ابوبکر			
			وعمر کا عدم علم اور تحیر۔	۲۳۲		
			اہل اسلام کی روایت کے مطابق قرآن لکھنے			
			کا حکم کس سے تھا ؟	۲۳۷		
			قرآن کے لکھنے والے وحی خدا میں اپنی طرف			
			سے گھٹاتے بڑھاتے بھی تھے۔	۲۴۸		
			ترتیبی تحریف کا ایک منظر	۲۴۹		
			مصحف اُبی کی ترتیب	〃		
			مصحف ابن مسعود کی ترتیب	۲۵۰		
			کتب گروہ عامہ میں کمی کی روایتیں	۲۵۱	عہد نبی ہی میں قرآن کا اختلاف	
			حضرت ابوبکر کا جمع قرآن		حضرت عمر کی تقریر اور اسکے پہلو	۶۰
			زید بن ثابت امیرالمومنینؑ سے خلاف تھے	۲۵۵	حضرت عمر کا اقرار	۶۱
			زید کا مذہب کیا تھا ؟	〃	کمی قرآن کا دوسرا شاہد	۶۲
			تیسرے صاحب سعید بن العاص ہیں۔	۲۵۶	〃 تیسرا 〃	〃
			چوتھے صاحب عبدالرحمن بن حرث بن ہشام بن مغیرہ تھے	۲۵۷	〃 چوتھا 〃	۶۳
			امیرالمومنین علی ابن ابیطالب کا جمع کردہ قرآن	〃	〃 پانچواں 〃	〃
			حضرت عمر کمی قرآن کے قائل ہیں۔		تحفۃ الغایۃ گیارہواں شاہد	۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا خطبہ

جسمیں آپ نے زمین آسمان اور خلقت آدم کا تذکرہ فرمایا ہے

اَلحَمدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَا يَبلُغُ مِدحَتَهُ

تمام حمد اسی خدا کے لئے زیبا ہیں، جس کی مدح تک بولنے والوں کی

القَائِلُونَ ۞ وَلَا يُحصِي نَعمَاءَهُ العَادُّونَ ۞

رسائی نہیں جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔

وَلَا يُؤَدِّي حَقَّهُ المُجتَهِدُونَ ۞ اَلَّذِي

اور جس کے حق کو کوشش کرنے والے ادا نہیں کرسکتے وہ خدا جس کی

لَا يُدرِكُهُ بُعدُ الهِمَمِ ۞ وَلَا يَنَالُهُ

گنہ ذات کو ہمتوں کی بلند پروازیاں پا نہیں سکتیں اور فکروں کی گہرائیاں

غَوصُ الفِطَنِ ۞ اَلَّذِي لَيسَ لِصِفَتِهِ[۱] حَدٌّ

اس تک پہونچ نہیں سکتیں۔ جس کی صفات کے لئے کوئی تعریف

مَحدُودٌ ۞ وَلَا نَعتٌ[۲] مَوجُودٌ ۞

معین نہیں اور نہ کوئی ایسی نعت موجود ہے (جو ان صفات کا وصف بیان کرسکے)

۱ پہلے ذات باری کی حمد و مدح فرمارہے تھے اب صفات باری کا ذکر فرماتے ہیں کہ اسکے صفات (کنہ صفات) کیلئے کوئی تعریف ایسی نہیں جو مراد دل تک پہونچا سکے منطقی تعریفیں جو "حد" اور "رسم" سے کی جاسکتی ہیں وہ اس مقام پر بیکار نظر آتی ہیں، اس ذات واجب الوجود کے صفات کو صفات ممکن سے کوئی واسطہ اور لگاؤ ہی نہیں کیونکہ صفات ممکن کی کوئی نہ کوئی حد اور انتہا ہوتی ہے جہاں پہونچکے وہ ختم ہوجاتی ہیں مثلاً فرض کیجئے کہ ہمارے صفات "علم" و "قدرت" ہیں اور ان کی ایک حد معین ہے۔ جس سے آگے وہ بڑھ ہی نہیں سکتے۔ مگر ذات الٰہی کے صفات کی کوئی حد ہی نہیں اور نہ کوئی تعریف ہو تاکہ وہ اسی تعریف سے محدود اشیاء پر قیاس کرتے ہوئے پہچنوایا جائے۔ یہ کیوں، اس لئے کہ وہ مرکب نہیں، اسکے اجزاء نہیں، اور ہر محدود مرکب ہو۔

۲ "نعت" سے یہاں آپ کی مراد لازم ذات وصفات ہو۔ یعنی وہ اس طرح بھی نہیں پہچنوایا جاسکتا جس طرح چیزیں اپنے لازم ذات کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں، جیسے حرارت سے آگ اور روشنی سے سورج، نیز یہ بھی کہ "نعت" اس کو کہتے ہیں جو متغیر ہوتی رہے جیسے ہمارے صفات کہ ان میں تغیر ہوتا رہتا ہے، فرض کرو ہماری زندگی ہے اور اس کے درجات ہیں، آج بچپن ہے، کل نوجوانی، پھر ادھیڑ ہونا اور اس کے بعد بڑھاپا، یوہیں قوت کا چڑھاؤ اتار یوہیں ہمارا علم جس میں نقص وکمال ہوتا رہتا ہو مگر الٰہی صفات ان تمام چیزوں سے بری اور منزہ ہیں نہ اُن میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی نقطہ موہوم کمال موجود کے اوپر نظر آتا ہو نہ تغیرات اسپر اثر کرتے ہیں بلکہ اُسکی صفات عین ذات ہیں اور کمال تو تمام ۱۲

CamScanner

وَلَا وَقْتٌ[۱] مَعْدُوْدٌ ۞ وَلَا اَجَلٌ[۲] مَمْدُوْدٌ

اور نہ کوئی ایسا وقت جو شمار میں آسکے۔ اور نہ کوئی ایسی مدت جو طویل ہو

فَطَرَ الْخَلَائِقَ بِقُدْرَتِهٖ ۞ وَ نَشَرَ الرِّيَاحَ

مخلوقات کو اس نے اپنی قدرت و اختیار سے پیدا کیا۔ اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے

بِرَحْمَتِهٖ ۞ وَ وَتَّدَ[۳] بِالصُّخُوْرِ مَيَدَانَ اَرْضِهٖ ۞

چلایا۔ اور زمین کی اضطرابی حرکت کو پتھروں کی میخ سے روکا اور ساکن کیا۔

اَوَّلُ[۴] الدِّيْنِ مَعْرِفَتُهٗ وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهٖ

دین کی پہلی اساس اسکی معرفت ہے اور کمال معرفت

التَّصْدِيْقُ بِهٖ ۞ وَ كَمَالُ التَّصْدِيْقِ

اس کی تصدیق ہے۔ اور کمال تصدیق

بِهٖ تَوْحِيْدُهٗ ۞ وَ كَمَالُ تَوْحِيْدِهٖ

اسکو یکتا ماننا اور واحد جاننا ہے۔ اور کمال توحید

اَلْاِخْلَاصُ لَهٗ ۞ وَ كَمَالُ الْاِخْلَاصِ

اخلاص ہے اور کمال اخلاص (اسکی ذات سے)

لَهٗ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ ۞ لِشَهَادَةِ كُلِّ

صفات ظاہرہ کو دور رکھنا ہے (اسلئے کہ صفت و موصوف میں مغایرت ہوتی ہے) ہر صفت

صِفَةٍ اَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوْفِ وَ شَهَادَةِ

غیر موصوف ہے اور

كُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهٗ غَيْرُ الصِّفَةِ ۞

ہر موصوف غیر صفت ہے۔

ل۱ جسکی ذات ازلی اور ابدی ہو ازل کی تعریف یہ ہو کہ اسکے پہلے "عدم" نہو اور "ابد" کی تعریف یہ ہو کہ اسکے بعد "عدم" نہو جب ایسا ہے تو کوئی وقت ایسا نہ معین نہیں کیا جا سکتا اور نہ کوئی مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔

ل۲ اس فقرہ میں آپ نے اس گروہ کی رد فرمائی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ کنہ باری کا علم نہیں ہو سکتا مگر آخرت میں ہو جائیگا۔ آپ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا وقت اور مدت نہیں کہ جس میں کنہ باری تعالیٰ کا علم حاصل کر سکے اسلئے کہ اگر کنہ و حقیقت باری پہچاننے کے قابل ہوئی تو لا محالہ محسوس سے الگ نہ ہوگی کم از کم ایسا شخص جو اسے دوسری ذات سے ممتاز کر کے پہچان لے اور ایسا شخص بغیر کسی "جہت" (ایسی طرف جسکی جانب اشارہ کیا جا سکے) کے نہیں پایا جا سکتا اور ذات الٰہی جہات سے بری ہے۔ لہذا معرفت کنہ باری نامعلوم بعض صحابہ رسول کا یہ فقرہ اس مقام پر بہت بلیغ ہے العجز عن درک الادراک ادراک (یعنی) ادراک کنہ ذات کی معرفت سے عاجز رہنا ہی معرفت ہے۔

ل۳ اسمیں اشارہ ہے کہ زمین پہلے جھولے کی طرح ہل رہی تھی۔ آیندہ کسی خطبہ میں زمین کے متعلق وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔

ل۴ اسکی معرفت ناقص یوں ہی جاتی ہے کہ وہ صانع عالم ہے مگر اسکی معرفت کاملہ یوں ہی ہوتی ہے کہ ذات باری کی تصدیق ایسی صفت مخصوص کے ساتھ کی جائے جسمیں کوئی دوسرا شریک ہی نہو سکے یعنی یہ کہ وہ "واجب الوجود" ہے یہ تصدیق اسوقت تک کامل نہیں ہو سکتی جب تک اسکے ساتھ اسکا لازم یعنی "توحید" بھی نہو کیونکہ "واجب" کئی نہیں ہو سکتے، جیسا کہ فن الٰہیات میں طے ہو چکا ہے۔ یہ توحید بغیر اخلاص کامل نہیں ہوتی اور یہ اخلاص (ذات کو صفات سے الگ کر کے دیکھنا) اسوقت تک کمال کو نہ پہونچے گا جب تک اسکی ذات سے صفات ظاہری کی نفی نہ کیجائے کیونکہ ظاہر ہے کہ ذات اور صفت پر نظر کرنے سے دوئی کی جھلک سامنے آجاتی ہے۔ لہذا ان صفات کی نفی ضروری ہوئی کہ جو صفات مخلوقات کے ہوتے ہیں۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ صفات باری کا وجود نہیں۔

فَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالیٰ فَقَدْ

جس نے اسکی توصیف میں ذات کو صفت سے ملایا۔ گویا

قَرَنَهٗ ⁘ وَ مَنْ قَرَنَهٗ فَقَدْ ثَنَّاهُ ⁘ وَ

اس نے ذات باری میں دوئی پیدا کی۔ اور

مَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّاهُ ⁘ وَ مَنْ جَزَّاهُ فَقَدْ[١]

جس نے دوئی پیدا کی اسنے ذات واحد کا تجزیہ کیا (اور اسکے لیے جزو مانا) اور جسنے تجزیہ کیا اسنے ذات

جَهِلَهٗ ⁘ وَ مَنْ جَهِلَهٗ فَقَدْ اَشَارَ اِلَيْهِ ⁘

کو نہ جانا۔ اور جس نے نہ جانا اسنے اسکی طرف اشارہ کیا

وَ مَنْ اَشَارَ اِلَيْهِ فَقَدْ حَدَّهٗ ⁘ وَ مَنْ

اور جس نے اشارہ کیا اُسنے اُسے محدود کردیا۔ اور جس نے

حَدَّهٗ فَقَدْ عَدَّهٗ ⁘ وَ مَنْ قَالَ فِيْمَ

محدود کردیا اُسنے گن لیا۔ اور جسنے یہ پوچھا کہ خدا کس چیز میں ہے؟ تو

فَقَدْ ضَمَّنَهٗ ⁘ وَ مَنْ قَالَ عَلٰی مَ فَقَدْ اَخْلٰی

اسنے (گویا) اسکو کسی چیز کے ضمن میں قرار دیا۔ اور جس نے کہا کہ خدا کس چیز پر ہے تو اسنے (گویا) اس جگہ

مِنْهُ کَائِنٌ لَا عَنْ[٢] حَدَثٍ مَوْجُوْدٌ لَا عَنْ

کے علاوہ دوسرے مقام کو اس سے خالی کردیا۔ وہ موجود ہے مگر کسی ایجاد سے نہیں، اسکا وجود ہے مگر عدم اسکے پہلے نہ تھا

عَدَمٍ ⁘ مَعَ[٣] كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ ⁘ وَ غَيْرُ

(ایسا نہیں کہ پہلے نہ رہا ہو اور اب ہو) ہر چیز کے ساتھ ساتھ ہے مگر دلیسی معیت اور ہمراہی نہیں جو جسمانیات میں

كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُزَايَلَةٍ ⁘ فَاعِلٌ لَا بِمَعْنَى

ہوا کرتی ہے۔ وہ ہر شے سے الگ ہے مگر نہ وہ جدائی جو جسمانیات میں علیحدہ کرکے پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کا فاعل حقیقی ہے مگر

---

[١] جس نے ایسا کیا گویا وہ ذات الٰہی سے جاہل ہے اور اُسے معلوم نہیں کہ وہ مادیات اور جسمانیات سے کوسوں دور ہے، اس جہالت سے تشخیص جسمانی پیدا ہوتی ہے اور جب ایسا ہوا تو اُس کی ذات کی طرف اشارہ کیا جا سکتا اور واجب الوجود ممکن الوجود ہو جاتا ہے۔

[٢] یعنی جب اُس کو کسی موجد نے ایجاد نہیں کیا تو عدم اسکے قبل نہ تھا اور ازلیت اسی کا نام ہے۔

[٣] یعنی وہ تمام جزئیات اور کلیات سے واقف ہے۔

الْحَرَكَاتِ وَ الْاٰلَةِ ٭ بَصِيْرٌ اِذْ لَا مَنْظُوْرَ

یوں کہ وہ حرکت اور آلات سے کام لے (جیسا ہم کرتے ہیں) وہ اپنی مخلوقات کا قبل وجود تخلیق بصیر اور

اِلَيْهِ مِنْ خَلْقِهٖ ٭ مُتَوَحِّدٌ اِذْ لَا سَكَنَ

نگراں تھا اور ان سے آگاہ تھا۔ وہ اکیلا ہے اسکا کوئی ایسا ساتھی نہیں جسکے رہنے سے

يَسْتَاْنِسُ بِهٖ وَ لَا يَسْتَوْحِشُ لِفَقْدِهٖ اَنْشَاَ

اسکا جی لگے اور نہ رہنے سے دل گھبرائے۔ اسنے دنیا کو پیدا

الْخَلْقَ اِنْشَآءً وَ ابْتَدَاَهٗ اِبْتِدَآءً بِلَا رَوِيَّةٍ

کیا اور پہلے پہل بنایا بغیر اسکے کہ سوچے یا فکر کرے نہ تو وہ فکر کو کام میں

اَجَالَهَا وَ لَا تَجْرِبَةٍ اسْتَفَادَهَا ٭ وَ لَا

لایا اور نہ کسی تجربہ سے فائدہ اٹھایا اور نہ اپنے نفس میں)

حَرَكَةٍ[1] اَحْدَثَهَا ٭ وَ لَا[2] هَمَامَةِ نَفْسٍ

کسی حرکت کو پیدا کیا اور نہ اسنے پہلے سے اسکا اہتمام کیا کہ جس سے

اِضْطَرَبَ فِيْهَا ٭ اَحَالَ الْاَشْيَآءَ لِاَوْقَاتِهَا ٭

مجبور ہو کر اسنے ایسا کیا ہو چیزوں کو وقت پر عدم سے وجود کی طرف منتقل کردیا

وَ لَاءَمَ[3] بَيْنَ مُخْتَلِفَاتِهَا ٭ وَ غَرَّزَ غَرَائِزَهَا ٭

اور مختلف اشیاء اور طبائع کو ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ کردیا۔ ہر شے کو طبیعت خاص اور مزاج مخصوص عطا کیا

وَ اَلْزَمَهَا اَشْبَاحَهَا ٭ عَالِمًا بِهَا قَبْلَ

اور موجودات کو انکی صورتیں اور شکلیں دیں۔ وہ ان چیزوں کی خلقت سے پہلے

اِبْتِدَائِهَا مُحِيْطًا بِحُدُوْدِهَا وَ اِنْتِهَائِهَا ٭

ان کو جانتا تھا۔ اسکا علم ان کے حدود و انتہا کو محیط تھا۔

[1] کرامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ جب خدا کسی دوسری چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو پہلے اپنی ذات میں ایک "حادث" پیدا کرتا ہے جس کا نام "احداث" ہے وہ دوسری چیز اسی احداث سے پیدا ہوتی ہے جو اللہ نے اپنے نفس میں پہلے پیدا کی۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے اس کلام میں اسی مذہب کی رد فرمائی ہے۔

[2] مجوس کے مذہب کی رد اس فقرہ سے فرمائی ہے۔ وہ خدا کیلیے اہتمام نفس کے قائل ہیں (قبل ابداع و ایجاد)۔

[3] جیسے روح و جسم کا اتحاد)۔

عَارِفًا بِقَرَائِنِهَا وَ اَحْنَائِهَا ۔ ثُمَّ اَنْشَأَ

وہ ان کی حالتوں اور پوشیدہ کیفیات سے واقف تھا۔ پھر اس نے ابتدا

سُبْحَانَهٗ فَتْقَ الْاَجْوَاءِ ۔ وَ شَقَّ الْاَرْجَاءِ وَ

زمین و آسمان شگافت دیکر فضا پیدا کی۔ کناروں میں شق پیدا کئے اور

سَكَائِكَ الْهَوَاءِ ۔ فَاَجْرٰى فِيْهَا مَاءً

آسمان سے ملی ہوئی ہوا کو خلق کیا۔ اس فضا میں تلاطم خیز پانی

مُتَلَاطِمًا تَيَّارُهٗ مُتَرَاكِمًا زَخَّارُهٗ ۔

بہایا۔ جس کی موجیں بڑھ بڑھ کے بلند ہو رہی تھیں۔

حَمَلَهٗ عَلٰى مَتْنِ الرِّيْحِ الْعَاصِفَةِ ۔ وَالزَّعْزَعِ

اس پانی کو تیز (جھکڑ) ہوا کے پیٹھ پر لاد دیا جو ہر چیز کو اکھاڑے

الْقَاصِفَةِ ۔ فَاَمَرَهَا بِرَدِّهٖ وَ سَلَّطَهَا

دیتی تھی۔ اسکو حکم دیا کہ وہ پانی کو (زمین پر گرنے سے) روکے رہے۔ اور پانی کے

عَلٰى شَدِّهٖ وَ قَرَنَهَا اِلٰى حَدِّهٖ ۔ اَلْهَوَاءُ

زور پر مسلط کر دیا اور اسی ہوا سے پانی کی حد بندی کر دی پانی کے نیچے

۱؎ یہ تقدم و تاخر کلام امام میں پیدا ہے کلام ہی سے مخصوص ہے خلقت میں دخیل نہیں۔ امیرالمومنین کے کلام سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا نے فضا پیدا کی اور وہ مخلوق الٰہی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ فضا بھی ایک شے موجود ہے کیونکہ مخلوق عدم محض نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ خدا نے فضا میں پانی کو پیدا کیا اور اس کو ہوا کی پیٹھ پر لادا یہ ہوا اس پانی کا مسکن ہو گئی۔ پھر اس پانی کے اوپر ایک ہوا پیدا کی اور جب پانی میں تموج پیدا ہوا تو اس سے خلقت آسمان کی۔ حکما اس کے قائل ہوئے ہیں اور "طالیس اسکندری" نے یہی قول اختیار کیا ہے وہ کہتا ہے کہ پانی اصل عناصر ہے جب وہ کثیف ہو کے جم جائے تو مٹی ہو جاتا ہے اور جب لطیف ہو تو ہوا ہو جاتا ہے اور ہوا آگ ہو جاتی ہے کیوں کہ آگ صفائے ہوا کا نام ہے لہٰذا پانی اصل عناصر ہوا۔ توریت میں بھی اسی مطلب کو ادا کیا گیا ہے

وہ یہ کہ خدا نے ایک جوہر خلق کیا اور اس کو نگاہ ہیبت سے دیکھا وہ گھل کے پانی ہو گیا اس پانی سے ایک دھواں اٹھا جس سے آسمان بنائے گئے اور اسکے جھاگ سے زمین خلق کی گئی جس کی مضطربانہ حرکت پہاڑوں سے روک دی گئی۔

تیسرے یہ فرمایا کہ نیچے کے آسمان ایک رکی ہوئی موج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قول کو بھی ایک گروہ نے اختیار کیا ہے اور اس پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ ہم کواکب متحیرہ کی حرکت پر نظر کرتے ہیں تو ان کی کپکپی اور اضطرابی حرکت آنکھوں کو محسوس ہوتی ہے کیونکہ متحیرہ اپنے اپنے افلاک میں حرکت کرتے ہیں اور ہمارے اور ان کے درمیان میں صاف شفاف اجرام فلکی ہیں جن کی اضطرابی حرکت اور تھرتھراہٹ ایسی محسوس ہوتی ہے جیسے کوئی جسم پانی میں تیرتا ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ستارہ دنیا ایک تھما ہوا متموج پانی ہے اور کواکب کی لرزش جو ہم محسوس کرتے ہیں۔ یہ اسی متحیر فلک اسفل کی لرزش کے تابع ہے۔ اور کواکب ثابتہ کو ہم اس طرح نہیں پاتے۔ رہ گئے قمر وغیرہ اگرچہ یہ نیچے کے آسمان میں ہیں مگر ان کا فلک تدویر اجرام افلاک اعلیٰ کی جنس سے ہے۔ نہ مثل فلک ممثل تحتانی جو پانی کی طرح متموج ہے۔ (حکمائے متقدمین نے افلاک کے نام رکھے ہیں، اور فلک تدویر اور فلک ممثل وغیرہ یہ انھیں کے اصطلاحات ہیں۔ یہ تو ان معتقدات کا ایک مختصر بیان تھا جو متقدمین کے تھے۔ رہ گیا یہ اور اسکی خلقت کے متعلق فلسفۂ جدیدہ کا خیال کیا ہے اور شرعی نقطۂ نظر اور حدیث و قرآن سے کہاں تک وہ متفق ہے اس کو ہم انشاءاللہ تفصیلی حیثیت سے آئندہ خطبہ "اشباح" کی شرح میں بیان کریں گے جہاں آسمان کی تخلیق کا تذکرہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے اگرچہ یہاں بھی خلقت سماوات کا ذکر ہے مگر تشریح و تفصیل کے لیے خطبہ اشباح ہی مناسب ہے (مترجم)

مِنْ تَحْتِهَا فَتِيقٌ ✤ وَالْمَاءُ مِنْ فَوْقِهَا

ہوا کا دامن دور تک پھیلا ہوا تھا اور پانی اسکے اوپر اچھل رہا تھا

دَفِيقٌ ✤ ثُمَّ أَنْشَأَ سُبْحَانَهُ رِيحًا اِعْتَقَمَ

پھر اللہ نے ایک ایسی ہوا چلائی جو بانجھ [1]

مَهَبَّهَا وَ أَدَامَ مُرَبَّهَا ✤ وَ أَعْصَفَ مَجْرَاهَا ✤

تھی اور اسکو پانی کے ساتھ ساتھ کر دیا اسکی چال بہت

وَ أَبْعَدَ مَنْشَاهَا ✤ فَأَمَرَهَا بِتَصْفِيقِ الْمَاءِ

تیز تھی (کیونکہ فضا میں کوئی روک نہ تھی) خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ اس متلاطم

الزَّخَّارِ ✤ وَ إِثَارَةِ مَوْجِ الْبِحَارِ ✤ فَمَخَضَتْهُ

پانی کو اُلٹے پلٹے اور موجوں کے اُبھار کر اوپر پھینکے اُسنے اُس پانی کو

مَخْضَ السِّقَاءِ وَ عَصَفَتْ بِهٖ عَصْفَهَا بِالْفَضَاءِ

یوں متھ ڈالا جیسے مشک میں دودھ متھا جائے اور فضا میں بہت تیز ہو کے چلی۔

تَرُدُّ أَوَّلَهُ إِلَى آخِرِهٖ ✤ وَ سَاجِيَهُ

یہ پانی کے نیچے کے حصے کو اوپر پلٹانے لگی اور ساکن کو متحرک سے

إِلَى مَائِرِهٖ حَتّٰى عَبَّ عَبَابُهُ وَ رَمٰى

ملانے لگی یہاں تک کہ پانی کی چوٹی بلند ہو گئی اور تو بر تو

بِالزَّبَدِ رُكَامُهُ ✤ فَرَفَعَهُ فِي هَوَاءٍ

پانی نے پھین دیدیا یہ پانی شگافزدہ اور

مُنْفَتِقٍ ✤ وَ جَوٍّ مُنْفَهِقٍ ✤ فَسَوّٰى مِنْهُ

وسیع فضا میں بلند کر لیا جس سے خدا نے

[1] ایسی ہوا جو نہ ابر لانے کے قابل نہ نبات اُگانے کے قابل تھی، یہ ہوا پانی کے سطح علی پر تھی گویا پانی دو ہواؤں کے درمیان تھا نیچے کی ہوا اُسکا ظرف بن گئی تھی اور اوپر کی ہوا اُسے تھپیڑے دے رہی تھی۔

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ جَعَلَ سُفْلَاهُنَّ مَوْجًا

سات آسمان بنائے نیچے والے کو ایک جمی اور تھمی ہوئی موج

مَكْفُوْفًا ٭ وَ عُلْيَاهُنَّ سَقْفًا مَحْفُوْظًا

قرار دیا اور اوپر والے کو ایک محفوظ چھت

وَ سَمْكًا مَرْفُوْعًا ٭ بِغَيْرِ عَمَدٍ يَدْعَمُهَا ٭

اور بنائے رفیع بنایا ۔ آسمان بغیر کسی اڑانے کے روکا

وَلَا دِسَارٍ يَنْظِمُهَا ٭ ثُمَّ زَيَّنَهَا بِزِيْنَةِ

اور بغیر کیلوں اور رسیوں کے اپنی جگہ برقائم کیا ۔ پھر اللہ نے اسے

الْكَوَاكِبِ ٭ وَضِيَاءِ الثَّوَاقِبِ وَ اَجْرٰى

چھوٹے تاروں اور نوربار تاروں سے سجا اور اسمیں

فِيْهَا سِرَاجًا مُسْتَطِيْرًا ٭ وَ قَمَرًا مُنِيْرًا ٭

ایک اڑتا ہوا چراغ جسکی ضیا رپھیل رہی تھی بہا دیا اور روشن چاند کو چلا یا ۔

فِيْ فَلَكٍ دَائِرٍ ٭ وَ سَقْفٍ سَائِرٍ ٭

یہ چیزیں گھومتے ہوئے فلک ، چلتی ہوئی چھت

وَ رَقِيْمٍ مَائِرٍ ٭ ثُمَّ فَتَقَ مَا بَيْنَ

اور متحرک نقطہ دار آسمان میں تھیں ۔ پھر اوپر کے آسمانوں کو چیر کر

السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ٭ فَمَلَأَهُنَّ اَطْوَارًا

اس میں فضا پیدا کی ۔ اور اُس کو اپنے

مِنْ مَلَائِكَتِهٖ مِنْهُمْ سُجُوْدٌ لَا يَرْكَعُوْنَ ٭

ملائکہ سے آباد کردیا ۔ انہیں سے کچھ ایسے سجدہ کرنے والے ہیں جو سجدہ میں ہیں رکوع نہیں کرتے

ل ملائکہ ایک نورانی مخلوق ہیں بعضوں کے نزدیک بعض ان میں سے ایک پر شفاف رکھتے ہیں جس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا اور بعض کا رنگ آفتاب کی طرح نورانی ہوتا ہے ۔ ان کی امیرالمومنین نے چار قسمیں فرمائی ہیں ، پہلے تو عبادت گزار ہیں جو چار قسموں پر پھر تقسیم کئے گئے ۔ دوسرے گروہ ہیں جو خدا و رسول کے درمیان سفارت کا کام انجام دیتے ہیں ، تیسرے وہ ہیں جو دو قسموں پر منقسم ہیں ایک تو وہ جو بندوں کی حفاظت پر مامور ہیں جیسے کرام کاتبین ، اور ایک وہ قسم ہے جو دربان جنت ہیں ، چوتھے حاملان عرش الٰہی ہیں

فلک میں خواب کا محال ہونا اُسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ فلک ہے۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ "پانی بارد ہے" درحقیقت پانی اُسی وقت

وَ رُكُوعٌ لَا يَنْتَصِبُونَ ۞ وَصَافُّونَ لَا يَتَزَايَلُونَ ۞
کچھ ایسے رکوع کرنے والے جو کھڑے نہیں ہوتے ۔ کچھ ایسے صف بستہ کھڑے عبادت کرتے ہیں کہ جب اُن کی صفیں بندھ گئیں تو
وَ مُسَبِّحُونَ لَا يَسْأَمُونَ ۞ لَا يَغْشَاهُمْ نَوْمُ
ٹوٹتی نہیں۔ اور کچھ ایسے تسبیح کرنے والے جو تھکتے ہی نہیں۔ انھیں نہ کبھی نیند آتی
الْعُيُونِ ۞ وَلَا سَهْوُ الْعُقُولِ ۞ وَلَا فَتْرَةُ
ہے ۔ نہ وہ بھولتے ہیں ۔ نہ عبادت سے ان کے
الْأَبْدَانِ ۞ وَلَا غَفْلَةُ النِّسْيَانِ ۞ وَ
جسم میں سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہو ۔ اور نہ انہیں کبھی بھول چوک ہوتی ہے اور
مِنْهُمْ أُمَنَاءُ عَلَى وَحْيِهِ ۞ وَ أَلْسِنَةٌ
ان میں وہ ملائکہ بھی ہیں جو وحی الٰہی کے امانت دار ہیں اور اسکے رسولوں کے پاس
إِلَى رُسُلِهِ ۞ وَ مُخْتَلِفُونَ بِقَضَائِهِ وَ أَمْرِهِ
پیغامبر بن کے اور الٰہی احکام لیکے آنے جانے والے ہیں ۔
وَ مِنْهُمُ الْحَفَظَةُ لِعِبَادِهِ ۞ وَالسَّدَنَةُ لِأَبْوَابِ
انہیں سے وہ بھی ہیں جو خدا کے بندوں کے نگہبان ہیں ۔ اور اسکی جنت کے دروازوں کے

لہ ملائکہ کو نیند نہیں آتی اور جس طرح وہ کھاتے پیتے نہیں اسی طرح وہ سوتے بھی نہیں کیونکہ نیند مزاج کی تابع ہے اور مزاج اخلاط اربعہ کا تابع ہے اور فلک میں یہ موجود نہیں، لہٰذا نیند کیسی، رہ گئی خدائے بزرگ کی یہ مدح کہ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم خدا پر نیند اور خواب نہیں طاری ہوتا وہ اس بحث سے خارج ہے کیونکہ وہاں ذاتی حیثیت سے خواب محال ہے جس کی تبدیلی ناممکن ہے برخلاف فلک کے کیونکہ فلک میں یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی فلکیت سے خارج ہوجائے اور فلک نہ رہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ ذاتِ فلک میں رطوبت وحرارت وبرودت و یبوست پیدا کردی جائے جن کے اجتماع سے مزاج پیدا ہوجائے اور مزاج نیند کا سبب ہو لہٰذا

بارد کہا جاسکتا ہے جب تک کہ وہ پانی ہے لیکن اگر وہ ہوا ہوگیا یا آگ ہوگیا تو اُس وقت میں بارد نہ ہوگا رہ گئی خدا کی ذات تو اُس میں یہ تغیرات محال ہیں لہٰذا دونوں کے بیان وطریان خواب میں فرق واضح ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ ملائکہ عمران بن حصین صحابی رسول سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ تھوڑے دنوں بعد یہ بات جاتی رہی، عمران نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی کہ کچھ نورانی الخلقہ لوگ مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے اب نہیں آتے، آپ نے فرمایا تمہارے کوئی زخم لگا تھا اور تم اُس کو پوشیدہ رکھتے تھے؟ کہا ہاں یا رسول اللہ، فرمایا پھر تم نے اُس زخم کا اظہار کیا کہا ہاں یا رسول اللہ، کہا بس اسی سے ملائکہ نے آنا بند کردیا اگر تم اس کو چھپائے رہتے تو ملائکہ آتے رہتے اور ہمیشہ۔ یہ زخم جہاد راہ خدا میں لگا تھا۔ (اس واقعہ صحیحہ سے یہ پتہ چلا کہ جو راہ خدا میں زخمی ہو اُسکے پاس ملائکہ آتے رہتے ہیں اور اگر شہید ہوجائے تو ملائکہ کے آنے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے معلوم ہوا کہ شہید راہ خدا کی نعش اور اُن کے قبور پر ملائکہ کا آنا اور رہنا قابل اشکال نہیں نیز یہ بھی کہ جب صحابی راہ خدا میں عمل کرنے سے اس قابل ہوگیا کہ ملائکہ اس سے مصافحہ کریں تو آلِ رسول اپنے خدمات آلٰہیہ کی وجہ سے خدمات ملائکہ کے مستحق ہیں اور تھے۔ جبرئیل امین سردار ملک کا رسول کے پاس دحیہ کلبی کی صورت میں آنا یا دریں؟ (گھوڑے کا نام) پر سوار ہوکے جنگ کرنا یا حسینؑ کا جھولا جھلانا یا شب ہجرت علی کی محافظت کرنا یا دیگر خدمات یہ سب انھیں خدمات آلٰہیہ آلِ رسول کے نتائج تھے الخ

جَنَانِهٖ ۞ وَمِنْهُمُ الثَّابِتَةُ فِي الْاَرَضِيْنَ السُّفْلٰى

دربان ہیں - انمیں سے بعض ایسے (طویل القامتہ) ہیں جنکے قدم تحت الثریٰ میں ہیں

اَقْدَامُهُمْ ۞ وَالْمَارِقَةُ مِنَ السَّمَاءِ الْعُلْيَا

اور ان کی گردنیں فلک اول سے نکل گئی

اَعْنَاقُهُمْ ۞ وَالْخَارِجَةُ مِنَ الْاَقْطَارِ

ہیں اور ان کے جسم اطراف دنیا سے نکلے ہوئے

اَرْكَانُهُمْ ۞ وَالْمُنَاسِبَةُ لِقَوَائِمِ الْعَرْشِ

ہیں - اور قائمہ عرش الٰہی سے ان کے کاندھے

اَكْتَافُهُمْ ۞ نَاكِسَةٌ دُوْنَهٗ اَبْصَارُهُمْ ۞

ملے ہوئے ہیں عرش عزت کے سامنے (ادب سے) انکی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں -

مُتَلَفِّعُوْنَ تَحْتَهٗ بِاَجْنِحَتِهِمْ ۞ مَضْرُوْبَةٌ بَيْنَهُمْ

اور وہ اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں ان کے (اور دوسرے ملائکہ جو انسے کم مرتبہ والے ہیں)

وَبَيْنَ مَنْ دُوْنَهُمْ حُجُبُ الْعِزَّةِ وَاَسْتَارُ

درمیان عزت وقدرت کے پردے پڑے ہوئے

الْقُدْرَةِ ۞ لَا يَتَوَهَّمُوْنَ رَبَّهُمْ بِالتَّصْوِيْرِ ۞ وَلَا

ہیں - یہ ملائکہ اپنے پالنے والے کا تصور کسی شکل وصورت میں نہیں کرتے - اور نہ

يُجْرُوْنَ عَلَيْهِ صِفَاتِ الْمَصْنُوْعِيْنَ ۞ وَلَا يَحُدُّوْنَهٗ

مخلوقات عالم کی صفتوں سے اسکی ذات کو متصف کرتے ہیں اور نہ کسی ایسے خاص

بِالْاَمَاكِنِ وَلَا يُشِيْرُوْنَ اِلَيْهِ بِالنَّظَائِرِ ۞

مکان اور جگہ میں محدود کرتے ہیں، اور نہ نظیروں سے اسکی جانب کوئی اشارہ کرتے ہیں

CamScanner

دوسرا خطبہ

خلقت آدمؑ کا تذکرہ

ثُمَّ جَمَعَ سُبْحَانَهُ مِنْ حَزْنِ الْاَرْضِ

پھر اللہ نے زمین سخت، زمین نرم زمین زرعی و شور سے

وَ سَهْلِهَا ❊ وَ عَذْبِهَا وَ سَبَخِهَا تُرْبَةً سَنَّهَا

مٹی اکٹھا کی۔ اور اس پر پانی ڈال کر سانا

بِالْمَاءِ حَتّٰى خَلَصَتْ ❊ وَلَاطَهَا بِالْبَلَّةِ

یہاں تک کہ وہ خالص ہو گئی (اور سنگلی) اور اسے تری سے گوندھا

حَتّٰى لَزَبَتْ ❊ فَجَبَلَ مِنْهَا صُوْرَةً ذَاتَ

یہاں تک کہ وہ چاروں اجزا زمین کے ایک دوسرے میں سمو گئے۔ اس سے خدا نے ایک صورت

اَحْنَاءٍ وَ وُصُوْلٍ وَ اَعْضَاءٍ وَ فُصُوْلٍ ❊

خلق کی جس میں کچھ ٹیڑھی ہڈیاں تھیں اعضا تھے

اَجْمَدَهَا حَتّٰى اسْتَمْسَكَتْ وَ اَصْلَدَهَا حَتّٰى

جوڑ تھے پیوند تھے ایک وقت خاص اور مدت معین تک اسے

صَلْصَلَتْ ❊ لِوَقْتٍ مَعْدُوْدٍ ❊ وَ اَمَدٍ مَعْلُوْمٍ

ڈال رکھا اور ٹھہرا رکھا یہاں تک کہ وہ سوکھ کر سخت اور چکنی ہو گئی اور اسمیں ایک کھنکھناہٹ پیدا ہو گئی

ثُمَّ نَفَخَ فِيْهَا مِنْ رُوْحِهٖ فَمَثُلَتْ اِنْسَانًا

پھر اسمیں اللہ نے اپنی روح پھونکدی اب ایک ایسا انسان اُٹھ کھڑا ہوا

ذَا اَذْهَانٍ يُجِيلُهَا ۞ وَ فِكَرٍ يَتَصَرَّفُ بِهَا ۞

جو ذہن کا مالک ہے اسے دوڑاتا ہو۔ فکر کا مالک ہے اور اسے کام میں لاتا ہو۔

وَجَوَارِحَ يَخْتَدِمُهَا ۞ وَ اَدَوَاتٍ يُقَلِّبُهَا ۞

ہاتھ پیروں والا ہو، جن سے خدمتیں لیتا ہو صاحب اعضا ہو جنھیں (جیسا بھی چاہے) حرکت دیتا ہو

وَ مَعْرِفَةٍ يَفْرُقُ بِهَا بَيْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ

سمجھدار باہوش ہو کر حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے (اسمیں چکھنے کی قوتیں بھی ہیں اور

وَ الْاَذْوَاقِ وَ الْمَشَامِّ وَ الْاَلْوَانِ وَ الْاَجْنَاسِ

سونگھنے والی طاقتیں بھی ہیں) جنسے وہ ذائقہ، شامہ، رنگ اور جنسوں میں امتیاز کرتا ہے۔

مَعْجُونًا بِطِينَةِ الْاَلْوَانِ الْمُخْتَلِفَةِ ۞ وَالْاَشْبَاهِ

مختلف رنگوں کی مٹی سے بنا ہوا۔ ہمشکل چیزوں

الْمُؤْتَلِفَةِ ۞ وَالْاَضْدَادِ الْمُتَعَادِيَةِ ۞

سے مرکب ان چیزوں سے بنا ہوا جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور دشمن ہیں

وَالْاَخْلَاطِ الْمُتَبَايِنَةِ ۞ مِنَ الْحَرِّ وَ الْبَرْدِ ۞

ان خلطوں سے ترکیب پایا ہوا جو ایک دوسرے افتراق رکھتی ہیں۔ گرمی بھی سردی بھی

وَالْبَلَّةِ وَ الْجُمُودِ ۞ وَ اسْتَادَى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ

تری بھی، خشکی بھی (یہ مخلوق بناکے) اللہ نے ملائکہ

الْمَلَائِكَةَ وَدِيعَتَهُ لَدَيْهِمْ وَعَهْدَ وَصِيَّتِهِ

سے چاہا کہ وہ اس ودیعت کا حق ادا کریں اور انکی جانب اپنے عہد وصیت

اِلَيْهِمْ ۞ فِي الْاِذْعَانِ بِالسُّجُودِ لَهُ وَالْخُشُوعِ

کو متوجہ کیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اور اس کی بزرگی کے سامنے اپنا سر نیاز

۱؎ انسان کی قسموں کی طرف اشارہ ہے باعتبار رنگ و مزاج۔

۲؎ عہد و وصیت سے وہی قول باری مراد ہے جو ملائکہ سے قبل تخلیق آدم فرمایا تھا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، جب میں اسے بنا لوں اور اپنی روح اُس میں پھونک دوں تو تم سجدے میں جھک جانا انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین۔ اب نفخ روح کے بعد اسی عہد کا ایفا چاہا۔

جواب شیخ و علی نے یہ دیا ہے کہ جو لوگ دعوت شیطان پر لبیک کہنے والے تھے وہ خود تو ثبت بھی یہی فساد فی الارض برپا کرتے جب شیطان نہیں اور جو کی طرف سے دعوت دیتا اور بیا ہے [illegible]
تھی لہٰذا تعریف معترضہ اس جگہ صادق نہیں آتی کیونکہ معترضہ کی تعریف یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی فساد واقع ہو یعنی اگر وہ نہ ہوتا تو فساد نہ ہوتا بشرطیکہ انسان کا نوع ملائکہ سے [illegible]

لِتَكْرِمَتِهِ فَقَالَ سُبْحَانَهُ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

جھکا دیں چنانچہ حکم الٰہی ہوا (کہ اے ملائکہ) آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ اعْتَرَتْهُ الْحَمِيَّةُ وَ

سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سرتابی کی اسے آدم کے سجدہ کرنے میں غیرت آئی اور

غَلَبَتْ عَلَيْهِ الشِّقْوَةُ ۰ وَ تَعَزَّزَ بِخِلْقَةِ

بدبختی اس پر سوار ہو گئی اپنی ناری خلقت کا خیال کرتے ہوئے

النَّارِ وَ اسْتَهْوَنَ خَلْقَ الصَّلْصَالِ ۰ فَاَعْطَاهُ

اس نے غرور کیا اور مٹی کے بنے ہوئے کو ذلیل سمجھا۔ اللہ نے

اللّٰهُ النَّظِرَةَ اِسْتِحْقَاقًا لِلسُّخْطَةِ ۰ وَ اِسْتِتْمَامًا

اس کو مہلت دی کہ استحقاق ناراضی ظاہر ہو۔ اور بدبختی کی کامل بلا

۱ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سجدہ غیر خدا کے لیے کیونکر جائز ہوا اُس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت وہ غیر خدا کو سجدہ نہ تھا بلکہ خدا ہی کے لیے سجدہ تھا کیونکہ اُس کے حکم سے تھا اور آدم اُس وقت صرف قبلہ کی حیثیت رکھتے تھے، یہ بھی کہ سجدہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو عبادت کی حیثیت رکھتے ہیں ایک وہ جو تعظیمی ہوتے ہیں، تعبدی حیثیت سے جو سجدہ ہو وہ سوا خدا کے کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں مگر سجدۂ تعظیمی جائز ہے جیسا کہ یوسفؑ کو ان کے بھائی وغیرہ نے کیا۔

۲ شیطان نے اسلیے سرتابی کی کہ اُس نے محسوس کیا کہ اسکی خلقت نار سے ہے اور نار، روشن اور نور سے مشابہ ہے اور نور مجردات سے اشبہ ہے بخلاف مٹی کے جو نار یک ہے اور جس نور سے کوئی لگاؤ نہیں لہٰذا اسی خیال و قیاس کو اُس نے حجت قرار دیا اور اپنے عنصر کو آدم کے عنصر سے زیادہ بہتر اور اشرف سمجھا۔ نیز یہ بھی کہ آگ بہ نسبت زمین کے فلک سے زیادہ قریب ہے اور ہر چیز جو فلک کے باعتبار دوسرے کے زیادہ قریب ہو وہ اس سے ضرور افضل ہے۔

۳ شارحین نے اس مقام پر عجیب عجیب اعتراضات پیدا کئے ہیں اور عجیب عجیب جوابات دیئے ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ طول کلام کے سوا کوئی فائدہ نہ دیگا ان میں سے اکثر ایسے ہیں جسے زمانۂ موجودہ قبول نہیں کر سکتا مثلاً یہ اعتراض کہ خدا نے آدم پر شیطان کو کیوں مسلط کیا، کیا اس فعل میں اہل فساد اور طلب فساد نہیں ہوگا

تو معلوم ہوا کہ وجود دعوت ابلیس شرط فساد
نہیں کیونکہ اگر یہ دعوت نہ ہوتی جب بھی فساد
ہوتا جیسا کہ علم باری میں تھا اور جیسا ہو رہا ہے تو معترضہ
کی تعریف صادق نہیں۔ بہر حال معترضہ
کی بھی تعریف قرار دے کے جو ابن قاسم وغیرہ
نے بہ جرم فساد کو قرار اختیار کیا ہے۔
درحقیقت مصالح الٰہیہ وہی جانے مگر وہ بات
ہے عقل قبول کرتی ہے اور مہلت کو صحیح
سمجھتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا نے شیطان جیسی
کو مہلت دے کر ابتدائے خلق سے لے کے
انتہائے خلق تک کے لوگوں کیلئے نافرمانی کی
ایک نہ ختم مثال اور اپنے عتاب کی ایسا
عتاب جس میں باوجود عتاب کی سزا اور
کوئی عتاب اس دنیا میں شیطان پر نہیں یہ
چاہا ہے کہ بندوں پر اپنی حجت قائم ہو جائے اور
گزشتہ اور آئندہ نسلیں یہ جان لیں کہ حکم الٰہی
نافرمانی ملیوں ورس عبادت گزاروں کو بھی
خود درگاہ سے دور کر سکتی ہے اور عبادت ہزار سالہ
ایک ہی نافرمانی سے تباہ و برباد ہو سکتی ہے
ابتدائے آفرینش کے موقع پر ہی طاعت
نافرمانی کی یہ دونوں تصویریں (ملائکہ اور
شیطان) تاقیامت درس آموز عباد
رہیں گی، اگر وہ عقل سے کام لیں اور الٰہی
حکمت تصرف الٰہی کی حیثیت سے جو ہر دور
کی زبانی ہو رہا ہے بلکہ فعل اور عمل کی حیثیت سے
بھی بندوں پر قائم ہے اور قائم رہے گی
اور ہر پیدا ہونے والا عصیان شیطان
اور اطاعت ملائکہ سے ھد یناہ
النجدین کی تفسیر کو سمجھ سکتا ہے
یہ بھی کہ باوجود عصیان و نیا وی کوئی
تکلیف شیطان کو نہیں نہ کوئی عذاب
ہے، یہ بھی بندوں خصوصاً منافقین
کیلئے ایک درس عبرت ہے تاکہ وہ مہلت شیطان کو دیکھ کر ولنستدرجھم من حیث لا یعلمون اور مھل الکافرین امھلھم
رویدا کے معنی سمجھ سکیں۔

لِلْبَلِيَّةِ ۔ وَ اِنْجَازًا لِلْعِدَةِ ۔ فَقَالَ اِنَّكَ

تمام ہو جائے اور وعدہ پورا ہو کر رہے ۔ لہٰذا فرمایا: جا! تو

مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ثُمَّ

وقت معلوم تک کے لیے چھوڑ دیا گیا ۔ پھر

اَسْكَنَ سُبْحَانَهٗ اٰدَمَ دَارًا اَرْغَدَ فِيْهَا

خدا نے آدم کو ایسے گھر (جنت) میں ٹھہرایا جہاں انکی

عِيْشَتَهٗ ۔ وَ اٰمَنَ فِيْهَا مَحَلَّتَهٗ ۔ وَ حَذَّرَهٗ

زندگی مزے سے گزر رہی تھی ۔ اور بڑے امن و امان میں تھے ۔ یہ بھی آدم سے کہا کہ

اِبْلِيْسَ وَ عَدَاوَتَهٗ ۔ فَاغْتَرَّهٗ عَدُوُّهٗ

شیطان اور اسکی دشمنی سے ہوشیار رہنا اور بچتے رہنا، مگر (آخر) آدم کے دشمن (شیطان)

نَفَاسَةً عَلَيْهِ بِدَارِ الْمُقَامِ وَ مُرَافَقَةِ

نے اس بات پر حسد کر کے کہ آدم کا قیام جنت میں نیک بندوں کے ساتھ

الْاَبْرَارِ فَبَاعَ الْيَقِيْنَ بِشَكِّهٖ ۔ وَ الْعَزِيْمَةَ

کیوں ہے؟ (آدم کو دھوکا دے ہی دیا) پس آدم نے یقین کو شک کے ہاتھوں ۔ اور ارادہ کی پختگی

بِوَهْنِهٖ وَاسْتَبْدَلَ بِالْجَذَلِ وَجَلًا وَ

کو سستی اور کمزوری کے ہاتھوں بیچ ڈالا ۔ اور مسرت کو خوف سے بدل لیا ۔ اس

بِالْاِغْتِرَارِ نَدَمًا ۔ ثُمَّ بَسَطَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ

دھوکا کھانے کے بعد اب انھیں ندامت ہوئی ۔ پھر اللہ نے

لَهٗ فِيْ تَوْبَتِهٖ ۔ وَ لَقَّاهُ كَلِمَةَ رَحْمَتِهٖ ۔

انکی توبہ قبول کی ۔ اور اپنی رحمت کا کلمہ انھیں سکھایا ۔

ك جو کچھ تعبیرات لفظی آدم کے لیے یہاں فرمائے ہیں وہ کلموا الناس علی قدر عقولھم لوگوں سے ان کے عقول کی مناسبت سے کلام کرو کے مطابق ہیں ورنہ در حقیقت آدم پیغمبر تھے ان سے عصیان کی توقع انکی انتخاب و علم کے دامن پر دھبہ لگاتی ہے۔ اسلام کے فرقوں میں بعض تو کبائر و صغائر سب انبیاء کے لیے جائز قرار دیتے ہیں اور بعض صرف صغائر پر اکتفا کرتے ہیں اور یہاں بھی صغیرہ ہی مراد لیا گیا ہے یعنی ترک اولی مگر فرقہ امامیہ کثر اللہ امثالھم وہ ذات انبیاء کو کبائر و صغائر دونوں سے منزہ سمجھتا ہے اور لا تقربا ھذہ الشجرۃ کی نہی کو نہی تنزیہی قرار دیتا ہے نہ نہی تحریمی اور فعل آدم کو ترک اولی سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جنت مقام عمل نہیں جہاں امر و نہی و احکام انسان کی طرف ملتفت ہوں بلکہ وہ دار جزا ہے امیر المومنین کے فقرات اس جگہ ویسے ہی ہیں جیسے جناب باری نے تعبیرات فرمائے ہیں جن کی تاویل عصمت کا خیال کرتے ہوئے ہر مسلم پر واجب ہے چنانچہ مفسرین نے ان الفاظ کی تاویل کی جو اپنی جگہ پر مرقوم ہے

عصی آدم ربہ فغوی

بوسے لگے اور اس [illegible] بھی پیدا ہوا جیسے [illegible] سلسلہ جاری ہوا [illegible]
پر [illegible] ہوا اس سے بھی [illegible] وہ آدم کے قائل ہیں [illegible] کے [illegible] شاہ [illegible]

وَ وَعَدَهُ الْعَوْدَ إِلَى جَنَّتِهِ وَ أَهْبَطَهُ إِلَى
ان سے جنت میں پلٹانے کا وعدہ کیا اور انھیں اس تماشا گاہ

دَارِ الْبَلِيَّةِ وَ تَنَاسُلِ الذُّرِّيَّةِ ۔ وَاصْطَفَى
اور بلاؤں کے گھر (دنیا) میں اُتار دیا جہاں توالد و تناسل ہوتا رہتا ہے۔ آدم کی

سُبْحَانَهُ مِنْ وَلَدِهِ أَنْبِيَاءَ أَخَذَ عَلَى الْوَحْيِ
اولاد سے اللہ نے نبی چنے اور ان سے (بندوں تک اپنی) وحی کے پہونچانے

مِيثَاقَهُمْ وَ عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ أَمَانَتَهُمْ
کا عہد لیا اور تبلیغ رسالت کا انھیں امین قرار دیا

لَمَّا بَدَّلَ أَكْثَرُ خَلْقِهِ عَهْدَ اللّٰهِ إِلَيْهِمْ
یہ اسوقت جب کہ اکثر بندوں نے عہد و پیمان الٰہی (روز الست) کو بدل دیا تھا

فَجَهِلُوا حَقَّهُ ۔ وَ اتَّخَذُوا الْأَنْدَادَ مَعَهُ ۔
اور وہ الٰہی حق سے غافل ہو گئے اور بتوں کو اس کا شریک قرار دیا

وَاجْتَالَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ عَنْ مَعْرِفَتِهِ ۔
اور شیطانوں نے ان بندوں کو خدا کی معرفت سے باز رکھا اور معرفت جو فطرۃً انکے طبائع اور خلقت میں رکھی گئی تھی

لہ آدم کے ہبوط میں منجملہ دیگر مصالح کے یہ مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ ذریعہ آبادی دُنیا قائم ہو سکے وہ دنیا جو عالم اسباب ہے۔ ابتدائے خلقت بشر میں مذاہب میں اختلاف ہے مسلمان و یہود و نصاریٰ تو اسی بات کے قائل ہیں کہ آدم اوّل بشر ہیں اور توریت بھی اس مقام پر قرآن کی مؤید ہے ہنود اس کے بالکل قائل نہیں۔ براہمہ ہند میں جو فلاسفہ کی رائے رکھتے ہیں انکی وہی رائے ہے اور جو حدوث اجسام کے قائل ہیں وہ آدم کو نہیں مانتے کہ اوّل بشر تھے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ خدا نے افلاک کو پیدا کیا اور طبیعت کلی نے جو بالتفات محرک تھی فلک کو حرکت دی جب حرکت پیدا ہوئی تو اجسام پیدا ہوئے کیونکہ خلا محال ہے اُس وقت یہ اجسام ایک طرح کی طبیعت رکھتے تھے مگر حرکت فلک سے ان کی طبیعتیں مختلف ہو گئیں لہٰذا جو فلک متحرک کے قریب تھا وہ زیادہ گرم اور زیادہ لطیف ہو گیا اور جو دور تھا وہ زیادہ ٹھنڈا اور کثیف رہ گیا۔ اسکے بعد عناصر ایک دوسرے سے ملے تو ان سے مرکبات پیدا

مقدسہ ایسی ہوئی کہ یزداں اصلاح اول
اہرمن یعنی شیطان کے متعلق ایک وہ
فکر کر رہا تھا کہ کیا بنا ہو اور اسی فکر کی ر
اُسکی پیشانی پر پسینہ آگیا اس پسینہ کے
قطروں کو جب گرنے دیا تو اُس سے
کیومرث پیدا ہوا یہ بہت خوبصورت اور
حسین آدمی تھا اسکے چہرے پر نگاہ نہ ٹھہر
سکتی تھی یہ تیس برس زندہ رہا
آخر کار قتل کر دیا گیا قتل کا واقعہ یہ ہے
کہ کیومرث نے اہرمن کے ایک بیٹے کو جس کا
نام خزورہ تھا قتل کر دیا اہرمن نے
یزداں سے اُس عہد و پیمان کے مطابق جو
آپس میں تھے دُہائی دی اور یزداں نے
مجبور ہو کر کیومرث کو مار ڈالا بعض کہتے
ہیں کہ اس کی موت یوں واقع ہوئی کہ
اہرمن سے کشتی ہوئی اور کیومرث غالب
آیا اور اہرمن پر سوار ہو کر پھرنے
لگا مگر اہرمن نے دھوکا دے کر اسے مغلوب
کیا اور جب وہ زمین پر گرا تو اُسے پاؤں
کی طرف سے کھانے لگا یہاں تک کہ جب
کھاتے کھاتے نصف جسم تک پہنچا تو کیومرث
کا ایک قطرہ نطفہ زمین پر گر پڑا اس سے [illegible]
میں ایک ریباس پیدا ہوا اور اُس میں
انسانی اعضاء پیدا ہونے لگے جو [illegible] کے بعد
کامل انسان کی صورت میں نظر آنے لگے
ایک ان میں سے لڑکی تھی اور ایک لڑکا جنھیں
میشی اور میشانہ یعنی مشیانہ اور [illegible]
[illegible] مرد اور عورت کہتے ہیں یہ دونوں
گویا ابو البشر آدم و حوا تھے یہ دونوں بغیر غذا
پچاس برس تک جیتے رہے اور انہیں کسی
طرح کی تکلیف نہ تھی بلکہ بہت خوش و خرم
تھے یہاں تک کہ اہرمن ایک بڈھے آدمی کی
شکل میں ان کے پاس آیا اور انہیں پھلوں کے کھانے کی رائے دی [illegible] پھلوں کے کھاتے ہی ان میں تمام صفات ذمیمہ پیدا ہو گئے اور [illegible] ازدواج کیا جو لڑکا پہلے پیدا ہوا اُسے بھی نوش کر گئے
پھر اہرمن نے ان کے دل میں رحم پیدا کیا اور اس نعمت کے بعد جو بچے پیدا ہوئے وہ زندہ رہے ان کے نام کتاب "[illegible]" میں جو زردشت نے اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش کی موجود
ہیں۔ آخر ساتویں نسل میں ہوشنگ پیدا ہوا اور اُس نے اپنے دادا کیومرث کی گدی لی۔ یہ ہیں وہ معتقدات جو مجوس خلقت کے متعلق رکھتے ہیں۔

CamScanner

وَ اقْتَطَعَتْهُمْ عَنْ عِبَادَتِهٖ ۰ فَبَعَثَ فِیْهِمْ

اور انھیں اسکی عبادت سے روکا۔ (اسوقت) خدا نے ان میں

رُسُلَهٗ وَ وَاتَرَ اِلَیْهِمْ اَنْبِیَاءَهٗ لِیَسْتَادُوْهُمْ

رسولوں کو بھیجا اور پے بعد دیگرے انبیا آنے لگے تاکہ بندوں سے حق

مِیْثَاقَ فِطْرَتِهٖ وَ یُذَکِّرُوْهُمْ مَنْسِیَّ

عہد الٰہی ادا کرائیں (اور جب مزاج فطرت کی عمل پیرا ہوں) اور اس کی بھولی ہوئی نعمتوں

نِعْمَتِهٖ وَ یَحْتَجُّوْا عَلَیْهِمْ بِالتَّبْلِیْغِ ۰

کو اسے یاد دلائیں اور انہیں تبلیغ (دین) سے حجت قائم کریں۔

وَ یُثِیْرُوْا لَهُمْ دَفَائِنَ الْعُقُوْلِ وَ یُرُوْهُمْ

اور وہ نورانی عقول جو وہم و شک کے گرد میں ڈھکے دفن ہو گئی ہیں انھیں ابھار کر جگا دیں۔ اور

الْاٰیَاتِ الْمُقَدَّرَةَ مِنْ سَقْفٍ فَوْقَهُمْ مَرْفُوْعٍ

وہ روشن نشانیاں جو آسمان میں ہیں انھیں دکھائیں اور جو

وَ مِهَادٍ تَحْتَهُمْ مَوْضُوْعٍ ۰ وَ مَعَایِشَ تُحْیِیْهِمْ

زمین میں ہیں انھیں سمجھائیں۔ اور انھیں بتائیں کہ کن اچھی چیزوں نے انکی زندگی

وَ اٰجَالٍ تُفْنِیْهِمْ ۰ وَ اَوْصَابٍ تُهْرِمُهُمْ

ہے۔ اور کبھی کبھی موت انھیں فنا کرتی ہے۔ اور کبھی رنج و غم انھیں بڑھا کر دیتا ہے۔

وَ اَحْدَاثٍ تَتَابَعُ عَلَیْهِمْ ۰ وَ لَمْ یُخْلِ

اور کبھی آفات پے در پے آتے رہتے ہیں۔ خدا نے ایسا نہیں کیا

سُبْحَانَهٗ خَلْقَهٗ مِنْ نَبِیٍّ مُرْسَلٍ اَوْ

کہ اپنے خلق کو بغیر کسی رسول کے !

كِتَابٍ مُنْزَلٍ ، اَوْ حُجَّةٍ لَازِمَةٍ ، اَوْ مَحَجَّةٍ

بغیر کسی کتاب آسمانی کے یا بغیر کسی دلیل یا بغیر کسی راہ

قَائِمَةٍ ، رُسُلٍ لَا تُقَصِّرُ بِهِمْ قِلَّةُ عَدَدِهِمْ

روشن کے دکھائے ہوئے چھوڑ دیا ہو۔ ایسے رسول کہ جن کی کمی تعداد (انکی تبلیغ میں)

وَلَا كَثْرَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ لَهُمْ مِنْ سَابِقٍ

کوئی کمی نہیں کرتی۔ اور نہ جھٹلانے والوں کی کثرت ہی انکا کچھ بگاڑتی ہو۔ کچھ رسول پہلے آئے

سُمِّيَ لَهُ مَنْ بَعْدَهُ اَوْ غَابِرٍ عَرَّفَهُ مَنْ

جنہوں نے بعد کے آنے والے رسولوں کی خبر دی اور کچھ بعد آئے جنہوں نے گزرے ہوئے پیغمبروں

قَبْلَهُ ، عَلٰى ذٰلِكَ نَسَلَتِ الْقُرُوْنُ ، وَ

کو پہچنوایا۔ یونہی قرن گزر گئے اور

مَضَتِ الدُّهُوْرُ وَ سَلَفَتِ الْاٰبَاءُ وَ خَلَفَتِ

زمانے گزرا گئے اور اسلاف گزرے اور ان کی

الْاَبْنَاءُ اِلٰى اَنْ بَعَثَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّدًا

نسلیں آئیں یہاں تک کہ پروردگار عالم نے اپنے

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لِاِنْجَازِ

رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کو بھیجا تاکہ انکا وہ

عِدَتِهٖ وَ تَمَامِ نُبُوَّتِهٖ ، مَاْخُوْذًا عَلَى النَّبِيِّيْنَ

وعدہ (جو گزرے پیغمبروں سے سنایا گیا) تھا پورا ہو جائے اور اسکی نبوت ختم ہو جائے

مِيْثَاقُهٗ مَشْهُوْرَةً سِمَاتُهٗ ، كَرِيْمًا مِيْلَادُهٗ

انبیاء سے اسکے (اس رسول کے متعلق) عہد لیا جا چکا تھا جسکے علامات واضح و روشن ہیں (اور جسکا تذکرہ کتب انبیاء میں تھا) اسکی ولادت بھی بزرگی (با شرافت میں تھا)

وَ اَھْلُ الْاَرْضِ یَوْمَئِذٍ مِلَلٌ مُتَفَرِّقَةٌ

آپ کے پیدائش کے وقت دنیا میں مختلف مذاہب تھے۔

وَ اَھْوَاءٌ مُنْتَشِرَةٌ وَ طَوَائِفُ مُتَشَتِّتَةٌ بَیْنَ

مختلف رائیں تھیں (مختلف عقیدے تھے) مختلف فرقے تھے کچھ ایسے

مُشَبِّهٍ لِلّٰهِ بِخَلْقِهٖ اَوْ مُلْحِدٍ فِیْ اِسْمِهٖ اَوْ

جو خدا کو بندوں سے تشبیہ دیتے اور مخلوقات کی طرح جانتے کچھ ایسے ملحد کہ جو اسکے لئے ایسی صفات تجویز کرتے

مُشِیْرٍ اِلٰی غَیْرِهٖ فَهَدَاهُمْ بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ

جنہے اسکی ذات کو کوئی لگاؤ نہیں اور کچھ ایسے جو اسکا شریک دوسروں کو سمجھتے تھے۔ رسول انھیں گمراہی سے ہدایت کی طرف نکال لایا

وَ اَنْقَذَهُمْ بِمَکَانِهٖ مِنَ الْجَهَالَةِ ثُمَّ اخْتَارَ

اور جہالت سے نجات دلائی پھر خدا نے چاہا

سُبْحَانَهٗ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ لِقَاءَهٗ

کہ اپنے رسول سے ملاقات کرے (اور انھیں اٹھا لے)

وَ رَضِیَ لَهٗ مَا عِنْدَهٗ وَ اَکْرَمَهٗ عَنْ دَارِ الدُّنْیَا

وہ اسے راضی تھا اپنے ذات محمد کو اس بات سے بالاتر اور برتر سمجھا کہ وہ دنیا

وَ رَغِبَ بِهٖ عَنْ مُقَارَنَةِ الْبَلْوٰی فَقَبَضَهٗ اِلَیْهِ

اور دنیا کی سختیوں میں رہیں لہذا انھیں باکرامت

کَرِیْمًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ، وَ خَلَّفَ فِیْکُمْ

اٹھا لیا۔ رسول نے تم میں (امت میں) وہی چھوڑا

ل جس وقت رسالت مآب کی بعثت ہوئی اس وقت عجب عجب مذاہب عالم میں تھے یہود و نصاریٰ ایک طرف تو مجوس و صابئین دوسری طرف، بت پرست ایک جانب تو زندیق اور دہریے دوسری جانب، اسی طرح جن میں رسول مبعوث ہوا وہ لوگ عرب تھے ان میں بعض "معطلہ" تھے جو کہتے تھے کہ نہ خدا کوئی ہے نہ قیامت، نہ بعث ہوگا، نہ نشور، نہ رجعت ہوگی نہ حشر لیکن ان کا وہی قول تھا جسے خدا نے قرآن میں بیان فرمایا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر (ترجمہ: جو کچھ زندگی ہے وہ اسی عالم کی ہے اسی میں مرنا اور اسی میں جینا ہے اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا رہتا ہے)۔ بعض لوگ ان میں خدا کے وجود کے معترف تھے مگر بعث کے منکر تھے بعض وہ تھے کہ جو خالق عالم کے بھی قائل تھے اور معاد کے بعض جز کے بھی، مگر رسولوں کے منکر تھے یہ لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور اُن کو شفیع جانتے تھے لہٰذا انکے لیے حج وغیرہ اور قربانیاں کیا کرتے تھے بعض لوگ وہ تھے جو تناسخ کے قائل تھے جیسے توبہ اور لیلی اخیلیہ یہ دونوں عاشق و معشوق تھے اور عہد بنی امیہ میں موجود تھے ان کے اشعار انکے معتقدات کے گواہ ہیں یوں ہیں کچھ ایسے لوگ تھے کہ جو بتوں کو خدا کا شریک جانتے تھے کچھ ایسے تھے جو ان کو ذریعہ شفاعت مانتے تھے اور شریک نہیں جانتے تھے۔ مشبہہ اور مجسمہ فرقہ بھی تھا، چنانچہ امیہ بن ابی الصلت انھیں مجسمہ سے تھا جس کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور کرسی پر ٹانگیں رکھی ہوئی ہیں، بہرحال جمہور عرب بت پرست تھے چنانچہ "خثعم" "ود" مقام دومۃ الجندل میں کلب کے لیے تھا "سواع" ہذیل کیلیے "نسر" حمیر کے لیے "یغوث" ہمدان کے لیے "لات" مقام طائف میں ثقیف کے لیے، "عزیٰ" کنانہ، قریش اور بعض بنی سلیم کیلیے "منات" غسان اور اوس و خزرج کے لیے اور "ہبل" مخصوص قریش کا تھا جو پشت کعبہ پر منصوب تھا امیرالمومنین علیہ السلام نے اسی گمراہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رسول نے کس طرح اس مشکل کو آسان کیا اور کیونکر اس عظیم گمراہی سے نجات دی، اعرب میں وہ لوگ بھی تھے جو وجود خدا کے قائل تھے مگر وہ گنتی کے تھے یہ لوگ بری باتوں سے پرہیز کرتے تھے اور اچھی باتوں پر عمل کرتے اور ان کا حکم دیتے تھے اس گروہ میں سب سے بڑی ہستیاں جناب عبدالمطلب اور جناب ابوطالب کی تھیں، قس بن ساعدہ ایادی اور عامر بن ظرب عدوانی بھی اسی جماعت میں شامل تھے۔

مَا خَلَّفَتِ الْأَنْبِيَاءُ فِيْ أُمَمِهَا إِذْ لَمْ يَتْرُكُوْهُمْ

جو اور انبیاء نے اپنی امتوں میں چھوڑا تھا۔ کیونکہ انبیاء سلف نے

هَمَلًا بِغَيْرِ طَرِيْقٍ وَاضِحٍ وَلَا عَلَمٍ قَائِمٍ ؕ

اپنی امتوں کو مطلق العنان بغیر کسی راہ روشن اور نشانی مستقل و قائم کے نہیں چھوڑا تھا۔ (بلکہ ایسی چیزیں

كِتَابَ[١] رَبِّكُمْ فِيْكُمْ مُبَيِّنًا حَلَالَهُ وَ حَرَامَهُ ؕ

وہ نہیں چھوڑ گئے تھے جو انبیاء کے بعد بھی امت کو راہ پر لگا دکھاتی رہیں) (یہ) کتاب خدا تم میں ہے رسول نے اسکے حلال

وَ فَرَائِضَهُ وَ فَضَائِلَهُ وَ نَاسِخَهُ وَ مَنْسُوْخَهُ وَ

و حرام کو واضح کر دیا۔ اسکے فرائض و فضائل کو اسکے ناسخ و منسوخ اسکی وہ

رُخَصَهُ وَ عَزَائِمَهُ ، وَ خَاصَّهُ وَ عَامَّهُ وَ عِبَرَهُ

آیتیں جنمیں کسی امر کی رخصت (اجازت) ہو، اسکے عزائم اسکے خاص اسکے عام اسکے عبر

[١] اب فرماتے ہیں کہ رسول نے تم میں کتاب الٰہی چھوڑی تاکہ تم گمراہ نہ ہو (بیان کرنے والا اہلبیت میں ہے یہی وجہ ہے جو بنص حدیث ثقلین قرآن کا ساتھی ہے) اس میں حلال و حرام کا بیان ہے جیسے نکاح و زنا، قیاس کا کھانا، اور لوگوں کے مال کا پہلا حلال دوسرا حرام ہے' اس میں فضائل اور فرائض کا بیان ہے یعنی نوافل صدقات و فریضہ حج وغیرہ، اس میں ناسخ و منسوخ ہیں، ناسخ جیسے اقتلوا المشرکین مشرکوں کو قتل کرو اور منسوخ جیسے لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔ اس میں رخصت بھی ہے یعنی وہ ضرورت ہو جن کی اجازت دی گئی ہے جیسے فمن اضطر غیر باغ ولا عاد جو مضطر ہو اسکو اجازت ہے کہ وہ سد رمق کے لیے ممنوع چیزوں کا استعمال کرے (بشرطیکہ شریعت کا باغی اور رہزن نہ ہو) اور عزائم جیسے فاعلم انہ لا الہ الا اللہ یہ جان لو کہ اس خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، یا ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا۔ اس میں خاص و عام بھی ہے خاص جیسے یہ آیت وامرأۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی اور وہ مومنہ عورت جس نے اپنے نفس کو نبی کے لیے ہبہ کر دیا ہو' یہ رسول کے لیے مخصوص تھا، یا یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک اے نبی جو خدا نے تمہارے لیے

حلال کر دیا ہے اُسے کیوں اپنے اوپر حرام کرتے ہو (بعض ازواج کی وجہ سے کچھ چیزوں کا کھانا ترک کر دیا تھا) اور عام جیسے عام احکام اقیموا الصلوٰۃ وغیرہ' ان میں محکم متشابہ آیات بھی ہیں۔ محکم جیسے قل ھو اللہ احد اور آیات احکام اور اخبار صریحہ وغیرہ۔ متشابہ جیسے وجوہ یومئذ ناضرہ الی ربھا ناظرۃ کچھ شاداب چہرے آج کے دن (روز قیامت) خدا کی طرف دیکھ رہے ہونگے)" ظاہر ہے کہ خدا غیر مرئی ہے اور آیت متشابہ ہے یا ید اللہ فوق ایدیھم۔ اس میں عبر و امثال بھی ہیں جیسے اصحاب فیل کا قصہ اور وہ آیات جن میں ان عذابوں کا ذکر ہے جو انبیاء سلف کی امتوں پر نازل ہوئے، امثال جیسے کمثل الذی استوقد نارا کافروں کی مثال اس شخص کی مثال ہے جس نے آگ سلگائی ہو اور جب آگ روشن ہو کر ضیا دینے لگے تو فوراً اللہ اُسے بجھا دے اور وہ تاریکی میں متحیر رہ جائیں) ان آیات میں مرسل و محدود یعنی مطلق و مقید بھی ہیں جیسے فتحریر رقبۃ یا فتحریر رقبۃ مومنۃ ایک شخص مومن کا آزاد کرنا وغیرہ۔ اسکے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے کتاب خدا کی تقسیم دوسرے عنوان سے فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے کہ بعض چیزیں تو قرآن میں ایسی ہیں کہ بندوں کو جن سے جاہل رہنا نا ممکن ہو اور بعض ایسی ہیں کہ جن کا علم رہنا جائز ہے۔ اول جیسے اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم اور ثانی جیسے کھیعص حمعسق وغیرہ و بعض ایسی ہیں کہ جن کا حکم کتاب خدا میں مذکور ہے مگر سنت رسول نے اُسے منسوخ کر دیا اور بعض ایسی کہ جن کا حکم سنت میں مذکور ہو مگر کتاب خدا نے اُسے منسوخ کر دیا۔ مثال اول جیسے فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفھن الموت (بدکردار عورتوں کو گھروں میں محبوس کر دو یہاں تک کہ وہ مر جائیں) یہ آیت سنت رسول سے یوں منسوخ ہو گئی کہ آپ نے زانی محصن کے رجم کا حکم فرما دیا، اور دوسرے کی مثال جیسے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ذرہ برابر غیر اگر وہ جاہل ہو تو کوئی نقصان نہیں۔

وَ اَمْثَالَهُ، وَ مُرْسَلَهُ وَ مَحْدُوْدَهُ وَ مُحْكَمَهُ وَ مُتَشَابِهَهُ

و امثال اسکے مرسل و محدود اور اسکے محکم و متشابہ کو

مُفَسِّرًا مُجْمَلَهُ وَ مُبَيِّنًا غَوَامِضَهُ، بَيْنَ مَاخُوْذٍ

بتا دیا گیا۔ اسکے مجملات کی تفسیر کردی، اسکے پوشیدہ معنوں کو ظاہر کردیا۔ انمیں سے ایسے بھی

مِيْثَاقٍ فِيْ عِلْمِهِ، وَ مُوَسَّعٍ عَلَى الْعِبَادِ فِيْ جَهْلِهِ

آیات (احکام) ہیں جن کے جانے بغیر چارہ نہیں اور انسے جہل ممکن نہیں، اور ایسے بھی جنسے بندے اگر لاعلم رہیں تو کوئی حرج نہیں

وَ بَيْنَ مُثْبَتٍ فِي الْكِتَابِ فَرْضُهُ وَ مَعْلُوْمٍ فِيْ

(ان کو بھی بتایا) جنکا فریضہ ہونا کتاب خدا سے ثابت ہو اور ان کا منسوخ ہونا

السُّنَّةِ نَسْخُهُ وَ وَاجِبٍ فِي السُّنَّةِ اَخْذُهُ وَ

سنت رسول سے واضح ہے۔ (ان چیزوں کو بھی بتایا) جنکا اختیار کرنا سنت میں واجب ہے اور

مُرَخَّصٍ فِي الْكِتَابِ تَرْكُهُ، وَ بَيْنَ وَاجِبٍ

کتاب خدا میں اسکے ترک کی رخصت ہو (ان کو بھی بتایا) جو وقتی حیثیت سے

بِوَقْتِهِ وَ زَائِلٍ فِيْ مُسْتَقْبَلِهِ وَ مُبَايَنٌ بَيْنَ

واجب ہیں مگر زمان آیندہ میں انکا وجوب جاتا رہا۔ محرمات کی

مَحَارِمِهِ مِنْ كَبِيْرٍ اَوْعَدَ عَلَيْهِ نِيْرَانَهُ

تقسیم کتاب خدا نے کی کچھ انمیں سے "کبیرہ" ہیں جنکے ارتکاب پر جہنم کی آگ سے ڈرایا ہے

اَوْ صَغِيْرٍ اَرْصَدَ لَهُ غُفْرَانَهُ، وَ بَيْنَ

اور کچھ صغیرہ ہیں جنمیں مغفرت الٰہی کی امید ہے۔ (یہ تقسیم بھی کتاب نے بتائی کہ)

مَقْبُوْلٍ فِيْ اَدْنَاهُ، مُوَسَّعٍ فِيْ اَقْصَاهُ ۞

بعض مقامات پر قلیل مقبول ہو اور کثیر میں بندہ مجاز ہو (خواہ کرے خواہ ترک کرے)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ صوم عاشورا کو سنت نے واجب کیا تھا مگر کتاب خدا نے صوم رمضان واجب کر کے منسوخ کر دیا۔ (یہ دونوں مثالیں علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی کتاب میں تحریر کی ہیں مگر میرے خیال میں ان سے اس مقام پر تسامح ہوا ہے اس لیے کہ اول تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حکم الٰہی کو سنت رسول (اگر وہ حکم الٰہی سے نہیں) کیونکر نسخ کر سکتی اور اگر حکم الٰہی سے ہے تو گویا ایک حکم الٰہی نے دوسرے حکم الٰہی کو منسوخ کیا نہ سنت رسول نے مگر یہ کہا جائے باعتبار ظاہر تو ٹھیک ہے کہ مثال منطبق نہیں اس لیے کہ "رجم زانی" سنت رسول سے نہ تھا بلکہ آیۂ رجم خود قرآن میں موجود تھی جواب نہیں جیسا کہ خود حضرت عمر وغیرہ ہی جیسا کہ اتقان وغیرہ میں اسکا پتہ چلتا ہے۔ ایسی صورت میں آیت کی ناسخ آیت ہوگی اور حکم الٰہی کو ناسخ دوسرا حکم الٰہی نہ سنت رسول مگر یہ کہا جائے کہ آیت رجم میں صرف بوڑھے اور بڑھیوں کے متعلق ذکر تھا۔ وہ بھی دوسری مثال ظاہر کر کہ عاشورا یہود کی عید تھی اور اسکے صوم وجوب میں خود اختلاف ہے البتہ صحیح بخاری میں اسکا تذکرہ ہو جو کسی طرح قابل القدح ہو ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی واللہ اعلم۔ دوسرے کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ بیت المقدس کی طرف توجہ عبادت کیلئے ابتدا میں پہلے سنت تھی مگر قرآن کی آیت فلنولینک قبلۃ ترضھا نے بیت المقدس کی طرف سجدہ ترک کرنے کی رخصت دی ہے۔ مترجم

ایسی ان چیزوں کا بھی ذکر فرمایا جو ایک خاص وقت تک واجب ہو جاتی ہیں اور آئندہ چل کے ان کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے جیسے نماز جمعہ یا صوم رمضان کہ سال کے ایک مخصوص جزو میں واجب ہے، اس میں محرمات کی تقسیم بھی فرمائی بعض ایسے جو کبیرہ ہیں جن پر عذاب عقاب ہے بعض ایسے جو صغیرہ ہیں اور جن کی مغفرت کی امید ہے بعض ایسے بھی کہ جن کا تھوڑا سا حصہ مقبول ہو اور زیادہ کی رخصت و اجازت ہو جیسے فاقرؤا ما تیسر منہ قرآن جتنا پڑھ سکتے ہو پڑھو یعنی تھوڑا حصہ مقبول ہو اور زیادہ کی اجازت ہے اور بندے کے لیے وسعت ہے۔ ۱۲

تیسرا خطبہ

جس میں حج کا ذکر فرماتے ہیں

وَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ حَجَّ بَيْتِهِ الْحَرَامِ

خدا نے تم پر اپنے گھر کے حج کو فرض کر دیا۔

الَّذِي جَعَلَهُ قِبْلَةً لِلْأَنَامِ يَرِدُونَهُ

وہ گھر جسے دنیا بھر کیلئے قبلہ بنایا ہے۔ اسکی طرف لوگ یوں جاتے ہیں

وُرُودَ الْأَنْعَامِ وَ يَأْلَهُونَ إِلَيْهِ وُلُوهَ

جیسے چوپائے (پانی پر) گرتے ہیں اور یوں شوق سے اسپر ٹوٹتے اور (اسمیں پناہ لیتے ہیں جیسے)

الْحَمَامِ جَعَلَهُ سُبْحَانَهُ عَلَامَةً لِتَوَاضُعِهِمْ

کبوتران صحرائی (کی ٹکڑی) اس حج کو خدا نے بندوں کی اس تواضع کی علامت قرار دی

لِعَظَمَتِهِ وَ إِذْعَانِهِمْ لِعِزَّتِهِ وَاخْتَارَ

ہے جو الٰہی عظمت کیلئے ہو اور اس یقین کی نشانی قرار دی ہے جو اسکی عزت کیواسطے ہو۔ اسنے

مِنْ خَلْقِهِ سُمَّاعًا أَجَابُوا إِلَيْهِ دَعْوَتَهُ وَ

اپنے خلق سے (اپنی آواز کے) سننے والے چن لئے ہیں جنھوں نے اسکی دعوت پر

صَدَّقُوا كَلِمَتَهُ وَ وَقَفُوا مَوَاقِفَ أَنْبِيَائِهِ

لبیک کہی اور اسکے قول کی تصدیق کی اور اسکے انبیا کے مقامات پر کھڑے ہوئے

وَ تَشَبَّهُوا بِمَلَائِكَتِهِ الْمُطِيفِينَ بِعَرْشِهِ

اور ان ملائکہ سے ملتے جلتے (مشابہ) نظر آئے جو الٰہی عرش کا طواف کرتے ہیں

يُحْرِزُونَ الْأَرْبَاحَ فِي مَتْجَرِ عِبَادَتِهِ

یہ لوگ تجارتگاہ عبادت میں نفع (لوٹ رہے ہیں) جمع کر رہے ہیں

وَ يَتَبَادَرُونَ عِنْدَ مَوْعِدِ مَغْفِرَتِهِ ؞

اور اس کی وعدہ گاہ مغفرت کیلئے جلد جلد قدم اٹھا رہے ہیں

جَعَلَهُ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَىٰ لِلْإِسْلَامِ

اس گھر کو خدا نے اسلام کی نشانی قرار دی

عَلَمًا ؞ وَ لِلْعَائِذِينَ حَرَمًا ؞ فَرَضَ

ہے ۔ اور پناہ لینے والوں کی جائے پناہ ۔ اس نے

حَجَّهُ وَ أَوْجَبَ حَقَّهُ وَ كَتَبَ عَلَيْكُمْ

حج کو فرض کیا اور اسکے حق کو واجب کردیا اور اسکی زیارت تم پر فرض

وِفَادَتَهُ فَقَالَ سُبْحَانَهُ وَ لِلّٰهِ عَلَى

کردی ۔ چنانچہ فرمایا "وللہ علی الناس الآیہ" خدا کی طرف سے ان

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ

لوگوں پر حج واجب ہے جو استطاعت حج رکھتے ہیں

سَبِيلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ

اور جس شخص نے (ابھی) اسکا کفر اختیار کیا تو خدا عالمین سے بے پروا

عَنِ الْعَالَمِينَ

اور مستغنی ہے (چہ جائیکہ وہ کافر)

———✕———

چوتھا خطبہ

جنگ صفین کی واپسی پر

اَحْمَدُهُ اِسْتِتْمَامًا لِنِعْمَتِهٖ ؛ وَ اِسْتِسْلَامًا

تکمیل نعمت چاہتے ہوئے اسکی عزت کو

لِعِزَّتِهٖ ؛ وَ اِسْتِعْصَامًا مِنْ مَعْصِيَتِهٖ ؛ وَ

مانتے ہوئے۔ اور اُس کی معصیت سے بچتے ہوئے میں اُس کی نعمت

اَسْتَعِيْنُهٗ فَاقَةً اِلٰى كِفَايَتِهٖ ؛ اِنَّهٗ

کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اور فقیری و احتیاج میں اس سے مدد مانگتا ہوں کہ وہ کافی ہو۔ یقینا

لَا يَضِلُّ مَنْ هَدَاهُ ؛ وَ لَا يَئِلُ مَنْ

جسکی اُسنے ہدایت کی وہ گمراہ نہیں ہوتا۔ اور جس سے اُس نے دشمنی کی وہ رہنے پاتا نہیں

عَادَاهُ ؛ وَ لَا يَفْتَقِرُ مَنْ كَفَاهُ ؛

نجات نہیں پاتا۔ اور جس کی اس نے کفایت (مدد) کی وہ پراگندہ اور پریشان نہیں ہوا

فَاِنَّهٗ اَرْجَحُ مَا وُزِنَ ؛ وَ اَفْضَلُ مَا

یقیناً اس شکر کا پلہ سب پر بھاری ہے۔ اور بہترین سرمایہ ہے جو

خُزِنَ ؛ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

جمع کیا گیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اللہ کے کوئی دوسرا خدا نہیں

١ ایک مقام ہے جسے جغرافیہ دانوں نے بلاد جزیرہ میں شمار کیا ہے اور جو فرات و دجلہ کے مابین ہے، مورخین عرب نے اسکو سرزمین سوریا میں داخل کیا ہے فی زمانا یہ مقام ولایت حلب میں داخل ہے اور حلب پہلے سوریا ہی میں شامل تھا

۱۲

CamScanner

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۞ شَهَادَةً مُمْتَحَنًا اِخْلَاصُهَا

اور نہ اسکا کوئی شریک ہے ۔ وہ گواہی جسکا اخلاص جانچ لیا گیا ہو

مُعْتَقَدًا مُصَاصُهَا نَتَمَسَّكُ بِهَا اَبَدًا مَا اَبْقَانَا

اور جسکا خلوص اعتقادی بے شائبۂ شرک ہو زندگی بھر میں اسی سے تمسک کرونگا

وَ نَدَّخِرُهَا لِاَهَاوِيْلِ مَا يَلْقَانَا فَاِنَّهَا عَزِيْمَةُ

اور ڈراؤنے مقامات اور دقتوں کے لئے اسے محفوظ رکھونگا ، کیونکہ یہ گواہی ایمان کا

الْاِيْمَانِ ۞ وَ فَاتِحَةُ الْاِحْسَانِ وَ مَرْضَاةُ

تعویذ (یا طلسم) احسان کا شروع خدا کی

الرَّحْمٰنِ ۞ وَ مَدْحَرَةُ الشَّيْطَانِ ۞ وَ اَشْهَدُ

مرضی اور شیطان کی بھگانے والی چیز ہے اور میں گواہی

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ۞ اَرْسَلَهٗ

دیتا ہوں کہ محمد اسکے رسول اور بندے ہیں جسکو خدا نے

بِالدِّيْنِ الْمَشْهُوْرِ ۞ وَالْعَلَمِ الْمَاثُوْرِ ۞

دین مشہور اور شریعت منقول

وَالْكِتَابِ الْمَسْطُوْرِ ۞ وَالنُّوْرِ السَّاطِعِ ۞

قرآن نور روشن (معجزات)

وَالضِّيَاءِ اللَّامِعِ ۞ وَالْاَمْرِ الصَّادِعِ ۞

چمکتی ہوئی روشنی اور حکم محکم کے ساتھ بھیجا

اِزَاحَةً لِّلشُّبُهَاتِ ۞ وَ احْتِجَاجًا بِالْبَيِّنَاتِ

(تاکہ وہ شبہوں کو دور کریں) شبہوں کو دور کرنے کیلئے اور دلائل و براہین (حجت) پیش کرنے کیلئے

وَ تَحْذِيرًا بِالْآيَاتِ ، وَ تَخْوِيفًا بِالْمَثُلَاتِ

آیات سے خوف دلانے کیلئے اور عذاب سے ڈرانے کیلئے

وَ النَّاسُ فِي فِتَنٍ انْجَذَمَ فِيهَا حَبْلُ

درانحالیکہ (بعثت رسول کے وقت) لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے کہ جن سے دین کی رسی

الدِّينِ وَ تَزَعْزَعَتْ سَوَارِي الْيَقِينِ ۞ وَ

ٹوٹ گئی تھی اور یقین کے ستون ہل کے اکھڑ گئے تھے اصلیں

اخْتَلَفَ النَّجْرُ وَ تَشَتَّتَ الْأَمْرُ ۞ وَ

مختلف ہو چکی تھیں اور امر پراگندہ ہو چکا تھا،

ضَاقَ الْمَخْرَجُ وَ عَمِيَ الْمَصْدَرُ ۞

(بچنے) نکلنے کا راستہ تنگ تھا اور آنے کی راہ سجھائی نہ دیتی تھی

فَالْهُدَى خَامِلٌ وَ الْعَمَى شَامِلٌ

(تو اس وقت کیا ہوا یہ کہ) ہدایت گمنام تھی اور اندھا پن شامل حال

عُصِيَ الرَّحْمٰنُ ۞ وَ نُصِرَ الشَّيْطَانُ ۞

خدا کی نافرمانی کی گئی ، اور شیطان کی مدد کی گئی۔

وَ خُذِلَ الْإِيمَانُ فَانْهَارَتْ دَعَائِمُهُ ۞

ایمان (بے مدد) چھوڑ دیا گیا تو اسکے کھمبے گر گئے

وَ تَنَكَّرَتْ مَعَالِمُهُ وَ دَرَسَتْ سُبُلُهُ

اور اسکے راستے بدل گئے اور اسکی راہیں پرانی ہو گئیں (مٹ گئیں)

لے جو کچھ جنگ صفین میں ہوا اور جس کی تفصیل انشاء اللہ مخصوص خطبات کے ساتھ آئندہ آئے گی اس کا اثر امیر المومنین علیہ السلام کے دل پر تھا، اور خطبہ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ آپ کو وہی عہد رسول

یاد آگیا جس میں ضلالت و نفاق کی تند و تیز ہوائیں چل رہی تھیں جس طرح منافقین نے رسول کو دھوکے دیے اور آپ کی تبلیغ میں مختلف کوششیں ناکامیاب رہنے کی کیں، حق سے روگردانی کی اور باطل کا ساتھ دیا بعینہ اسی طرح امیر المومنین کے ساتھ جنگ صفین میں کیا گیا، اور اشعث بن قیس کے نفاق کی چیرہ دستیاں رنگ لائیں، زمانے میں اگر مطابقت ہو تو ایک زمانہ دوسرے زمانے کو یاد دلا دیتا ہے اور یہ فطرت انسانی ہے کہ وہ ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کو اور ایک غم سے دوسرے غم کو یاد کرتا ہے، جنگ صفین کے مناظر آپ کے پیش نظر ہیں وہاں کے منافقانہ واقعات، منافقوں کی جد و جہد اور ان کی باطل پرستی کا خیال فرماتے ہوئے آپ نے عہد رسول کا تذکرہ فرمایا کہ یہی صورتیں وہاں بھی درپیش تھیں مگر باوجود ان روحانی تکالیف کے سوا صبر و شکر کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ صلح حدیبیہ میں رسول کی حالت اور جنگ صفین میں تقرر حکمین اس تطابق کو اور زیادہ واضح کر رہا ہے۔

CS CamScanner

الفاظ "خیر دار و شر جیران" مخصوص رسول کے الفاظ ہیں جب آپ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ تشریف لیگئے تو اہل مدینہ کے جب بدرِ بعثت کے حالات کا ذکر کرنے لگے تو فرمایا تھا کہ کنت فی خیر دار و شر جیران میں بہترین مقام اور بدترین ہمسایہ (لوگوں) میں تھا اسکے بعد آپ نے قریش اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کی تکلیف دہی اور ایذا رسانیوں کا ذکر فرمایا ۱۲

وَعُفِّتُ شُرُكُهُ، اَطَاعُوا الشَّيْطَانَ
اور دُھرے مٹ گئے لوگوں نے شیطان کی اطاعت کی
فَسَلَكُوا مَسَالِكَهُ وَ وَرَدُوا مَنَاهِلَهُ
اسی کی راہوں پر چلے اور اسی کے پنگھٹ پر اُترے
بِهِمْ سَارَتْ اَعْلَامُهُ، وَ قَامَ لِوَاؤُهُ،
یہ لوگ شیطان کے جھنڈوں کو لیکر بڑھے اور اس کا علم
فِي فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِاَخْفَافِهَا وَ وَطِئَتْهُمْ
ایسے فتنوں میں بلند ہوا جن فتنوں نے ان کو اپنے پاؤں سے
بِاَظْلَافِهَا وَ قَامَتْ عَلَى سَنَابِكِهَا فَهُمْ
روند ڈالا اور اپنے کھروں سے کچل ڈالا ۔ یہ فتنہ اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوگیا آ
فِيهَا تَائِهُونَ حَائِرُونَ جَاهِلُونَ مَفْتُونُونَ
وہ اسمیں سراسیمہ و حیران ہیں جاہل تھے اور فتنہ کے شکار
فِي خَيْرِ دَارٍ وَ شَرِّ جِيرَانٍ نَوْمُهُمْ
اس جگہ میں جو بہترین ہے (مکہ) مگر اسکے ہمسائے بدترین ہیں جاگنا ہی
سُهُودٌ وَ كُحْلُهُمْ دُمُوعٌ بِاَرْضٍ عَالِمُهَا
انکا سونا ہے اور ان کا سرمہ انکے آنسو ہی ہیں ایک ایسی زمین پر کہ جہاں جاننے والے
مُلْجَمٌ وَ جَاهِلُهَا مُكْرَمٌ
کے منھ پر لگام چڑھی ہوئی ہے (کچھ کہہ نہیں سکتا) اور نہ جاننے والے بزرگ با عزت ہیں

لہ اگرچہ راوندی نے "خیر دار" سے کوفہ مراد لیا ہے اور مختلف تاویلات کیے ہیں مگر علامہ ابن ابی الحدید نے اسے رد کیا ہے اور ارتباط کلامی پر نظر کرتے ہوئے "مکہ" مراد لیا ہے۔ یہ

سلہ
ایک ایسے مقام پر جہاں اگر کوئی جاننے والا ہو تو وہ کوئی حرف منھ سے نکال نہیں سکتا یعنی اسوقت کی حالت یہی تھی کہ اگر کوئی رسول پر ایمان لاتا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرتا تو تقیہ میں رہتا اور منھ سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا اور جو منکر رسالت تھا وہ قریش کی نگاہوں میں عزت دار، ممتاز اور بزرگ و محترم تھا، بعینہٖ یہی حالت بعد رسول امیر المومنین ع کی تھی جو آپ کی وصایت و خلافت پر ایک تیز روشنی ڈال رہی تھی

عہ
لشکر معاویہ کے لئے کیسی خوبصورت اور بلیغ استعارے ہیں۔

عہ
چونکہ لشکر صفین کا ذکر اور ان لوگوں کے فتنوں کا تذکرہ ہے اگر اسکے اعتبار سے کوفہ مراد لیا جائے جیسا کہ علامہ راوندی نے لکھا ہے تو کوئی حرج نہیں زیادہ سے زیادہ دونوں مقامات مراد لیے جا سکتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اب یہ لوگ حیران ہیں اور ان کے سمجھ میں نہیں آتا کہ حق کدھر ہے۔ آیا علی کی طرف یا معاویہ کی جانب۔

سہ
اپنے امور کے متعلق غور کرتے ہیں اور راتوں کی نیند حرام ہوگئی ہے اپنی محرومی اور اپنے کشتوں پر ہر وقت روتے ہیں۔ لعہ خود نفس امیر المومنین (علیہ السلام) مراد ہے۔

پانچواں خطبہ

مدح اہلبیت علیہم السّلام میں

هُمْ مَوْضِعُ سِرِّهٖ وَ لَجَأُ اَمْرِهٖ وَ عَيْبَةُ

(آل رسول) رسول کے رازدار رسول کے امر کی جائے پناہ رسول کے (شرع) علم

عِلْمِهٖ وَ مَوْئِلُ حِكَمِهٖ وَ كُهُوفُ

علم کے دو یعنگاہ رسول کی حکمتوں کے ملجا و ماوٰی رسول کے کتابوں (قرآن)

كُتُبِهٖ وَ جِبَالُ دِيْنِهٖ بِهِمْ اَقَامَ

کیلئے محفوظ گھاٹیاں اور رسول کے دین (و شریعت) کے پہاڑ ہیں دین کی ٹیڑھی پیٹھ

انْحِنَاءُ ظَهْرِهٖ وَ اَذْهَبَ اِرْتِعَادَ

انھیں کے دم سے سیدھی ہوئی اور بازوے اسلام کی تھرتھری انھیں کی وجہ سے تھی۔ (خوف وضعف اسلام دور ہوا)

فَرَائِصِهٖ

(اسلام کے دل میں جو خوف کفر تھا وہ انھوں نے اپنے خدمات سے نکالا اور اسلام کا دل ٹھہرا اور بازو ڈنکا کا بنا گیا)

ع جسطرح ضمیر رسول کی طرف پھرتی ہے اسی طرح خداوندعالم کیطرف پھرتی ہے اور معنی یوں ہوجائینگے کہ آل رسول خدائی اسرار کے جاننے والے ہیں اور اس کے علوم کے معدن وغیرہ وغیرہ اسی طرح ہر جملہ میں الٰہی چیزیں مراد ہونگی۔ اسوقت امیرالمومنین کا وہ قول جو آپنے فرمایا تھا کہ اگر مسند قضا پر بیٹھوں تو اہل توریت پر توریت سے حکم کردوں اور انجیل والوں پر انجیل سے زبور والوں پر زبور سے اور قرآن والوں پر قرآن سے کھوف کتبہ کی پوری پوری تفسیر کرتا ہے

ع بنی ہاشم میں سے ابوطالب حمزہ جعفر اور امیرالمومنین کی کوششوں پر جو اسلام کیلئے تھیں اگر نظر کیجائے۔ تو مطلب واضح ہوجاتا ہے خصوصاً امیرالمومنین کے حروب اسلامی یہی وہ چیز تھی جسکی وجہ سے اسلام توانا ہوگیا اور اسکے دل سے مشرکین کا خوف نکل گیا۔

۴ منافقین کا ان کے بے ذکر کیا اس کو علامہ ابن ابی الحدید نے گوارا نہیں کیا اور اس کی تصریح کر دی اگرچہ پھر بھی وہ صاف صاف نہ کہہ سکے اور لکھ دیتے وغیرہ میں، او غیرہ کے لفظ کے ماتحت بڑی گنجائش چھوڑ دی ۔ ۵ جو احسانات کہ محمد و آل محمد نے دنیا والوں پر کیے ہیں اور جو نعمتیں دی ہیں ظاہر ہیں اور ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور وہ نعمت اسلام اور ہدایت ہے، اگرچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بنفس نفیس تبلیغ اور ہدایت خلق اپنے ذمہ لی اور اپنے زبان اور ہاتھ سے کام لیا مگر انکی مدد کی اور خدا نے انھیں منتخب کیا پھر بھی امیر المومنین علی ابن ابیطالب کی ذات اس جگہ پر بھولنے کے قابل نہیں جو رسول کے مؤید اور اسلام کے صحیح پھیلانے والے تھے اگر انکی تمام نعمتوں سے قطع نظر کر لی جائے اور صرف جہاد فی سبیل اللہ کو دیکھا جائے اور نشر علوم و تفسیر قرآن کو دیکھا جائے تو یہی نعمت و فضیلت ان کیلیے کافی ہے اور یہ ایک ایسا عظیم احسان ہے جس سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتی ہے یہی وہ چیز ہے جو علیؑ کے حق کو جب ادا نہ ثابت کیے رہی ہے خندق و خیبر و احد و بدر و حنین پر نظر کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ صرف علیؑ کی تلوار نے اسلام اور اہل اسلام پر کتنا بڑا احسان کیا ہے یونہی اگر آپ کے معلومات دنیا کے سامنے نہ ظاہر ہوتے تو سینکڑوں مسئلے بغیر حل رہ گئے ہوتے اس کا اعتراف بھی کیا گیا اور آج تک لولا علی لھلک عمر کی الفاظ صورت و آواز کتب تاریخ میں گونج رہی ہے حقیقت امیر المومنینؑ کو جو شرف اور تقدم تمام لوگوں پر حاصل تھا، رسول کے واسطے الگ اپنے اعتبار سے الگ اور اپنے باپ حضرت ابوطالب کے ذریعے علیحدہ، وہ کسی ایک کو بھی نہ تھا یہ سب باعتبار اسلام و ہدایت سب کے محسن تھے جن لوگوں نے کتب تاریخ پر نظر کی ہے وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ابوطالب کا علم نہ ہوتا تو آج اسلام کہیں پتہ بھی نہ ہوتا۔ اس جگہ پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ جس دین کو خدا نے پھیلانا چاہا اسکے لیے ابوطالب ہوتے یا ہوتے گروہ پھیلتا ضرور مگر یہ ایسے ہی جیسے کوئی معارضہ کرے اور کہے کہ دین اسلام کی نشر میں حبیب خدا نے نشر اسلام کا ارادہ ہی کر لیا تھا تو نہ رسول کی ضرورت تھی اور نہ انکی جانفشانیوں کی اور نہ کسی اور ذات کی اور نہ یہ ہستیاں قابل مدح ہو سکتی ہیں، ظاہر ہے کہ ان اعتراضات کا مبنی تعصب ہے اور عقل ان احسانات کو تسلیم کرتی ہے جو ان لوگوں نے کیے ۱۲

چھٹا خطبہ

دوسرے لوگ کیسے[1] تھے؟ اہلبیت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا

زَرَعُوا الْفُجُوْرَ، وَ سَقَوْهُ الْغُرُوْرَ،

انھوں نے فسق و فجور کی کھیتی بوئی اور اسے غرور سے سینچا

وَحَصَدُوا الثُّبُوْرَ، لَا يُقَاسُ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ

اس کھیتی کو کاٹ کر ہلاکت اپنے لئے فراہم کی امامت میں کسی ایک کا بھی قیاس

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

اور مقابلہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

اَحَدٌ وَلَا يُسَوّٰى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ

اور ان لوگوں کی برابری جنکو برابر نعمتیں دی گئیں ان افراد سے نہیں کی جا سکتی جو نعمت

عَلَيْهِ اَبَدًا، هُمْ اَسَاسُ الدِّيْنِ،

دینے والے تھے اور نعمتیں دیتے رہے (منعم اور منعَم میں فرق ہے پہلا اشرف ہے) آل رسولؐ دین کی نیو ہیں

وَعِمَادُ الْيَقِيْنِ اِلَيْهِمْ يَفِيْءُ الْغَالِيْ وَبِهِمْ

اور یقین کے کھمبے ہیں انھیں کی طرف حد سے تجاوز کرنے والا پلٹتا ہے اور انھیں سے پیچھے رہ جانے والا ملے

[1] جناب سید رضی علیہ الرحمہ مؤلف نہج البلاغہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدا میں جن لوگوں کی ردی حالت کا تذکرہ اس خطبہ میں فرمایا ہے وہ منافقین ہیں، مگر علامہ ابن ابی الحدید نے اس سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ منافقین مراد نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے امام پر غلبہ حاصل کیا اور آپ کے حقوق کا انکار کیا خواہ معاویہ ہو یا کوئی اور " بہرحال جناب رضی علیہ الرحمہ نے جس مطلب کو کنایۃً فرمایا اور ایک جامع لفظ ۴

[2] اگرچہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ صفین سے پلٹ کر فرمایا ہے مگر ابن ابی الحدید قائل ہیں کہ یہ بعد بیعت عامہ فرمایا ہے اور ہے بھی ایسا ہی۔

(۲) عبد الرحمن بن جعیل لعمری لقد بایعتم ذا حفیظۃ ، علی الدین معروف العفاف موفقا ، علیا وصی المصطفی و ابن عمہ و اول من صلی اخا الدین و التقی
(اپنی زندگی کی قسم تم نے ایک غیرتمند کی بیعت کی ہے جس کی عفت و عصمت دین میں مشہور ہے اور جو موفق من اللہ ہے وہ علی ہیں جو رسول کے وصی اور ابن عم ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نماز پڑھی صاحب دین و تقویٰ ہیں۔)

يَلْحَقُ التَّالِيْ وَ لَهُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ

اور انکے قدم بقدم چلکے نجات پا جائیں (جس طرح تعلیم سے آگے بڑھ جانے والا اور پیچھے رہ جانے والا دونوں بغیر واسطہ آل محمد

وَ فِيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَالْوِرَاثَةُ ، اَلْاٰنَ

نجات نہیں حاصل کر سکتے) ان کیلئے حقوق ولایت کے خصوصیات ہیں اور وصیت و وراثت انہیں میں ہیں (الحمدللہ) اب

اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰى اَهْلِهٖ وَ نُقِلَ

حق (خلافت) جو اس کا اہل تھا اسکی طرف پلٹا یا گیا (پہلے نا اہل قابض تھے) اور جو اس کی

اِلٰى مُنْتَقَلِهٖ

جگہ تھی وہاں پہونچا یا گیا۔

سلہ اس جگہ پر ابن ابی الحدید کا قول لکھ دینا مناسب ہوگا وہ یہ کہتے ہیں "ہم جانتے ہیں کہ امیرالمؤمنین امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اور مستحق تھے نصی حیثیت سے نہیں (خیر یہ انکی رائے ہے ۔ مترجم) بلکہ فضیلت کے اعتبار سے کیونکہ وہ بعد رسول افضل ناس اور حقدار خلافت تھے اور مسلمین میں کوئی انکا ایسا نہ تھا لیکن وہ اپنے حق سے درگزر کرتے کیونکہ امام کی مصلحت اسی میں تھی اور آپ اپنی فراست سے سمجھ گئے تھے کہ اسلام انتشار میں ہے اور دین مضطرب ہے کیونکہ عرب کو آپ سے حسد و کینہ تھا اس شخص کے لئے جو اپنا حق چھوڑ کر پھر لے یہ جائز ہے کہ وہ یہ کہے کہ اب حق اپنی جگہ پر پلٹا چنانچہ آپ نے اس خطبہ میں فرمایا۔ اس جگہ پر ان اشعار کا لکھنا بھی ضروری ہے جو ابن ابی الحدید نے نقل کئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اصحاب رسول غیر صحابہ ابتدائے اسلام ہی سے وصی رسول ہونیکے قائل تھے۔ (افسوس یہ ہے کہ علامہ فرماتے ہیں کہ وصی نصی حیثیت سے نہ تھے اور پھر یہ اشعار نقل کرتے ہیں جن میں اصحاب رسول نے وصی کا لفظ علی کے لئے استعمال کیا اور رسول نے روکا نہیں کاش علامہ سمجھ جاتے کہ یہ بھی ایک قسم کی نص ہے۔ مترجم)

وصی رسول علی تھے صحابہ و شعراء صدر اسلام کی گواہیاں

(۱) عبد اللہ بن ابی سفیان

ومنا علی ذاک صاحب خیبر وصاحب بدر یوم سالت کتائبہ وصی النبی المصطفی و ابن عمہ فمن ذا یدانیہ ومن ذا یقاربہ

علی ہم میں سے ہیں جنکے ہاتھ میں خیبر کا بھی معرکہ رہا اور بدر کا بھی جبکہ ان کے لشکروں کا دھاوا تھا۔ وہ محمد مصطفی کے وصی بھی ہیں اور ابن عم بھی، انکے برابر کون ہو سکتا ہے اور انکے کون مقابل ہو سکتا ہے۔

(۳) ابو الہیثم تیہان بدری
قل للزبیر وقل لطلحۃ اننا نحن الذین شعارنا الانصار
نحن الذین رأت قریش فعلنا یوم القلیب اولئک الکفار
کنا شعار نبینا و دثارہ یفدیہ منا الروح والابصار
ان الوصی امامنا و ولینا برح الخفا و باحت الاسرار

(ترجمہ) زبیر و طلحہ سے کہدو کہ یقینا ہم وہی ہیں جو انصاری کہلاتے ہیں! ہمارے کام اور ہیبت کو قریش نے بدر والے دن کفار کے مقابلہ میں دیکھا ہے، ہم رسول کی نصرت و مدد کرتے تھے اور اپنی روح اور آنکھیں فدا کئے دیتے تھے، درحقیقت وصی رسول ہمارا امام اور ولی ہے جو رازوں کا جاننے والا اور تنفیذ کرنے والا ہے کوئی شک نہیں نہ پوشیدگی ہے۔

(۴) عمر بن حارثہ انصاری
محمد بن حنفیہ کی مدح جنگ جمل میں کرتے ہیں
سمی النبی و شبہ الوصی ورایتہ لونہا عندم
وہ رسول کا ہمنام ہے اور وصی کا شبیہ، اسکے علم کا رنگ خون (کی طرح) سے سرخ ہے۔ (دم اور خون کی طرح)

(۵) ایک ازدی شخص هذا علی وهو الوصی ، اخاه یوم النجوۃ النبی ، وقال هذا بعدی الولی ، وعاہ واع ونسی الشقی
(ترجمہ) یہ علی ہیں اور وہی وصی رسول ہیں، رسول نے یوم نجوہ انکو اپنا بھائی بنایا، اور یہ بھی کہا کہ میرے بعد یہی ولی ہیں، اسکو سننے والوں نے سنا اور بدبخت بھول گیا۔

عــہ اذا "اس مقام پر بعضوں کے نزدیک زائد ہے اور بعضوں کے نزدیک بمعنی "قد" ہے اور فائدہ تحقیق دیتا ہے۔ مترجم (بقیہ حاشیہ صفحہ مابعد پر ملاحظہ)

CamScanner

بجلہ فی القول ؛ وطاطاعنان وفشل مریب ؛ وابی اللہ ان یقوم بما قام بہ ؛ ابن الوصی وابن النجیب ؛ ان
تخصنا بین النبی لک الخیر وبین الوصی غیر مشوب ؛ ترجمۂ اشعار۔ اے حسن خیر لے اپنے اپ کی شبیہ
آپ ہم میں خطیب کی حیثیت سے کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا۔ آپ نے جو پردے پڑے تھے اُن کو اُٹھا دیا اور حق روشن ہوگیا اور کھوٹے دل ٹھیک
اور صحیح ہوگئے۔ آپ نے دیسا خطبہ
نہیں پڑھا جیسا ابن زبیر نے
اٹک اٹک کے پڑھا اور کمزور
امر حق میں شک کرنے والا رہا،
اللہ نے اس سے انکار کیا کہ اس مقام
پر سوا وصی اور منتخب و نجیب
کے بیٹے کے کوئی اور کھڑا ہو۔
آپ وہ ہیں جو اپنے باپ اور نانا
سے نبی اور وصی دونوں سے
مشابہ ہیں اور نیکی آپ کے
ساتھ ہے۔
(۱۵) جنگ جمل میں ایک تقریر پہلے
عبد اللہ بن زبیر نے کی تھی پھر امام حسن
نے اسکی رد کی اسکی طرف ان اشعار
میں اشارہ ہے)
(۱۲) زجر بن قیس جعفی :۔
اضربکم حتی تقروا لعلی
خیر قریش کلھا بعد النبی
من زانہ اللہ وسماہ الوصی
ان الولی حافظ ظہر الولی
کما الغوی تابع امر الغوی
میں تمھیں قتل کرتا جاؤں گا جب تک
اقرار وصایت علی نہ کرو۔ وہ علی جو
بعد رسول قریش میں سب سے افضل
ہیں جنھیں اللہ نے سنوارا اور ان کا
نام وصی رکھا (سچ ہے) ولی ولی
کی پشت پناہی کرتا ہے اور گمراہ گمراہ
کا تابع ہوتا ہے۔
اشعار مذکورہ وہ اشعار ہیں جو
ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے کتاب
واقعۂ جمل میں نقل کیے ہیں انکا شمار
محدثین میں ہے اور انکا عقیدہ تھا کہ
خلافت و امامت اختیاری ہے نہ آپ نہ شیعہ تھے اور نہ انکا شمار طبقہ شیعہ میں تھا۔

بقایا حاشیہ صفحہ ماقبل

(۶) غلام بنی ضبّہ :۔ نحن بنی ضبۃ اعداء علی ؛؛ ذالک
الذی یعرف قدما بالوصی ؛ وفارس الخیل علی عھد النبی ؛
ما انا عن فضل علی بعمی ؛ ہم بنو ضبّہ ہیں اور دشمن علی ہیں ؛ علی تو وہی ہیں جو
مدتوں سے وصی کہلاتے ہیں ؛ یہ تو وہی ہیں جو زمان نبی میں شہسوار جنگ تھے ؛ میں
علی کی فضیلتوں سے اندھا نہیں بیجا نتا ہوں۔
(۷) زیاد بن لبید الانصاری :۔ ولا نبالی فی الوصی من غضب ؛ وانما
الانصار جد لا لعب ؛ ھذا علی وابن عبد المطلب ؛ ننصرہ الیوم علی
من قد کذب ؛ ہم وصی کے بارے میں کسی غضب سے نہیں ڈرتا اور گروہ انصار کوئی جیز ہیں ہنسی ٹھٹھا
نہیں۔ یہ علی ابن عبد المطلب ہیں۔ جھوٹوں کے مقابلہ میں آج ہم ان کی مدد کرتے ہیں۔
(۸) حجر بن عدی صحابی رسول یا ربنا سلم لنا علیا ؛ سلم لنا المبارک المرضیا ؛
المومن الموحد التقیا ؛ لا خطل الرای ولا غویا ؛ بل ھادیا موفقا مھدیا ؛
واحفظہ ربی واحفظ النبیا ؛ فیہ فقد کان لہ ولیا ؛ ثم ارتضاہ بعدہ وصیا
اے میرے پالنے والے علی کو ہمارے لئے سلامت رکھ جنکی ذات برکت والی اور جن سے تو راضی ہے
جو مومن ہیں موحد ہیں پرہیزگار ہیں ؛ نہ انکی رائے کمزور ہے نہ وہ گمراہ ہیں ؛ بلکہ ہادی
دین، موفق اور ہدایت یافتہ ہیں، ان کی حفاظت کر اور ان کی حفاظت سے نبی
کی حفاظت کر کیونکہ علی نبی کے مددگار تھے اور ولی پھر رسول نے انھیں
اپنا وصی خوش ہو بنایا۔
(۹) خزیمہ بن ثابت ذو الشہادتین :۔ یا وصی النبی قد اجلت الحرب
الاعادی وسارت الاذعان ؛ اے وصی نبی جنگ نے دشمنوں کو مہلت دیدی
اور اذعان و یقین انھیں ایک کا ہوگیا
(۱۰) ابن بدیل بن ورقاء خزاعی :۔ یا قوم للخطۃ العظمی التی حدثت ؛
حرب الوصی وما للحرب من آسی ؛ اے میری قوم اس واقعہ عظیم کا کیا علاج ہے جو
وصی کی جنگ کی شکل میں ظاہر ہوا۔
(۱۱) عمرو بن احیحہ :۔ حسن الخیر یا شبیہ ابیہ ؛ قمت فینا مقام خیر خطیب
وکشفت القناع فانضح الامر ؛ واصلحت فاسدات القلوب ؛ لست کابن الزبیر

(۱۳) زجر بن قیس :۔ فصلی الالہ علی احمد ؛ رسول ملیک تمام النعم ؛
رسول الملیک ومن بعدہ ؛ خلیفتنا القائم المدعم ؛ علیا عنیت وصی النبی ؛ یجالد عنہ غواۃ الامم ؛ خدا رسول پر جو رسول خدا ہیں اور جن پر کمال نعمت ہوا
صلوات بھیجے۔ رسول پر درود بھیجے اُنکے بعد ہمارے خلیفہ قائم و برحق پر میری مراد اس خلیفہ سے علی کی ذات ہے جو وصی نبی ہیں اور جن کی طرف سے ہم امت کے گمراہوں سے جہاد کرتے ہیں۔

اے موسے والا اجاوہ ! صبر کرو اور معاویہ کے لشکر سے ڈرو نہیں کیونکہ حق ظاہر ہو چکا ہے اور اس کا یقین کرو کہ تمہارا مخالف شقی اور بد بخت اور گھاٹے میں ہے۔ تم میں وصی رسول ہے جو تمہارا سردار ہے اور انکا داماد اور کتاب خدا کھلی ہوئی ہے۔

(٢٠) عبد اللہ بن عباس۔
وصی رسول اللہ من دون اھلہ
وفارس ان قیل ھل من منازل۔
امیر المومنین وصی رسول ہیں
ان کے گھرانے میں اور شہسوار
جنگ اس وقت جب کوئی لڑنے والا
پکارے " ہے کوئی لڑنے والا !"

اشعار مذکورۃ القصد نصر بن
مزاحم نے اپنی "کتاب صفین"
میں درج کیے ہیں انکا شمار رجال
احادیث میں ہے اور بڑا پایہ رکھتے
ہیں۔
عمر بن الاطرف بن امیر المومنین
علیہ السلام کا جب انتقال ہوا تو سالم
نے جنکا قبیلہ اور خود آپکے جود و
سخا سے مستفید ہوتا تھا یہ اشعار
کہے جو وصایت علی پر دال ہیں۔

صلی الالہ علی قبر تضمن من
نسل الوصی علی خیر من سئلا
قد کنت اکرمھم کفا واکثرھم
علما وابرھم حالا ومرتحلا

(ترجمہ)

خدا اس قبر پر صلوات بھیجے اور اپنی
رحمت نازل کرے جس میں نسل وصی
یعنی نسل علی کا آدمی مدفون ہوا وہ
علی جو بہترین مردم تھے۔ اے اطرف
آپ لوگوں میں سب سے زیادہ کریم و
جواد، عالم اور بہت بڑے عالم
تھے۔ اور آپ کی ذات بے حد مبارک تھی۔ خواہ آپ مقیم ہوں یا مسافر۔

بقایا حاشیہ صفحہ ماقبل

(١٤) اشعث بن قیس اتانا الرسول رسول الامام ٭ فسر بمقدمہ المسلمونا
رسول الوصی وصی النبی ٭ لہ السبق والفضل فی المومنینا ہمارے پاس امام
(علی) کا قاصد آیا۔ اسکے آنے سے مسلمان خوش ہوئے۔ یہ فرستادہ وصی کا ہے جو رسول کے
وصی تھے اور جنھیں شرف وفضل میں تمام مومنین پر سبقت حاصل ہے۔

(١٥) ایضا اتانا الرسول رسول الوصی ٭ علی المھذب من ھاشم ٭ وزیر النبی
وذی صھرہ ٭ وخیر البریۃ والعالم ہمارے پاس وصی رسول کا فرستادہ آیا۔ کون وصی
جنکا نام ہاشم کے گھرانے میں علی ہے جو مہذب ہیں۔ وہ علی جو نبی کے وزیر اور ان کے داماد ہیں۔
اور بہترین مخلوقات عالم واہل عالم ہیں اور عالم ہیں۔

(١٦) جریر بن عبد اللہ بجلی وصی رسول اللہ من دون اھلہ ٭ وفارس الحامی
بہ یضرب المثل علی ابن ابیطالب رسول اللہ کے وصی ہیں۔ اور مرد میدان اور رسولؐ
کی مدد کرنے والے ان کی شجاعت تو ضرب المثل ہے۔

(١٧) نعمان بن عجلان ٭ کیف التفرق والوصی امامنا ٭ لا کیف الا حیرۃ وتخاذلا
وذروا المعاویۃ الغوی وتابعوا ٭ دین الوصی لتحمدوہ اجلا یہ تفرقہ کیا ؟
درانحالیکہ وصی رسول ہمارا امام ہے یہ حیرت اور نہ ساتھ دینا کیسا۔ معاویہ گمراہ کو چھوڑو اور
وصی کی راہ پر چلو تاکہ دنیا میں ممدوح رہو۔

(١٨) عبد الرحمن بن ذویب الاسلمی الا ابلغ معاویۃ ابن حرب ٭ فما لک
لا تھش الی الضراب ٭ فان تسلم وتبق الدھر یوما ٭ یزرک بجحفل
عدد التراب ٭ یقودھم الوصی الیک حتی ٭ یردک عن ضلال وارتیاب
اے خبر پہنچانے والے معاویہ کو یہ خبر پہنچا دے (آخر) وہ کیا ہے کہ جنگ کے لئے نہیں نکلتا
اگر وہ بچ بھی گیا اور کچھ دنوں زندہ رہا (تو یاد رہے) کہ اس پر ایسی لشکر کشی کی جائے گی جو
تعداد میں ذروں کی طرح ہوگا اس فوج کے آگے آگے وصی رسول ہوگا۔ یہ جنگ اس وقت تک
رہے گی جب تک تو شک وگمراہی سے باز نہ آئے۔

(١٩) مغیرہ بن حارث یا عصبۃ الموت صبرا لا یھولکم ٭ جیش ابن حرب
فان الحق قد ظھرا ٭ وایقنوا ان من اضحی یخالفکم ٭ اضحی شقیا وامسی نفسہ خسرا
فیکم وصی رسول اللہ قائدکم ٭ وصھرہ وکتاب اللہ قد نشرا ٭

ساتواں خطبہ

خُطبۂ شِقشقیّہ[1]

جسمیں آپ نے خلافت کے تینوں ماؤں کا تذکرہ فرمایا ہے، اپنے حق کا دوسروں کے پاس جانا اور صبر فرمانا اور اسکے وجوہ وغیرہ کا ذکر

أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا فُلَانٌ

اے لو! خدا کی قسم فلاں شخص نے (خلیفۂ اول) خلافت کو قمیص بنا کے پہن لیا

وَإِنَّهُ لَيَعْلَمُ أَنَّ مَحَلِّيَ مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ

اور وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں خلافت کیلیے اتنا ضروری ہوں جتنا کہ چکی کی گردش کیلیے وہ میخ ضروری

[1] شقشقیہ، اس خطبہ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ اسے بیان فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عراقی اٹھا اور اس نے ایک تحریر ملاحظہ کیلیے پیش کی آپ اسے ملاحظہ فرمانے لگے جب پڑھنے سے فرصت پائی تو ابن عباس نے عرض کی کہ اے امیر المومنین جو بیان فرما رہے تھے آگے اور آگے ارشاد کیجیے تو آپ نے فرمایا کہ ابن عباس اب وہ کہاں یہ تو ایک آواز تھی جو نکلی اور ٹھہر گئی (ایک جذبہ تھا جو ابھرا اور ختم ہو گیا) "شقشقہ" اصل میں اس شے کو کہتے ہیں جو مست اونٹ کے بولتے وقت اسکے منہ سے نکلتی ہے اس وقت کی خاص آواز کو "ہدیر" کہتے ہیں۔ صاحب قاموس نے اس لفظ کو بیان کرتے ہوے اس خطبہ کو آپ کیطرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے والخطبة الشقشقية العلوية وهي هذه غرضکہ اس نسبت سے نہ کسی صاحب لغت کو انکار رہا ہے اور نہ کسی شارح کو، نہ کسی مورخ کو انکار رہا ہے اور

نہ کسی واقعہ نگار کو، تعصب دوسری چیز ہے۔ [2] آپ کا پرانا نام "عبد الکعبہ" تھا۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپکا نام عبداللہ رکھا، آپ کا نام "عتیق" بھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں آپ اسی نام سے پکارے جاتے تھے! اور بعض کہتے ہیں کہ رسول نے یہ نام رکھا تھا۔ بہرحال مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ان کے باپ ابو قحافہ تھے جن کا نام نامی عثمان تھا اور سلسلۂ نسب حسب ذیل تھا عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعید بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی۔ بن غالب۔ دغفل جو نسابہ عرب تھا اس سے ایک روز آپکے نسبی معاملہ میں ایک گفتگو ذرا سخت ہو گئی تھی، ایسی کہ جناب ابوبکر کو شرمندہ ہونا پڑا تھا اور یہ کلمہ کہنا پڑا تھا کہ "ان البلاء موکل بالمنطق "بات پروان زبان کھتی ہے" اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ "میدانی" نے جمہرۃ الامثال میں مثل مذکور کے تحت لکھا ہے اور ابن عبد ربہ نے بھی عقد فرید میں اسے بیان کیا ہے۔ ابو قحافہ روز فتح مکہ مسلمان ہوئے تھے اور بہت بوڑھے تھے۔ رسول کے انتقال کے بعد جب خلافت ان کے بیٹے کو ملی تو یہ اس وقت بڑھاپے کی وجہ سے گھر سے نکل نہ سکتے تھے جب بیٹے میں ایک غل برپا ہوا تو انھوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا تمہارا بیٹا ابوبکر خلیفہ بنا یا گیا ہے!" ابو قحافہ نے کہا "اور اولاد عبد مناف اس بات پر راضی ہو گئی" لوگوں نے کہا ہاں، راضی ہو گئی ہو گی جبھی تو ایسا ہوا (مگر مطلب قابل تحقیق ضرور تھا) درحقیقت کوئی ایسا خلیفہ نہیں گزرا جس نے اپنے باپ کی زندگی میں خلافت پائی ہو مگر حضرت ابوبکر اور یہ ایک بڑی خوش قسمتی ابو قحافہ کی تھی کہ ان کا نور نظر ان کے جیتے جی یوں پروان چڑھا باپ کے دل کو جتنی قوت پہونچی ہو گی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ جب ابوبکر عبد الکریم طائع للہ کو اپنے جیتے جی اسکے باپ "مطیع" نے خلافت سپرد کی تھی تو منصور نے تمسخرانہ انداز میں "مطیع" کو ابو قحافہ کہنا شروع کیا تھا کیونکہ عہد اول سے زمانہ اور واقعات مطابق ہو گئے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

آپ بے خود سے تھے مگر جب اُسامہ نے اپنا سر آپ کے قریب جھکایا تو آپ نے اُسامہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر تاکید اشارے سے لشکرگاہ کی طرف جانے کی کی، پھر اُسامہ (مع کچھ لوگوں کے) پلٹ کر آ گئے، پھر ازواج نبی میں سے بعض بی بیوں نے واپس بلا لیا، اور پھر رسول نے انھیں واپس کیا، اور بار بار جانے کی تاکید فرماتے جاتے تھے اور تخلف کرنے والے پر لعنت بھیج رہے تھے۔ یہ لوگ پھر مطابق حکم رسول چلے۔ اُسامہ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی تھے جو بار بار آنے جانے کی تکلیف برداشت کر رہے تھے۔ اس آمد و رفت میں وقت گزرا، تیسری مرتبہ یہ لوگ ابھی سوار بھی نہ ہونے پائے تھے کہ رسول کی نازک حالت کی خبر انھیں پھر پہونچائی گئی اُسامہ پھر آ گئے ان کے ہمراہ خلیفۂ اول و دوم اور ابو عبیدہ تھے۔ (اس مقام پر تاریخ طبری دیکھئے سے کچھ عجیب عجیب انکشافات ہوتے ہیں، رسول کے تاکیدی حکم اور متخلف کے لیے لعنت کا طوق اور حالت مرض میں مخالفین کی رد ممبر پر جاکے کرنا اور پھر بعض ازواج کا باوجود حکم رسول بلوانا اور باوجود حکم رسول ان لوگوں کا واپس ہونا اور پھر بار بار واپس آنا اور پھر حضرت ابوبکر و عمر کا بھی بار بار پلٹنا ان تمام باتوں کو ایک طرف رکھیے، صرف نظر اس کلام پر کیجئے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں قبل استقرار بیعت حضرت عمر کے دہن سے نکلا کہ حضرت ابوبکر کو "یا خلیفۃ رسول اللہ" کہکے خطاب کرتے تھے، کیا اسوقت یہ خلیفہ ہو چکے تھے؟ ایسا تو نہ تھا کیونکہ ابھی انصار و مہاجرین میں سخت نزاع ہو رہی تھی اور کوئی امر طے نہ ہوا تھا۔ کیا رسول نے انھیں یہ لقب دیا تھا؟ ایسا بھی نہ تھا۔ کیونکہ نام نہادان اسلام اور خود حضرت عمر کا عام طور سے یہ مقولہ ہے کہ "کسی کو خلیفہ نہیں بنایا"۔ کیا بعض صحابہ نے رسول کی زندگی میں ایسا طے کر لیا تھا اور ان کے تمام افعال اسی نقطۂ نظر پر مترتب تھے۔ ممکن ہے ایسا رہا ہو مگر صحابہ خصوصاً مہاجرین سے یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے؟ غرض کہ "بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است" مترجم)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳ آئندہ پر)

مِنَ الرَّحٰی، یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقٰی

ہوتی ہے جیسے چکی کی گردش کا دارو مدار ہوتا ہے میری رفعت و برتری یہ ہے کہ سیل مجھ سے اترتی ہے اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ جناب ابوبکر کا انتقال پر ملال باپ (ابو قحافہ) کی زندگی ہی میں ہو گیا جس سے انھیں کافی صدمہ ہوا اور غالباً ابوبکر ہی قحافہ کی موت کا سبب ہوئے یعنی اگر وہ نہ مرجاتے تو ابو قحافہ شاید ابھی اور جیتے۔ غرضیکہ ابو قحافہ والد خلیفۂ اول کا انتقال عہد خلیفۂ ثانی میں ۹۷ برس کی عمر میں ہوا۔

عہد ماضی کے واقعات کی ایک جھلک

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض موت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے اُسامہ بن زید بن حارثہ کو ایک ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں تمام مہاجرین و انصار بحکم رسول شامل تھے اور کوئی چھٹنے نہ پایا تھا اور آپ نے اُسامہ سے کہا کہ تم اس لشکر کو اپنے باپ کے مقتل کی طرف لے جاؤ اور جنگ کرو۔ اس لشکر میں زیر امارت اُسامہ حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے۔ جب یہ واقعہ پیش ہوا تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ "خوب کل کا لڑکا ان بڑے بڑے مہاجرین و انصار پر حاکم مقرر کر دیا گیا، واہ" اتفاق سے یہ خبر شدہ شدہ رسول کو بھی پہونچی جس سے مزاج مبارک میں ایک خاص برہمی اور بے چینی پیدا ہو گئی، آپ اس غیظ و غضب کا تحمل نہ کر سکے اور اسی شدت مرض میں سر میں پٹی باندھے ہوئے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے گروہ مردم یہ مجھے کیا خبریں پہونچ رہی ہیں تم لوگ (مہاجرین و انصار) میرے اس فعل پر کہ میں نے اسامہ کو تم پر حاکم بنا دیا ہے طعنہ زنی کرتے ہو اور نگاہ تنقید سے دیکھتے ہو، درحقیقت کوئی تعجب خیز امر نہیں کیونکہ تمہارا یہی رویہ اُس وقت بھی تھا جب میں نے تمہارے اوپر اُسامہ کے باپ کو حاکم اور امیر مقرر کیا تھا اُس وقت بھی تم نے طعنہ زنی سے کام لیا تھا اور تمہیں ناگوار گزرا تھا اور خدا کی قسم اُسامہ کا باپ اپنے عہد میں قابل امارت تھا اور اُسامہ اس وقت موجود میں حکومت و امارت کے لائق ہے اور یہ دونوں مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں اور بہ نسبت تمہارے محبوب تر ہیں۔ یہ فرما کے آپ بیت الشرف میں تشریف لائے اور شدت مرض سے غافل ہو گئے۔ رسول اللہ کے بعض ازواج نے رسول کے شدت مرض کی یہ خبر پھر اُسامہ کو پہونچائی (اُسامہ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر تھے اور ظاہر ہے کہ ان حضرات کے ہوتے ہوئے ازواج کا پیغام انھیں دونوں کے پاس بھیجا گیا ہوگا نہ اُسامہ کے پاس کیونکہ حضرت عائشہ اور حفصہ نے اس شدید وقت اور مناسب موقع پر اپنے اپنے باپ کو ضرور یاد کیا ہوگا۔) اور یہ لوگ پھر پلٹ کے آ گئے، اُسامہ رسول کے پاس جب پہونچے تو

حضرت عمر نے چاہا کہ کچھ تقریر فرمائیں مگر حضرت ابو بکر نے انھیں روک دیا اور خود تقریر کے لئے کھڑے ہوگئے اور یوں درافشاں ہوئے۔ "خدا نے اپنے رسول کو مبعوث بہ ہدایت فرمایا اور دین حق کو ظاہر کیا تو ہمارا گروہ (مہاجرین) سب سے پہلے اسلام لایا اور دوسروں نے اس امر میں ہماری پیروی کی (اس اعتبار سے بھی حق مرجح علی بن ابی طالب کا نکلتا ہے کیونکہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے جیسا کہ کتب قوم میں مرقوم ہے اور مسعودی نے مروج الذہب میں بیان کیا ہے، مترجم) ہم رسول کے قبیلہ میں شامل ہیں اور انکے ساتھ ہی ساتھ نسباً بھی ہم اچھے ہیں (اس استدلال کو دیکھتے ہوئے بھی حق مرجح امیرالمومنین کا نکلتا ہے کیونکہ آپ بھائی بھی تھے، داماد بھی تھے انکے ماسوا حدیث مواخاۃ نے اس اخوت کو دوہرا کر دیا تھا جس قدر عشیرہ اور قبیلہ کے اعتبار سے علی بن ابی طالب رسول سے نزدیک تھے اتنا کوئی دوسرا نہ تھا۔ مترجم) رہ گیا تم گروہ انصار تو تمہاری فضیلتوں سے بھی انکار نہیں تم نے رسول کو اپنے یہاں پناہ دی تم ان کے سینہ سپر رہے تم ہمارے بھی وزیر ہو اور رسول کے بھی بوجھ کے بٹانے والے تھے تم ہمارے دینی مذہب میں شریک ہو اور تمہی ہمیں پیارے ہیں اور ہم تمھیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر یہ کہ اب جو صورت ہے اور جو نعمت تمہارے بھائیوں (مہاجرین) کو مل رہی ہے جو اسکے مستحق بھی ہیں اس پر حسد کرو اور تمہاری عادت تو ہمیشہ ایثار کی رہی ہے اور تم نے ہمیشہ اپنے مہاجرین بھائیوں کے ساتھ ایثار سے کام لیا، اب ایسا نہ ہو کہ بعد اس ایثار کے جو مہاجرین کے متعلق تم سے سرزد ہو چکا ہے انھیں کے بارے میں اختلافات کی نشو و نما تم سے ہو میرا کہنا مانو اور ابو عبیدہ یا عمر کی بیعت کرلو کیونکہ یہ دونوں اس کے اہل ہیں" یہ جو سنا تو ابو عبیدہ اور عمر نے کہنا شروع کیا کہ سبحان اللہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم میں سے کسی ایک کو بھی حق نہیں کہ اسکی بیعت کی جائے آپ رسول کے یار غار آپ نے مرض رسول میں نماز پڑھائی (یہ دونوں استدلال

اِلَیَّ الطَّیْرُ، فَسَدَلْتُ دُوْنَهَا ثَوْبًا وَ

میری بلندیوں تک کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ آخر میں نے اس معاملہ خلافت سے چشم پوشی کی، اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دو شنبہ کا دن تھا رسول کا انتقال پرملال ہو چکا تھا، امیرالمومنین ع و دیگر بنی ہاشم رسول ص کے غسل و کفن کی فکر میں تھے، دروازہ اندر سے بند تھا، عباس نے امیرالمومنین سے کہا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کروں تاکہ لوگ اس بات کو سمجھ لیں کہ رسول کے چچا نے رسول کے ابن عم کی بیعت کرلی اور اسمیں کوئی اختلاف نہ کرسکے، مگر امیرالمومنین منتہائے غم و ہم میں مبتلا تھے۔ آپ کو اسوقت کسی بات کا بھی خیال نہ تھا، آپ نے فرمایا کہ کیوں چچا! کیا میرے ہوتے ہوئے امر خلافت میں کوئی دوسرا شخص بھی طمع کرسکتا ہے؟ عباس نے کہا خیر یہ تو تمہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا، چنانچہ وہی ہوا جو عباس کا خیال تھا، اور بیعت حضرت ابوبکر کی ہوگئی۔

بنی ہاشم اتنی بڑی ہستی کے اٹھ جانے کے بعد اپنے غم و الم اور ساز و سامان تکفین میں مشغول تھے اور انھیں یہ خیال واثق تھا کہ محسن اسلام، فاتح اسلام، اور بانی اسلام علی بن ابی طالب کے ہوتے ہوئے اور پھر جبکہ غدیر خم میں، تبوک میں، تبلیغ برات میں اور شب ہجرت علی کا استخلاف قولاً اور فعلاً ہو چکا ہو تو کوئی دوسرا ایسا شخص جن میں ان صفات کا عشر عشیر بھی نہیں ہے اس منصب کے لئے نہ کھڑا ہوگا۔ لہٰذا الاھم فالاھم پر بنا کرتے ہوئے تجہیز و تکفین رسول فریضۂ اول تھا یہ لوگ اسی میں مشغول رہے۔ ادھر انصار کو خبر ہو گئی، گروہ انصار کا سربرآوردہ جناب سعد بن عبادہ نے سنا اور چونکہ مریض تھے لہٰذا اپنے بیٹے قیس سے کہا کہ تم میری تقریر اور میری مراد دل گروہ انصار کے کانوں تک پہنچا دو کیونکہ مجھ میں ضعف کی وجہ سے یہ طاقت نہیں' چنانچہ قیس نے سعد بن عبادہ صحابی رسول کی گفتگو انصار کے کانوں تک پہنچائی جس میں انصار کی جانکاہیاں جانفشانیاں خونریزیاں وغیرہ وغیرہ کا ذکر تھا، جو اسلام کی امداد میں اس گروہ سے ظاہر ہوئی تھیں ان واقعات کے ذکر سے سعد کا یہ مقصود تھا کہ گروہ انصار اپنی جاں نثاریوں کی وجہ سے خلافت رسول کا زیادہ مستحق ہے، درحقیقت اگر علی بن ابی طالب کی بیعت ہوجاتی تو انصار کبھی بھی نہ بولتے اور نہ سعد ہی کو تقریر کی جسارت ہوتی، مگر گروہ انصار تو یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ اس حق کو لئے جاتے ہیں جنھوں نے پسینہ کی جگہ خون تو کیا خون کی جگہ پسینہ بھی نہیں گرایا، لہٰذا عقلاً گروہ انصار کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ ہرگز مستحق خلافت نہ تھے۔

جب سعد کی تقریر کی خبر حضرت ابوبکر کو پہونچی تو آپ بیحد پریشان ہوئے اور حضرت عمر کو ساتھ لئے سقیفۂ بنی ساعدہ میں پہونچے راستہ میں ابو عبیدہ جراح بھی مل گئے انھیں بھی ساتھ لے لیا اور یہ تینوں آدمی سقیفۂ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے، وہاں کچھ شرفا بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں سعد بن عبادہ صحابی خاص رسول بھی بیٹھے تھے۔

طَوَيْتُ عَنْهَا كَشْحًا ، وَ طَفِقْتُ اَرْتَاْيِ

اس سے منھ پھیر لیا ، اور میں سوچ رہا تھا کہ آخر مجھے کیا کرنا چاہیے ، کیا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بھی حق علی بن ابی طالبؑ کو مرجح کرتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر رسول کی حفاظت ہی کے لئے غار میں ساتھ گئے ہونگے اور یہاں تلوار کی چھاؤں اور خونریزی کا کھٹکا بھی نہ تھا اگرچہ دل میں ایک خلش خوف تھی جس سے آپ بار بار غار میں گریہ فرماتے تھے، بہرحال ہمراہی برائے حفاظت رسول باعث فضل اور وجہ خلافت ٹھہرتی ہو، لہٰذا خیبر کی جدوجہد اور ہمراہی خندق کی جنگ اور ہمراہی حنین کی گھمسان کی جنگ اور علی کی ہمراہی راہ کی ہر آزمائش جنگ اور آپ کی ہمراہی اور شب ہجرت کی نفس فروشی رسول کیلئے جو تلواروں کی چھاؤں میں آئی یہ سب آپ کے حق کو ترجیح دیتی ہیں۔ یوں ہی رسول مدینہ میں موجود تھے اور حالت مرض میں بقول حضرت عائشہ رسول نے حضرت ابوبکر کو حکم نماز پڑھانے کا دیا اور بقول حضرت حفصہ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کو کہا اور پھر جب حضرت ابوبکر نماز پڑھانے لگے تو صاحب فراش رسول تلملا کے اپنے بستر سے اُٹھے اور صف اول کے آگے نماز کیلئے کھڑے ہو گئے یا بیٹھ گئے خدا معلوم یہ کیا کرشمے ہیں اور کیا حالات ہیں اس معمے کے حل کرنے کا یہ وقت نہیں، مطلب صرف اتنا ہے کہ اس اختلاف سے کہیں زیادہ روشن و واضح وہ اختلاف ہے جو شب ہجرت بستر رسول پر ہوا یا جو تبوک کی طرف جاتے ہوئے مدینہ میں ہوا اور جس میں آپ نے فرمایا یا علی ان المدینۃ لا تصلح الا بی او بک (اے علی مدینہ اصلاح پذیر نہیں ہو سکتا جب تک اسمیں تم نہ رہو یا میں نہ رہوں) پھر بعد وفات رسول کیا کہا جائے یہ تو زندگی کی حالت تھی — دیکھو تاریخ روایات وغیرہ مترجم)

ابوبکر کی تقریر سنکر انصار نے کہا کہ یہ خیال آپکا غلط ہے کہ ہم آپ پر حسد کرتے ہیں ایسا نہیں ہے جیسا ہم مہاجرین کو (بقول آپکے) پیارے ہیں ویسا ہی مہاجرین ہمیں بھی پیارے ہیں، مگر ہم کو اس امر میں آئندہ کے لئے بہت کچھ ڈر ہے اور انجام بینی و عاقبت اندیشی اور انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ اگر آپ ہماری امارت پر راضی نہیں تو یوں ہو جائے کہ ایک امیر آپ کا ہو اسکے بعد ایک امیر ہمارا یوں ہی نسلیں گزرتی جائیں اور یکے بعد دیگرے انصار و مہاجرین میں امر خلافت آتا جاتا رہے اور یہ نظام اُمت محمد میں ابد الآباد کیلئے قائم ہو جائے اسمیں یہ کھٹکا بھی جاتا رہے گا کہ قریشی انصاری سے خوف کھائے اور انصاری قریشی کا شکوہ گزار ہو۔ حضرت ابوبکر پھر اُٹھے اور انھوں نے پھر یہی فرمایا کہ جب رسول مبعوث ہوا تو لوگ بت پرست اور ستارہ پرست تھے اس نے

تبلیغ دین کی اور ہمارا گروہ (مہاجرین) سب سے پہلے ایمان لایا ہے جس نے عبادت خدا کی رسول کی سنتوں میں مدد کی ہم رسول کے اولیاء اور اسکے اقربا اور قبیلے کے لوگ ہیں لہٰذا ہماری مخالفت کوئی ظالم ہی کر سکتا ہے، رہ گیا تمہارا فضل و شرف سو اسکے ہم منکر نہیں ہم جانتے ہیں کہ تم نے رسول کی مدد کی رسول اور مہاجرین کو اپنے یہاں پناہ دی یہ سب صحیح مگر ہم امیر رہیں گے اور تم ہمارے وزیر رہو اور اب اس معاملہ میں کسی مخالفت اور مشورہ سازی کی ضرورت نہیں، نہ وقت کا یہ تقاضا ہے

یہ سنتے ہی جناب حباب بن منذر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ اے گروہ انصار ذرا اپنی شخصیتوں کا لحاظ رکھو اسوقت لوگ تمھارے سایہ میں اور تمھارے اثر میں ہیں تمہارا خلاف کر سکتے ہیں نہ تمہاری رائے سے ہٹ سکتے ہیں تم اہل شرف و عزت ہو تم جتھے اور قبیلے والے ہو دولت اور شجاعت تمہارے ساتھ ساتھ ہے اور لوگوں کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں کہ تم اسوقت کیا کرتے ہو لہٰذا اپنے جتھے میں اختلاف رائے سے تفرقہ نہ ڈالو اور انصار کی مضبوط جماعت پراگندہ نہ ہونے پائے انھیں نے رسول اور مہاجرین کو اپنے یہاں جگہ دی تمہاری ہی طرف ہجرت ہوئی جیسا درجہ مہاجرین کا گروہ سابقین اولین میں ہے ویسا ہی درجہ تمہارا بھی ہے اور تم ان سے پہلے صاحبان دار و ایمان ہو، خدا کی قسم اگر کھلم کھلا خدا کی پرستش کی گئی ہے تو تمہاری ہی شہروں میں اور اگر نماز کے لئے اجتماع کثیر ہو سکا ہے تو بلا تقیہ تمہاری ہی مسجدوں میں اور عرب نے اپنی گردن اسلام کے لئے نہیں جھکائی مگر تمہاری تلواروں کے زور سے، لہٰذا لوگوں میں تمہارا حصہ سب سے زیادہ بڑا ہے اور تم مہاجرین کے مقابلہ میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہو، اچھا اگر مہاجرین کو اس سے اختلاف ہے تو یہ طے کر لیں کہ دو امیر ہوں ایک انصار میں سے چن لیا جائے اور ایک مہاجرین میں (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

(باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اور اولا الامر ایک گھر میں جمع ہوں جیسا کہ صاحب عقد فرید نے اپنی جگہ پر لکھا ہے۔ بہیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ مترجم)
اصحاب رسول کی آپس میں برافروختگی یہ سنا تھا کہ حباب بن منذر اٹھ کھڑے ہوئے اور گروہ انصار سے فرمایا خبردار خلافت کو اپنے گروہ سے
نہ جانے دو اور حضرت عمر کی گفتگو کی
کوئی پروا نہ کرو اور نہ ان کی بات سنو
اگر یہ گروہ مہاجرین جنھیں صحبت پر
فخر ہے تم سے جھگڑا کریں اور تمہارے
حقوق نہ دیں تو ان سب کو اپنے
شہروں سے نکال باہر کرو اور جسے چاہو
ان پر والی اور امیر مقرر کرو۔
اور سنو! اگر اب میرے کلام کو کسی نے
رد کیا یا مخالفت کی تو اپنی تلوار سے
اس کی ناک توڑ دوں گا۔ چونکہ
حضرت عمر اور حباب بن منذر میں
ناچاقی تھی اور رسول نے حضرت عمر کو
حضرت حباب کے کلام کے رد کرنے سے
منع فرمایا تھا جیسا کہ خود حضرت عمر
قائل ہیں (نگاہ دور بین رسول نے
خدا جانے کیا دیکھ کے رد کلام حباب
کو منع کیا تھا) لہٰذا حضرت عمر نے
اسکا کوئی جواب نہیں دیا مگر ابو عبیدہ
اٹھے اور انھوں نے پھر انصار کے
چپ کرنے اور حضرت ابو بکر کی بیعت
ہو جانے کی کوشش کی۔

آپس کی پھوٹ کا نتیجہ

بشیر بن سعد نے جب یہ رنگ دیکھا
کہ گروہ انصار سعد بن عبادہ کے امیر
بنانے پر تلا ہوا ہے (سعد بن عبادہ
قبیلہ خزرج سے تھے اور بشیر قبیلہ
خزرج سے تھے اور ان دونوں میں پشتینی
کی جنگ تھی) تو حسد کی آگ ان کے
دل میں بھڑکی اور یہ نہ دیکھ سکے کہ
سعد انکے قبیلہ کا آدمی امیر بن جائے
چنانچہ انھوں نے فوراً مہاجرین کا
ساتھ دیا اور ان کی ایسی کہنے لگے
اور رسول کے گھرانے کو خلافت کا حقدار سمجھا (مگر تعجب ہے کہ اس گھرانے سے امیرالمومنین کیونکر باہر کر دیے گئے) اور کہا کہ دیکھو میں اب اس جھگڑے سے
دستکش ہو رہا ہوں اور خزرج کیلئے کچھ نہیں کرتا۔ سعد کا اتنا کہنا تھا کہ حضرت ابو بکر کی پارٹی کو مدد ملی حضرت ابو بکر نے اٹھ کے پھر حضرت عمر

بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ

کٹے ہوئے ہاتھوں سے (بے دست و پا بے معین و مددگار) لڑوں یا اس گھٹا ٹوپ اندھیاری

(باقی حاشیہ صفحہ سابق) یہ سنکر حضرت عمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا کہ
"افسوس دو تلواریں بھلا ایک نیام میں کیونکر رہ سکتی ہیں" اسکے ماسوا عرب اس بات پر کبھی بھی
نہ راضی ہونگے کہ تم امیر بنائے جاؤ درانحالیکہ انکا رسول تم میں کا نہیں، میں تو سمجھتا ہوں کہ عرب
کو یہ بات زیبا نہیں کہ ہر امر کو کسی اور کے سپرد کریں مگر ایسے کو کہ جن میں نبوت رہی ہو اور صاحبان
امر بھی انھیں میں سے ہوں" (اس مقام پر حضرت عمر کا یہ قول قابل داد ہے، درحقیقت
خلیفہ ثانی اسوقت گویا امیرالمومنین کی طرف سے صریحی وکالت فرما رہے ہیں یہ اور بات ہے کہ
کلام امیرالمومنین کو منصب کسی وجہ خاص سے نہ دیا جائے اس مقام پر علامہ ابن قتیبہ دینوری کی یہ
عبارت قابل ذکر ہے جو قول حضرت عمر کی حامل ہے ولکن العرب لا ینبغی ان تولی
هذا الامر الا من کانت النبوة فیهم واولی الامر منهم مفہوم عبارت کا
ذکر اوپر کیا گیا اس قول سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت عمر اولا الامر
کے معنی خوب اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے، یہ امر بھی روشن ہے کہ اسوقت نبی ہی کے گھرانے
میں یہ دونوں چیزیں تھیں یعنی نبوت اور "اولوالامر" اور اسے بھی حضرت عمر خوب
اچھی طرح جانتے تھے اس عبارت کے بعد اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر
منکم کی تفسیر میں کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ درحقیقت خاندان رسالت میں
نہ اسلاف میں کوئی بادشاہ تھا اور نہ وقت سقیفہ تک کوئی پیدا ہوا کہ اولی الامر سے کوئی بادشاہ مراد لیا جاتا یہ بات بھی معلوم
ہوئی کہ "اولی الامر" سے حضرت عمر کی مراد رسالت یا نبوت نہیں بلکہ یہ دو چیزیں الگ الگ
ہیں جبھی تو مقام استدلال میں دلیل کو دوہرا کے بیان فرما رہے ہیں۔ "تاریخوں کے دیکھنے
سے یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بمقتضائے وقت و مقام تقریر فرمایا کرتے تھے اور ان کی
تمام رائیں ان کی استقلال کی تابع نہ تھیں بلکہ محل و مقام و وقت کی تابع تھیں اور بلاغت
کی تعریف بھی یہی ہے کہ سخن بمقتضائے وقت و محل کیا جائے۔ اسوقت جب سعد بن
عبادہ اور حباب بن منذر گروہ انصار میں اس امر خلافت کو محدود کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عمر
یہ فرماتے ہیں، اور جب ابن عباس سے گفتگو ہوئی ہے علی ابن ابیطالب کے بارے میں تو آپ
فرماتے ہیں کہ خلافت انھیں اس لئے نہیں دی کہ عرب یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ نبوت

کر ڈالو، خدا سعد کو قتل کرے،' جب معاملہ بیعت طے ہو گیا اور یہ فتنہ دب گیا ہوا تو حضرت ابو بکر نے حضرت سعد بن عبادہ سے کہلا بھیجا کہ تمام لوگوں نے بیعت کر لی ہے اب تم بھی بیعت کر لو۔' سعد نے کہا میری طرف سے جا کے کہدینا کہ جب تک میں اپنے ترکش کے تیر تم پر صرف نہ کر دوں اور

عَلٰى طَخْيَةٍ عَمْيَاءَ يَهْرَمُ فِيْهَا الْكَبِيْرُ

پر صبر کروں ایسی طویل کہ جس میں بڑھا بالکل پھونس ہو جائے

(بقیہ صفحہ ٣٥) ابو عبیدہ کو پیش کیا مگر حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کسی کا حصہ نہیں یہ کہتے ہی فوراً حضرت عمر نے بیعت کی اور ساتھ ہی ساتھ ابو عبیدہ نے۔ بشیر تو سعد کو شکست دینا ہی چاہتے تھے انھوں نے بھی بڑھ کے بیعت کی اور چونکہ یہ سردار قبیلہ تھے لہذا آپ کے ساتھ قبیلہ خزرج ٹوٹ پڑا چلئے انصار میں پھوٹ پڑی اوس کا قبیلہ تنہا رہ گیا حضرت ابو بکر کی بن آئی اور وہ خلیفہ ہو گئے ؎ شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی ؛ گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد ؛ اگر اوس خزرج کی کشمکش اسوقت کار فرما ہوتی تو حضرت ابو بکر ایسا بین فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اسوقت حباب بن منذر نے کہا کیوں بشیر آخر تم نے حسد سے کام لیا اور تمھیں امارت کا سہرا اپنے ابن عم سعد بن عبادہ کے سر پر اچھا نہ معلوم ہوا۔ جب بیعت کا بازار گرم تھا اور لوگ گوسفندانہ ٹوٹے پڑتے تھے تو حباب بن منذر نے اپنی تلوار کھینچ لی، مگر اس بحر طوفان خیز میں حباب یا ان کے ساتھی کیا بنا سکتے تھے آخر لوگ لپٹ گئے اور حباب کے ہاتھوں سے تلوار چھین لی، پھر بھی وہ اپنے جذبات مشتعل کو فرو نہ کر سکے اور لوگوں کو برا بھلا کہے جاتے تھے اور منع کرتے جاتے تھے۔ ادھر یہ ہڑ بونگ تھا ادھر بیعت مکمل ہو گئی تو پھر حباب نے کہا اے گروہ انصار اسے خوب یاد رکھو گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ انصار کے بچے مہاجرین کے بچوں کے دروازوں پر پانی کا کاسہ لئے ہوئے بھیک مانگ رہے ہیں مگر انھیں پانی بھی نہیں دیا جاتا۔

صحابی رسول سرگروہ انصار سعد بن عبادہ کی اس بیعت سے ناراضی جب یہ تمام واقعات ہو رہے تھے تو سعد جو اسوقت بیمار بھی تھے انھوں نے حضرت ابو بکر کو مخاطب کر کے کہا سے دو سنا! خدا کی قسم اگر اسوقت مجھ میں اُٹھنے کا دم ہوتا تو تم دیکھتے کہ مدینہ کے گوشہ گوشہ سے شیروں کی گرج سنائی دیتی ایسی کہ وہ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو یہاں سے نکال باہر کرتے اور تمھیں تمھاری اسی قوم میں ملاتے جو ہمیشہ محکوم رہی نہ حاکم اور ہمیشہ فرمانبردار رہی نہ حکمراں اور ہمیشہ غیر مشہور رہی جسے کوئی دنیا میں جانتا بھی نہیں کہ کون ہے اور کہاں سے آئی ادھر سعد کی آواز بلند تھی ادھر ابو بکر خطاب کر رہے تھے اور ادھر لوگوں کا ہجوم انھیں کچلے دیتا تھا تو انھوں نے کہا ارے تم لوگ تو مجھے قتل کئے دیتے ہو اس پر حضرت عمر نے فرمایا "قتل بھی

اپنے تمام نیزے تمھارے خون سے رنگین نہ کر لوں اور جب تک میرے قبضہ میں تلوار ہے اس سے تمھیں مار نہ لوں اور مع اپنے اہل و عیال و قبیلہ کے تم سے قتال نہ کر لوں تب تک تو بیعت نہیں کرتا اور سُنو! یہ بھی کہدینا کہ اگر تمام جن اور تمام انسان مل کر بھی تمھاری بیعت کریں تب بھی میں کبھی بیعت نہ کرونگا۔ یہ جواب سنکر حضرت عمر نے ابو بکر سے کہا کہ بغیر بیعت لئے ہوئے سعد کو نہ چھوڑنا، مگر قیس نے سمجھایا کہ جانے بھی دو اب اتنی زبردستی بھی اچھی نہیں اگر ایسا کرو گے تو بڑا ہنگامہ برپا ہو جائے گا اور سعد اسوقت تک تو بیعت نہیں کرتے جب تک قتل نہ ہوں اور وہ اسوقت تک قتل نہ ہونگے جب تک انکی اولاد اور ان کا کنبہ قبیلہ نہ مقتول ہو اور جب اوس کا قبیلہ یوں مقتول ہوگا تو خزرج جو ان کے حلیف ہیں وہ بھی اس جنگ میں شریک ہونگے لہذا اب خاموش رہو ان کا اور انکے ساتھیوں کا بیعت نہ کرنا تمھارے لئے ضرر رساں نہیں اور مصلحت خاموشی ہی میں ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نہ ان کے ساتھ نماز میں شرکت کرتے تھے نہ جمعہ میں اور اگر کہیں انھیں مدد گار ملتے تو وہ یقیناً حضرت ابو بکر سے جنگ کرتے آخر مرتے دم تک کسی کی بیعت نہ کی جب خلیفہ اول کا انتقال ہوا اور دو خلیفہ ثانی آیا تو انھوں نے شام کی طرف کوچ کیا مگر راستہ ہی میں مار ڈالے گئے اور یہ مشہور ہوا کہ "قتلہ الجن" انھیں کسی جن نے مار ڈالا۔ اب کون کہے کہ یہ جن کون تھا...... تاریخوں سے آشنا نگاہیں اس جن کا پتہ چلا سکتی ہیں (باقی حاشیہ صفحہ مابعد پر)

نہ بیعت کرونگا۔ ابوبکر نے یہ سنکر کہا کہ اگر آپ میری بیعت نہیں کرتے تو میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرتا۔ اب ابو عبیدہ بن جراح آگے بڑھے اور کہا کہ اے علی تم ابھی کمسن ہو اور ابوبکر سن رسیدہ اور تجربہ کار ہیں تمھیں دنیا کا تجربہ باعتبار سن نہیں لہٰذا ابوبکر کی بیعت کرلو اور انشاء اللہ آگے چلکے تمھاری بیعت ہوجائیگی کیونکہ تم اسکے مستحق اور اسکے لائق ہو اور تمھارا فضل دین علم، فہم، سبقت اسلامی اور نسب وغیرہ یہ تمام صفتیں اسکی مؤید ہیں۔
امیرالمومنین نے فرمایا اللہ اللہ اے گروہ مہاجرین رسول کی سلطنت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھر میں نہ لیجاؤ اور رسول کے اہل بیت سے ان کے حقوق نہ چھینو نہ ان کو انکی جگہ سے ہٹاؤ کیونکہ خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین ہم اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم اہل بیت ہیں اور ہمیں میں کتاب خدا کا قاری، دین الٰہی کا فقیہ، سنت رسول کا عالم، رعیت کے حالات سے باخبر انکی برائیوں کا دور کرنے والا اور ان سے مساوات کا برتاؤ کرنے والا ہے اور ہمارے سوا ایسا شخص کہیں بھی نہ ملے گا کیوں خواہش نفس کی پیروی کرو کہ گمراہ اور حق سے دور ہوجاؤ
بشیر بن سعد انصاری نے یہ سنکر کہا کہ اے علی اگر یہ کلام انصار پہلے سنتے تو آپ کے سوا کسی دوسرے کی بیعت کبھی بھی نہ ہوتی، آپنے فرمایا تو میں رسول کو بے گور و کفن چھوڑ دیتا، اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جاکے خلافت کے لئے تم سے نزاع کرتا یہ تو مجھ سے کبھی بھی گوارا نہ ہوتا۔ اور نہ مجھے زیبا تھا۔"
علی کی وہ بیعت جس کو شہرت دیجاتی ہے وہ اگر ہوئی بھی تو بکر

وَيَشِيبُ فِيهَا الصَّغِيرُ، وَيَكْدَحُ فِيهَا

اور بچہ بوڑھا ہو جاۓ ایمان والا اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) بنی ہاشم، بنی امیہ اور بنی زہرہ کا کیا حال تھا بنی ہاشم علی بن ابیطالبؑ کے ہمراہ تجہیز و دفن و کفن رسول میں مشغول تھے اور سب گھر میں یکجا تھے۔ زبیر بن عوام اور ان کی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب بھی اسی گھر میں تھیں کیونکہ یہ اپنے کو بنی ہاشم میں شمار کرتے تھے۔ رہ گئے بنی امیہ وہ سب کے سب عثمان بن عفان کے پاس جمع تھے اور بنی زہرہ سعد اور عبدالرحمن بن عوف کے پاس تھے اُن لوگوں نے بیعت نہ کی تھی۔ سقیفہ ساعدہ کے واقعات کے بعد حضرت عمر نے گردش کرنی شروع کی اور حضرت عثمان و سعد و عبدالرحمن کو بیعت کے لئے بھیجا چنانچہ یہ لوگ اپنے جتھے سمیت اُٹھے جب ادھر سے فراغت ملی تو بنی ہاشم کی طرف رخ کیا اور ایک جتھا لیکے علی کے گھر پر پہونچے اور کہا کہ جاؤ ابوبکر کی بیعت کرو مگر سبنے اس بیعت سے انکار کیا اور حضرت زبیر تلوار کھینچ کے نکل پڑے اب عمر نے غل مچایا اور کہا کہ زبیر کے ہاتھ سے تلوار چھین لو چنانچہ سلمہ بن اشیم وغیرہ آگے بڑھے اور تلوار چھین کر دیوار پر پھینک ماری

علیؑ بن ابیطالبؑ کا بیعت سے انکار ابن قتیبہ اور دیگر اجلہ مورخین و محدثین کا بیان

جب امیرالمومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام سے بیعت کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا میں خدا کا بندہ اور رسول کا بھائی ہوں اور میں سب سے زیادہ امر خلافت کا مستحق ہوں تم لوگوں کو چاہئے کہ تم میری بیعت کرو نہ یہ کہ میں تمھاری بیعت کروں دیکھو تم نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار پر یہ کہکے احتجاج کیا کہ تم قرابت داران رسول ہو تم خود ہی بتاؤ کہ کیا مجھ سے زیادہ قرابت دار ہو اور کیا تم اس حق کو ہم اہلبیت سے غصب نہیں کر رہے ہو، کیا تم نے انصار سے یہ استدلال نہیں کیا کہ چونکہ رسول تم میں سے تھا لہٰذا تم کو خلافت ملنی چاہئے اور انصار نے یہ استدلال کو تمھارے مانا اور تمھاری بیعت کی اب جس طرح اور جن دلائل سے تم نے انصار کو محجوج کیا انھیں دلائل کی رو سے میں سب سے زیادہ مستحق خلافت ہوں ہم سے بڑھ کر رسول کا قرابت دار اور دوسرا کون نظر آتا ہے اور ہمارے ہوتے ہوئے یہ حق کدھر منتقل ہو سکتا ہے لہٰذا انصاف سے کام لو ورنہ ظلم کرنے والوں کا انجام جو ہے وہ تمھیں معلوم ہی ہے۔" عمر نے فرمایا اے علی بیعت کرلو بغیر بیعت کئے چھٹکارا نہیں۔" آپنے فرمایا ہاں ہاں آج تم ان کے لئے امر خلافت مضبوط کرلو کل وہ تمھارے لئے مضبوط کر جائینگے، خدا کی قسم نہ تو میں تمھارے قول کو قبول کرونگا اور

جب حضرت ابوبکر و عمر نے یہ سنا کہ بنی ہاشم اور کچھ لوگ اور ہیں جنھوں نے بیعت نہیں کی اور وہ سب علی بن ابیطالب کے پاس جمع ہیں تو حضرت ابوبکر نے خلیفہ دوم کو ان لوگوں کے پاس بھیجا، عمر نے ان تک پیغام پہونچایا انھوں نے بیعت اور گھر سے نکلنے سے انکار کردیا (باقی دارد)

یک گوارا ہو سکتا تھا کہ ایسی بیعت آپ کے موت کے بعد بھی واقع ہو چنانچہ آپ بہت برہم اور آپے سے باہر ہو گئے اور چاہا کہ اسی وقت مجمع کو مخاطب کر کے ایک طولانی دھوار تقریر صحابہ کے دلی جذبات کے خلاف کریں مگر عبدالرحمن نے بہت کچھ دھیرا کیا اور آپ کے برمحل غصہ کی آتش فروزاں پر تسکین و تالیف قلب کے چھینٹے دے اور سمجھایا کہ یہ محل ایسی باتوں کا نہیں انشاء اللہ جب آپ مدینہ واپس ہونگے تو زجر و توبیخ اصحاب کی فرمالیجیے گا۔ عبدالرحمن کی باتیں اسوقت کارگر ہوئیں اور آپ چپ ہو رہے مگر جب مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلا کام آپنے یہی کیا اور مجمع عام میں منبر پر تشریف لیجا کے ایک تقریر فرمائی جس کے نشیب و فراز میں سیاست کے شرارے اُڑ رہے تھے اور زجر و توبیخ کے شعلے لپک رہے تھے، آپنے فرمایا کہ تم لوگ دوسروں کا حق غصب کرنا چاہتے ہو اور بیعت کسی دوسرے کی کرنا چاہتے ہو (الفاظ غیر منضبط ...... مترجم) کہیں اس واقعہ پر پہونچنا کہ ابو بکر کی بیعت محض فتنہ و فساد تھی " ہاں وہ تھی تو ایسی ہی مگر خدا نے اس کی فتنہ انگیزی سے خوب بچایا...... سنو! جب یہ بیعت ہوئی تو علی بن ابیطالب زبیر اور تمام بنی ہاشم مع چند مہاجرین کے انھیں کے گھر میں تھے اور انھوں نے اختلاف کیا اور بیعت نہیں کی یوہیں انصار کا پورا جتھا ہم سے خلاف تھا اور کسی نے بھی بیعت نہیں کی (بلکہ گروہ انصار تو یہ چاہتا تھا کہ علی بن ابی طالب کی بیعت ہو اور اسی پر اصرار تھا اور اگر ایسا نہو تو پھر انصار میں کوئی مقرر کیا جائے اور اگر یہ بھی نہو تو ایک انصار میں منتخب ہو اور ایک مہاجرین میں دیکھو کامل صـ۱۲۳ مطبوعہ مصر مترجم) سعد بن عبادہ اوڑھے لپیٹے کملی میں بیٹھے ہوئے بیمار اس مجمع میں شریک تھے، بڑا اختلاف ہو رہا تھا سعد بن عبادہ جیسا اس بھیڑ میں کچلے جانے لگے (باقی وارد)

مُؤْمِنٌ حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّهٗ	فَرَأَیْتُ اَنَّ
کوشش بلیغ کرے اور مر جائے	مگر میں نے دیکھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) تو حضرت عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور قسم کہا کہ اگر تم لوگ نہ نکلو گے تو ہم اس گھر میں آگ لگا دینگے، لوگوں نے کہا کہ اس گھر میں فاطمہ بنت رسول بھی ہیں، فرمایا "ہونے دو" طبری، ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید وغیرہ) چنانچہ لوگوں نے نکل کے آتش زدگی کے خوف سے بیعت کی مگر علی بن ابیطالب نے ابھی بیعت نہیں فرمائی، مگر حضرت عمر کی کوشش برابر جاری رہی اور حضرت ابو بکر کو علی کی بیعت کیلئے برانگیختہ کرتے رہے برابر پیام برآتے جاتے رہے اور آپ انکار ہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ جبراً خانۂ سیدہؑ سے نکالے گئے اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں بیعت نہ کروں تو میرا کیا حشر ہوگا لوگوں نے کہا قتل کر دیے جاؤ گے آپ نے فرمایا تو تم لوگ خدا کے بندے اور رسول کے بھائی کو قتل کر ڈالو گے، حضرت عمر نے کہا خدا کا بندہ ہونا تو مسلم، مگر رسول کا بھائی ہونے سے انکار ہے (یہ حال نبی حالات کو در گزر کرتے ہوئے بعد حدیث مواخاۃ ہے۔ مترجم) یہ گفتگو ہو رہی تھی مگر ابو بکر خاموش کھڑے تھے عمر نے کہا تم کچھ کیوں نہیں کہتے سب میں ہی کہہ رہا ہوں ابو بکر نے جواب دیا کہ فاطمہ کی زندگی تک میں کسی امر پر علی کو مجبور نہیں کر سکتا چنانچہ (بقول مورخین اہل سنت) فاطمہ کی زندگی تک علی نے بیعت نہیں کی ــــ (اول تو روایت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپنے بیعت نہیں فرمائی کیونکہ اگر بیعت کرنی ہی ہوتی تو روز اول ہی فرمائی ہوتی خلافت سے اول یہ احتجاجات کیسے جو کتب قوم میں نظر آتے ہیں اور اگر بقول حضرات اہل سنت کسی اضطراری شکل میں بیعت واقع بھی ہوئی تو فمن اضطر غیر باغ ولا عاد کے تحت تھی اس سے کوئی صحیح استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ (مترجم)

حضرت عمر کو عدم اجماع بیعت کا خود اقرار ہے جو کچھ بیان کیا جا چکا وہ ابن ابی الحدید اور کتاب الامامۃ والسیاست دینوری مطبوعہ مصر کی صـ۸ سے صفحہ ۱۳ تک کا خلاصہ تھا۔ کامل میں ابن اثیر جزری اور طبری بھی اس بیان کے خلاف نہیں بلکہ لفظاً لفظاً مؤید و موافق ہیں چنانچہ کامل صـ۱۲۳ مطبوعہ مصر اور طبری صـ۱۹۹ طبع مصر میں اگر واقعات سقیفہ پر نظر ڈالی جائے تو سب کچھ نظر آئیگا۔

" موسم حج میں اتفاق سے کہیں کسی کے منھ سے انکا دلی جذبہ ان الفاظ میں سن لیا کہ " عمر مرجائنگے تو ہم فلاں (علی ابن ابی طالب علیہ السلام) کی بیعت ضرور کرینگے " بھلا آپ کو

الصَّبْرُ عَلٰی هَاتَا اَحْجٰی ، فَصَبَرْتُ وَ

صبر کرنا لڑنے سے زیادہ مناسب ہو اور عقل سے قریب بھی ہے لہٰذا میں نے صبر کیا

(بقایا صفحہ ۳۸) تو انھوں نے چیخ کے کہا " ارے میں مرا ، میں قتل ہوا !! تو میں نے زور سے کہا قتل بھی کر ڈالو (سعد بن عبادہ کو) خدا اسے مارے اور قتل کرے وہ منافق ہے۔

(صحابی رسول انصار رسول مومن اور پھر من قتل مومنًا متعمدًا قرآن میں موجود، خدا معلوم اسوقت جناب فاروق کو کیا ہوگیا تھا کہ ایک جلیل القدر صحابی کو منافق بھی کہا (طبری صفحہ ۴۵۵)

خیر تو میں بنی سقیفہ کے لئے ایک عمدہ سی تقریر اپنے دل میں گڑھ کے لے گیا تھا مگر ابو بکر نے مجھے روک دیا اور خود تقریر کی، بولے اور خوب بولے اور جو کچھ میرے دل میں تھا ان تمام باتوں کو کہا اور مجھ سے اچھا بیان کیا۔ وہ تو کہئیے کہ عین موقع پر مجھے خبر مل گئی اور مجھ سے کہنے والے نے آکے یہ قصہ بیان کیا کہ سعد بن عبادہ کی امارت پر سب راضی ہو گئے ہیں اور وعدہ کر لیا ہے (خدا معلوم یہ رضا اجماع کی شکل اختیار کر چکی تھی یا نہیں اگر اجماعی شکل تھی تو یہ اجماع شکنی جو بعد میں واقع ہوئی کیسی تھی ؟ مترجم) میں نے یہ سنتے ہی ابو بکر کو اپنے ساتھ لیا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچ گیا پھر جو ہونا تھا وہ ہوا۔

اجماع کی حقیقت اور ابو بکر کی بیعت سے زمین اسلام میں ارتدادی زلزلہ

بنی ہاشم بیعت سے الگ ہے پورا گروہ انصار الگ رہا بشیر نے بھی جو بیعت کی وہ لا لحب ابی بکر بل لبغض سعد پر مبنی تھی جیسا کہ حباب بن منذر نے بعد بیعت بشیر بن قیس خزرجی اسی بشیر سے کہا انفست علی ابن عمک الامارۃ کیوں بشیر سعد جو تمھارے ابن عم ہیں ان کی امارت تمھیں بھلی نہ معلوم ہوئی اور آخر تم نے حسد سے کام لیا نہ " خود اسید بن حضیر نے جو قبیلہ اوس سے تھے پکار کر کہا واللہ لئن ولیتھا الخزرج علیکم مرۃ لازالت لھم علیکم بذالک الفضیلۃ ولاجعلوا لکم معھم فیھا نصیبا ابدا فقوموا فبایعوا ابا بکر خدا کی قسم اگر خزرج میں خلافت گئی تو انھیں تم پر فضیلت ہو جائے گی اور وہ تمھیں اس میں کوئی حصہ نہ دینگے لہٰذا اٹھو اور ابو بکر کی بیعت کرو (طبری صفحہ ۴۵۸) اس مجمع کے چھٹنے کے بعد اب گنتی کے معدودے چند مہاجرین رہ جاتے ہیں جنھوں نے مختلف اثر کے ماتحت حضرت ابو بکر کی بیعت کی یہ تو مدینہ کی مقامی حالت تھی اب غیر مقامی واقعات پر ایک نظر ڈالئے کہ جب یہ خبر بیعت عام ہوئی اور موت رسول کی خبر مشتہر ہوئی تو تمام عرب کے وہ حضرت ابو بکر کے خلاف تھے اور پورا عالم اسلامی بقول حضرت ابو بکر مرتد ہو گیا

کوئی قبیلہ کوئی گروہ کوئی مقام اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی کہ جہاں یہ سیل نہ پہونچی ہو۔ عرب عرب کے قبائل کا نام گنوانے سے فائدہ نہیں، کامل اور طبری کی یہ عبارت میرے دعوی کو ثابت کرے گی وارتدت العرب اما عامۃ واما خاصۃ من کل قبیلۃ وظہر النفاق تمام عرب عام یا خاص ہر قبیلہ کے مرتد ہو گئے اور دین اسلام سے پلٹ گئے اور نفاق ہر طرف ظاہر ہونے لگا۔ اور کہیں پر یہ عبارت ہے وارتدت کل قبیلۃ عامۃ وخاصۃ الا قریشا وثقیفا عرب کا ہر قبیلہ وہ عام ہو یا خاص سوا قریش اور ثقیف کے مرتد ہو گیا۔ (کامل صفحہ ۱۳۷) کفرت الارض وارتدت الخ سارا عالم کافر و مرتد ہو گیا۔ اب ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ وجہ کیا تھی جس سے قبائل عرب رسول کے آنکھ بند ہوتے ہی بالکل پلٹ گئے، کیا یہ تمام عالم اسلامی رسول کی رعایت کرتے ہوئے اسلام لایا تھا، کیا رسول کا کوئی خاص خوف ان لوگوں کے اوپر تھا، کیا رسول دولت کے زور سے ان کو مسلمان بنائے ہوئے تھے کیا رسول نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا تھا کہ ان کے انتقال کے بعد ہی وہ خوف ہٹا اور دنیائے اسلام نے کروٹ لی اگر یہ تھا تو غیر مسلم اقوام کا اعتراض کہ اسلام بزور تیغ پھیلا ہے قوی دلیل ہے کیونکہ واقعات ارتداد اسکے موید ہیں اسلئے سوا قریش اور ثقیف کے قبائل کے اسوقت ابوبکر کی خلافت سے قبل کفر و ارتداد تمام عرب کے لئے عام ہو چکا تھا جس کی حامل صفحات تاریخ ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عمل پر جو سوالات ذہن پیدا کرتا ہے انکا اقرار اور ان کی تائید کوئی مسلمان نہ کر سکتا ہے اور نہ کریگا کیونکہ یہ وہ باتیں ہیں جن کے مان لینے کے بعد تبلیغ رسول پر کاری ضرب پڑتی ہے پھر آخر کیا وجہ تھی کہ صرف دو قبیلے مسلمان رہ گئے باقی ساری دنیا کافر اور مرتد ہو گئی، اس مطلب پر ذرا غور کی نظر ڈالیے آپکا ذہن آپ کو خود جواب دیگا۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

فِي الْعَيْنِ قَذًى ، وَفِي الْحَلْقِ شَجًا ، أَدٰى

دراں حالیکہ آنکھ میں کھٹک تھی اور گلے میں تکلیف کی ہڈی اٹکی ہوئی تھی۔ میں یہ دیکھا تھا ۴ (اس غضب کو دیکھا تو کر دیکھ نہ سکتا تھا صبر کیا تو گلے سے نہ اترتا تھا)

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹) جس ارتداد کا غل مچا ہوا ہے وہ کیا تھا؟ ہر قبیلہ کے ارتداد کی تنقید اور عرب بھر کے ارتداد کا نقد کروں، نہ اسکا محل ہے اور نہ موقع اور نہ ان صفحات میں اتنی گنجائش ہے کہ قلم نقدہ ہر ہر فرد کی ارتدادی گتھیوں کو سلجھائے صرف ایک واقعہ اس مقام پر لکھتا ہوں جو مختصر اور جامع الفاظ میں بیان کیا جائے گا اور جس کے جاننے کے بعد چہرۂ ارتداد مشہور سے خود بخود پردہ اٹھتا نظر آئے گا۔ مالک بن نویرہ کا بہت مشہور واقعہ ہے ان کے مسلمان ہونے پر بعض صحابہ نبی اور خود حضرت عمر کی گواہیاں موجود ہیں مگر باوجود اسکے وہ قتل کر دیے گئے اور بری طرح قتل کر دیے گئے اور ارتداد کا الزام ان کے قتل کا باعث ہوا، چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری اور ابن جریر طبری نے اس واقعہ کو لکھتے ہوئے یہ عبارت لکھی ہے وکان ممن شهد لمالك بالاسلام ابو قتادة الحارث بن ربعي اخو بني سلمه مالک کے اسلام پر جن لوگوں نے گواہی دی ان میں ابو قتادہ صحابی رسول بھی تھے، ابو قتادہ کو مالک کے مسلمان ہونے کا اسدرجہ یقین کامل تھا کہ بعد قتل مالک انھوں نے خدا سے عہد کیا کہ وہ خالد کے ساتھ اب کسی جنگ میں کبھی شریک ہونگے چنانچہ وہ اپنے عہد پر قائم رہے۔

دوسری گواہی خود حضرت عمر کی ہے آپنے جب مالک اور اسکے ساتھیوں کے قتل کو سنا تو یہ الفاظ فرمائے اور ابو بکر کے سامنے فرمائے قال عدو الله عدا على امرئ مسلم فقتله ثم نزا على امرأته کہا کہ اس دشمن خدا (خالد) نے ایک مرد مسلم پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیا اور اسکے بعد اسکی عورت کو اپنے تصرف میں لایا(دنیائے اسلام خالد بن ولید کو سیف اللہ کہتی ہے مگر حضرت عمر نے آخر " عدو الله " کا لقب انھیں دیا درحقیقت انصاف فاروقی کا مقتضی یہی تھا۔ مترجم) تیسرے یہ کہ خالد بن ولید سے جناب ابو بکر نے فرما دیا تھا کہ جو لوگ اذان کہیں اور اقامت صلوٰۃ کریں ان کو مسلمان سمجھنا اور قتل نہ کرنا چنانچہ مالک اور مالک کے ساتھی سب نماز گزار تھے جسکی گواہی ابو قتادہ نے دی فکان فيمن شهد انهم قد اذنوا واقاموا وصلوا منجملہ گواہوں کے ابو قتادہ بھی تھے انھوں نے گواہی دی کہ ان لوگوں نے اذان و اقامت کہی اور نماز پڑھی، مگر پھر بھی ان کے ساتھ برے سلوک کیے گئے، جاڑے کی ٹھنڈی راتوں میں یہ لوگ بغیر کسی چھت وغیرہ کے حبس کی حالت میں سردی کھاتے رہے اور

پھر قتل کر دیے گئے، چوتھے یہ کہ ان لوگوں نے خود اقرار اسلام کیا اور اسلام کو لوگوں نے علاوہ دیکھ بھی لیا چنانچہ یہ عبارت اسکی شاہد ہے (طبری صفحہ ۱۹۲۲) وقتادہ فقلنا انا المسلمون فقالوا ونحن المسلمون قلنا فما بال السلاح معكم قالوا لنا فما بال السلاح معكم قلنا فان كنتم كما تقولون فضعوا السلاح قال فوضعوها ثم صلينا وصلوا ہم لوگوں نے (خالد والوں میں تھے) کہا کہ ہم مسلمان ہیں مالک اور انکے ساتھیوں نے بھی کہا کہ ہم مسلمان ہیں، ہم نے کہا تو پھر یہ کیا بات ہے کہ تمہارے ساتھ تمہارے اسلحہ ہیں انھوں نے بھی ہم سے یہی سوال کیا، ہم نے کہا کہ اچھا اگر یہ بات ہے تو ہم سب اسلحہ کو اتار کے رکھ دیں چنانچہ انھوں نے اسلحہ اتار کر رکھ دیے اور ہم سب ملکے نمازیں پڑھیں۔ اب اس سے بڑھ کے اسلام کا ثبوت اور کیا ہوگا کہ ان کے اعمال گواہی دے رہے ہیں، لشکر گواہی دے رہا ہے اور خود حضرت عمر اس اسلام پر گواہ ہیں مگر پھر بھی قتل واقع ہوتا ہے اور مالک کی زوجہ خالد کے تصرف میں آتی ہے جو حسن میں اپنی آپ ہی نظیر تھی۔

بعد وفات رسول لشکر اسامہ کو روانہ کرتے ہوئے حضرت ابو بکر کی نصیحتیں رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرما کے لعن الله من تخلف عن جيش اسامة خدا اسپر لعنت کرے جو لشکر اسامہ کے ساتھ نہ جائے۔ دنیا سے رحلت فرمائی اور کچھ معاملات ایسے رونما ہوگئے کہ لشکر اسامہ باوجود رسول کے شدید اصرار کے بھی نہ جا سکا مگر بعد کو جب بیعت وغیرہ کے ضروری کاموں سے فراغت ملی تو رسول کے حکم کی تعمیل " مشتے بعد از جنگ " کی حیثیت سے حضرت ابو بکر نے فرمائی اور اسوقت حسب ذیل نصائح لشکریوں کو کیے فقال لا تخونوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا طفلا ولا شيخا كبيرا ولا امرأة ولا تعقروا نخلا ولا تحرقوه (کامل صفحہ ۱۲۷) تم لوگ خیانت نہ کرنا غدر نہ کرنا۔ کسی کو قتل کے بعد (باقی صفحہ ۴۱ پر)

جانتے تھے اور ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس کے حقیقی معنے سمجھتا اور کنایات کو اس وقت راہ نہ دیتا، اس کے ماسوا ابو قتادہ اور حضرت عمر نے کیوں نہ اس واقعہ پر یقین کر لیا اور کہا ہے کہ ابو قتادہ نے خالد کے ہمراہ جنگ نہ کرنے کا عہد کر لیا اور عمر نے خالد کو عدو اللہ کا لقب دیا، اور اسکے علاوہ حضرت ابوبکر نے خالد کے بچاؤ کے لئے خطائے اجتہادی کی سپر کیوں فراہم کی اور یہ کیوں فرمایا کہ ھیہ یا عمر انہ تاول فاخطأ اے عمر جانے دو خالد کو کچھ نہ کہو اس نے تاویل میں خطا کی تھی وغیرہ۔ جب اسلام اس درجہ واضح ہو تو مرتد کافر کیوں کہا جاتا ہے یہی نتیجہ کلام ہے اور اس سوال کا جواب صرف اس قدر ہے کہ چونکہ مالک وغیرہ نے حضرت ابوبکر کو خلیفۂ رسول نہ مانا تھا اس لئے ارتداد کی بھاری بیڑیاں جو اس کے سر کے ساتھ الگ ہوئیں، مالک کے پاؤں میں ڈالدی گئیں وہ حضرت ابوبکر کی صحابیت کو خالد اور اس کے لشکر سے منسوب کرتا تھا اور اپنی طرف نسبت نہ دیتا تھا چنانچہ وہ کہتا تھا کہ ما اخال صاحبکم الا وقد کان یقول کذا کذا قال او ما تعدہ لک صاحبا ثم قدمہ فضرب عنقہ۔

مالک خالد سے کہتا تھا کہ میں نہیں خیال کرتا ہوں مگر یہ کہ تمہارا صاحب (خلیفہ) یہ کہتا تھا اور یہ کہتا تھا اس پر خالد برہم ہوگئے اور کہا کہ کیا وہ تمہارا صاحب نہیں یعنی (مالک اور خلیفہ) اور مالک کی گردن اڑوا دی۔ درحقیقت یہاں صاحب سے سوائے ابوبکر کے کوئی اور مراد نہیں ہو سکتا، اور نہ مالک کی مراد اس کے سوا کچھ اور تھی۔

یہی وہ جذبہ تعصب ہے اور یہی وہ درس ماضی ہے جس پر آج کل بھی گروہِ اسلام کے اکثر افراد عامل ہیں اور ان کے نزدیک حضرات اہل تشیع مرتد اور کافر ہیں بلکہ ان کا ذبیحہ کھانا بھی حرام ہے اور ان کے ساتھ تمام اسلامی سلوک حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ کیوں تو صرف یہی جواب ہے کہ وہ لوگ خلافت حضرت ابوبکر کے قائل نہیں اور یہی بات مرتد ہو جانے کے لئے

تُرَاثِیْ نَهْبًا حَتّٰی مَضٰی

کہ میری میراث لٹ رہی ہے یہاں تک کہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰) اسکے جسم کو تکہ تکہ نہ کرنا بچے بڈھے اور عورت کو نہ قتل کرنا درخت خرمہ کو نہ اکھاڑنا نہ جلانا وغیرہ وغیرہ، یا تو یہ وصایا تھے کہ درخت خرمہ بھی نہ کھودا اور جلایا جائے اور یا مالک بن نویرہ اور اسکے ساتھیوں کا سر بجائے اینٹوں اور پتھروں کے دیگوں کے نیچے لگا کے آگ روشن کی جاتی ہے اور کسی بات کا خیال نہیں کیا جاتا وان اهل العسكر اثفوا برؤسهم القدور فما منهم راس الا وصلت النار الى بشرته ما خلا مالكا فان القدور نضجت وما نضج راسه من كثرة شعره .... الخ

(طبری صفحہ ۲۴۲ طبع مصر) خالد کے لشکر والوں نے مقتولین کے سروں کے چولھے بنا بنا کے دیگوں کو ان پر چڑھایا اور آگ روشن کی۔ سب کی جلدیں آگ کی حرارت سے جل گئیں مگر مالک کے بال اتنے زیادہ تھے کہ ان کی جلد بالوں کی وجہ سے محفوظ رہی۔ اس کے ماسوا بیعت سقیفہ کے بعد جب بنی ہاشم اور علی ابن ابیطالب کی بیعت کا ارادہ عمر نے کیا تب بھی گھر میں آگ دینے کا ذکر تھا اور اب تک یہ آواز گونجی ہوئی ہے قال عمر واللہ لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعۃ حضرت عمر نے کہا خدا کی قسم گھر میں آگ لگا دوں گا ورنہ بیعت کے لئے گھر سے نکلو (طبری صفحہ ۱۹۸ طبع مصر جلد سوم) پھر جب رسولؐ کا گھر قابل آتش زنی تھا تو مالک وغیرہ کی کیا حقیقت تھی، کاش اس وقت بھی حضرت ابوبکر اس احراق کے متعلق کچھ وصیت فرماتے۔

تقیہ کی ایک روشن مثال۔ جب مالک اور اس کے ساتھی جاڑے کی برفبار رات میں محبوس کئے گئے اور سردی نے انھیں قبل قتل ٹھنڈا کر دیا تو اس وقت مالک کے قتل اور اس کے شرکا کے قتل کے متعلق جس تاویلی تقیہ سے کام لیا جاتا ہے وہ قابل ذکر و لائق صد مضحکہ ہے۔ مورخین اور خالد پرست طبقے یہ لکھتے ہیں کہ جب رات میں سردی زیادہ پڑی تو خالد نے منادی کرائی کہ ادفئوا اسراکم اپنے اسیروں کو گرم کر دو یا گرمی پہونچاؤ، ظاہری معنے تو اس جملہ کے یہی ہیں مگر وہ لکھتے ہیں کہ لغت کنانہ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے اسیروں کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ لوگوں نے یہی سمجھا اور مالک اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ لہذا خالد کا اس میں کوئی قصور نہیں۔

چھٹرائے سے نہ چھوٹے گا ارے قاتل تیرے بن لڑکا ٭ وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبہ ہے کیچڑ کا

اگر یہ تھا تو ابو قتادہ نے خالد سے یہ کیوں کہا تھا کہ ھذا عملک خالد یہ تمہارا کام ہے۔ (طبری صفحہ ۲۴۲) اس کے ماسوا کیا وہ لشکر جو مدینہ سے خالد کے ہمراہ گیا تھا اس میں سب لغت کنانہ ہی

الاوّلُ لِسَبِيلِهٖ فَاَوْلٰى بِهَا

پہلا اپنی راہ لگا۔ اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱) کافی ہے۔ اس ارتداد کی وضاحت اور مرتد کا لقب منکر خلافت ابوبکر کو بزم سقیفہ کے بعد ہی مل چکا تھا۔ چنانچہ عمرو بن حریث نے سعید بن زید سے پوچھا تھا کہ تم رسولؐ کی موت کے دن موجود تھے کہا ہاں۔ کہا تو بیعت ابوبکر کس دن ہوئی کہا اسی دن جس دن رسولؐ نے وفات پائی کیونکہ لوگوں نے خیال کیا کہ بغیر خلیفہ کے رہنا ٹھیک نہیں، کہا تو کسی نے اختلاف تو نہیں کیا، جواب دیا کہ نہیں۔ بس اسی نے اختلاف کیا جو مرتد تھا یا عنقریب مرتد ہو جانے والا تھا (اس جواب نے انصار بنی ہاشم اور مہاجرین سب ہی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور سب کے سب ان آنکھوں میں مرتد نظر آتے ہیں۔ مترجم) طبری جلد سوم ص۲۰۱ طبع مصر

جو لوگ مرتد کہے جاتے ہیں وہ مسلمان تھے یا نہیں۔ اس کو ان کے عقائد سے جانچیئے چنانچہ اولاد عبد مناۃ کا بھی شمار مرتدین میں کیا گیا ہے اور دیگر قبائل کا بھی صرف اس لئے کہ وہ اس بیعت ابوبکر کے قائل نہ تھے اور نہ ان کو خلیفہ مانتے تھے یہ لوگ بنی بیان کہلاتے تھے ان کا اسلام اور ارتداد ان کے اس شعر سے معلوم ہو جائے گا۔

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا فیال عباد اللہ ما لابی بکر

ہم نے رسولؐ کی اطاعت جب تک وہ ہم میں زندہ رہے کی، مگر یہ ابوبکر کو کیا ہو گیا ہے ہم انکی اطاعت کیوں کریں۔ (طبری ص۲۱۳)

انصار و بنی ہاشم کا کیا ذکر اس بیعت سے مہاجرین بھی خوش نہ تھے۔ چنانچہ خود حضرت ابوبکر نے اس بات کا اقرار وقت وفات فرمایا ہے اور جب حضرت عمرؓ کو خلافت سپرد کی ہے، تو مہاجرین کے برتاؤ اور انکی اکراہ بیعت کے شکوے کئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ واللہ انی لشدید الوجع ولما القی منکم یا معشر المہاجرین اشد علی من وجعی انی ولیت امرکم ولست خیرکم فی نفسی فکلکم ورم انفہ ارادۃ ان یکون ہذا الامر لہ (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص۲۱ طبع مصر)

خدا کی قسم میں سخت کرب میں مبتلا ہوں اور اے گروہ مہاجرین وہ تکالیف جو مجھے تم سے پہونچی ہیں ان کا کرب اور انکی بے چینی میرے اس مرض موت کے کرب سے کہیں زائد ہے۔ میں تم پر حکمران ہوا (خلیفہ) (حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں تم سے بہتر نہ تھا) تو تم سب کو برا معلوم ہوا اور تم سب نے ناک بھوں چڑھائی اور غضبناک ہو گئے یہ اس لئے کہ تم میں کا ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ خلافت کا مالک بن بیٹھے۔ یہ تھی بیعت ارتداد و اجماع کی مختصر حقیقت کہ نہ اہل مدینہ میں اتفاق تھا اور نہ مدینہ کے باہر جو مسلمان تھے انکی رضا تھی نہ انصار کا گروہ ساتھ تھا نہ بنی ہاشم کا نہ مہاجرین کا اور نہ برضا و رغبت یہ بیعت عمل میں آئی۔

جاہلیت کا منظر اور وقت بیعت انصار و مہاجرین کی تو تکار۔ حباب بن منذر نے اختلاف کیا تو حضرت عمر نے کہا خدا تجھے قتل کرے حباب نے کہا مجھے نہیں خدا تجھے قتل کرے گا، حضرت سعد بن عبادہ نے جب اپنے کچلنے کی فریاد کی تو حضرت عمر نے کہا کہ اسے قتل بھی کر ڈالو۔ یہ منافق ہے، اسکے بعد سعد کے پاس گئے اور کہا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں اتنا کچلوں کہ تمہارا عضو عضو چور چور ہو جائے یہ سنتے ہی سعد نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ لی اور کہا کبھی گھمنڈ میں نہ رہنا اگر میرا بال بھی بیکا ہوا تو تمہارے منھ میں ایک دانت بھی نہ باقی رہیگا۔ (طبری ص۲۰۹ و ص۲۱۰ طبع مصر جلد سوم)

(معاذ اللہ یہ بیعت تھی کہ ہنگامہ رستاخیز اور عرصۂ محشر اس بیعت سے استدلال حقیقت سمجھنے کی بات ہے مترجم)

اور جناب عمر کی خلافت میں، جو پہلے سے تمہیدی مقدمات قائم کرتے ہوئے اور زمین سیاست کو ہموار کرتے ہوئے وجود میں لائی گئی) امتیاز تام نظر آئے
علامہ ابن میثم نے اس تمثل میں دو مطلبوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ایک تو یہی جو گزرا اور جس میں دوسروں کا حال عیش اور امیرالمومنین کی زحمتیں باوجود حقیت ظاہر ہوئی ہیں گویا اول حالت "یوم حیان" سے مطابق ہے اور دوسری حالت "یوم سفر" سے تعلق رکھتی ہے، دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اس شعر کو پڑھ کر عہد رسول اور عہدِ... کا موازنہ فرمایا ہو کیونکہ رسول کا عہد آپ کے لیے فوائد روحانی و جسمانی اور اظہار فضائل کے اعتبار سے "یوم حیان" کی شبیہ تھا اور رسول

جناب عمر کے استخلاف کا دلچسپ قصہ

جب حضرت ابوبکر اس دار فانی سے رحلت فرمانے لگے تو آپ نے اپنے کاتب کو بلوایا اور اس سے وصیت نامہ لکھوایا (یہ کاتب جو اس وقت لکھ رہے تھے حضرت عثمان بن عفان تھے جنکو حضرت عمر کے بعد خلافت ملی...... مترجم) وصیت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ "یہ عہد نامہ ہے عبداللہ بن عثمان یعنی ابوبکر بن قحافہ کا اس وقت جب کہ منزل دنیا ختم ہو رہی ہے، اور آخرت کی سرحد شروع ہو رہی ہے طرف....... اتنا لکھوانے کے بعد آپ کو غش آگیا اور کاتب یعنی حضرت عثمان نے بغیر اس کے کہ حضرت ابوبکر کچھ ارشاد فرمائیں یا انھیں غش سے افاقہ ہو فوراً عمر بن خطاب کا نام اپنی طرف سے لکھ دیا۔ جب ہوش آیا تو ابوبکر نے پوچھا کیا لکھا ذرا پڑھو چنانچہ عثمان نے پڑھا اور جو نام نامی عمر کا اپنی طرف سے عبارت میں بڑھا دیا تھا اس کو بھی پڑھ کے سنایا، ابوبکر نے کہا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں انھیں کا نام لکھوا تا اور انھیں کو خلافت سپرد کرتا۔ عثمان نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ آپ ان کے سوا کسی دوسرے کو نہ دیتے، فرمایا تم نے بہت درست کیا اور ٹھیک کیا اور اس معاملہ میں تمہاری رائے بہت صائب ہے، اسکے

۴۳

اِلٰی فُلَانٍ[1] بَعْدَہٗ ، ثُمَّ تَمَثَّلَ

فلاں (خلیفۂ ثانی) کو خلافت سپرد کر گیا (راحت و تکلیف میں بڑے فرق ہیں) پھر آپ نے

[1] "فادلی بھا الی فلان" نہج البلاغہ مطبوعہ مصر میں تو عبارت مذکورہ یہی ہے، مگر ابن ابی الحدید نے وقت شرح جس نہج البلاغہ سے بھی یہ خطبہ نقل کیا ہو، اسمیں "فلاں" کی جگہ جناب عمر کا نام کنیت کی حیثیت سے ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید طبع طہران کے صفحہ ۲ جلد اول میں عبارت مذکورہ یوں ہے " فادلی بھا الی ابن الخطاب بعدہ"
اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے یہ شعر اعشی پڑھا ہے

شتان مایومی علی کورھا ویوم حیان اخی جابر

اعشی کبیر، ابوبصیر میمون بن قیس بن جندل کے قصیدہ کا یہ ایک شعر ہے اور اس کا قصیدہ مشہور جو اُسے علقمہ بن علاثہ اور عامر بن طفیل کی منادمت شراب کے متعلق کہا ہے یہ ہے ــــ مطلع قصیدہ

علقم ما انت الی عامر الناقض الاوتار والواتر کہتے کہتے یہ شعر کہا

شتان مایومی علی کورھا ویوم حیان اخی جابر

حیان شراب نوشی میں اعشی کا ندیم تھا اور اس کا چھوٹا بھائی "جابر" کے نام سے پکارا جاتا تھا یہ دونوں بنی حنیفہ سے تھے اور سمین بن عمرو کے بیٹے تھے حیان صاحب قلعہ تھا اور یمامہ میں سردار و حکمراں تھا، نہایت چین سے زندگی بسر کرتا تھا اور سفر کو جانتا ہی نہ تھا نہ اس کی تکالیف سے واقف تھا اسی نعمت کا مقابلہ تکلیف سفر سے اس کے ندیم اعشی نے کیا ہے۔

جب یہ شعر اعشی نے کہا اور حیان نے سنا تو کہا کہ کیوں اعشی تم نے مجھے میرے چھوٹے بھائی جابر کی طرف منسوب کیا اور بجائے اس کے کہ تم "جابر اخی حیان" کہتے "حیان اخی جابر" کہا (چونکہ اس نسبت میں جو چھوٹے کی طرف تھی ایک قسم کی ذلت محسوس ہوتی تھی اس لئے اعشی پر اعتراض ہوا۔ مترجم) اعشی نے جواب دیا کہ بھائی یہ بات نہیں بلکہ چونکہ میرا قصیدہ رائیہ ہے، اور اس کے قوافی اور اس کی "روی" "حرف را" سے مقید ہے اور یہ تمہارے نام میں نہیں تمہارے بھائی کے نام میں ہے، لہذا "جابر" کی طرف تمہیں نسبت دینے میں، میں مجبور تھا" مگر حیان کو یہ بات بہت بری لگی اور اس نے اعشی کی منادمت ترک کر دی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے اس موقع پر اس شعر کو اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ راحت و کلفت میں فرق نظر آجائے اور آپ کی خلافت میں (جس میں اختلاف عن الحق کیا گیا اور تقویت باطل کی گئی)

نے نہیں کیا وہ میں کیونکر کروں اور یا یہ کہ ابوراؤ کہ باوجود اس کے کہ حضرت ابوبکر اپنے زعم میں جانتے تھے کہ رسول نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا چنانچہ آپ کی تمناؤں میں، جن کا بیان اوپر ہو چکا یہ امر بھی شامل کاش رسول سے اس امر خلافت کے متعلق پوچھ لیتے کہ کس کا حق ہے، پھر بھی آپ نے اپنی رائے سے خلافت سپرد ہی کردی۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ (مترجم) (ازخلافت ابن ابی الحدید صفحہ ۳۳ طبع طہران جزو اول) کامل صفحہ ۱۹۳ طبع مصر جلد دوم۔

علامہ دینوری ابن قتیبہ نے اس واقعہ کو لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ جب اس استخلاف کی خبر مہاجرین کو معلوم ہوئی تو وہ لوگ انصار سمیت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم لوگوں نے سنا ہے کہ آپ نے ہم پر عمر کو خلیفہ مقرر کیا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ ان کے حرکات آپ کی زندگی میں کس قدر ہلاکت خیز اور دل آزار ہوتے رہے ہیں چہ جائیکہ آپ کے مرنے کے بعد جبکہ آپ کا رخ آخرت کی طرف ہوگا، ایسی صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟ ابوبکر نے کہا جی کہ میں نے اپنے یقین و گمان کے مطابق بہترین شخص کو تم پر خلیفہ بنایا ہے، پھر آپ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کام کو میں تم پر چھوڑ دوں اور دوٹ سے تم لوگ خود کسی کو امیر بنا لو (جیسا کہ پہلے ہوا) اور یا تم مجھ پر چھوڑ دو اور میں تمہارے لئے بہترین رائے دوں اور سعی بلیغ اس معاملہ میں کروں، لوگوں نے کہا تو آپ ہی لیا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا میں کوشش کرونگا اور سوچوں گا۔ یہ لوگ رخصت ہو گئے اور ادھر حضرت ابوبکر نے عمر کو بلایا اور کہا کہ سنا میں نے جانچ لیا کہ بہت سے لوگ تم سے محبت کرتے ہیں اور بہت سے دشمنی رکھتے ہیں اور یہ تو ہوتا ہی آیا ہے اور زمانہ کا قاعدہ ہے کہ وہ شر کو محبوب رکھتا ہے اور خیر کو دشمن رکھتا ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے خلافت کی ضرورت نہیں اور نہ میں لوں گا۔ ابوبکر نے کہا کہ گو خلافت کو تو آپ کی ضرورت ہے

بِقَوْلِ الْأَعْشٰی) شعر

اعشٰی کا یہ شعر پڑھا (جسکے معنی حسب ذیل ہیں اور جو مناسب مقام تھا)

شَتَّانَ مَا يَوْمِيْ عَلٰى كُوْرِهَا

ان دونوں دنوں میں بڑے فرق ہیں ایک وہ دن اور ہر جب میں اپنے ناقہ کی پشت پر ہوں

وَيَوْمُ حَيَّانَ اَخِيْ جَابِرٍ

اور سفر کر رہا ہوں اور وہ دن اور ہر جب میں حیان (نام ہے) کے پاس فارغ البالی سے بسر کروں کیونکہ پہلے میں بیحد تکلیف ہے اور دوسرے میں راحت ہی راحت ہے

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۳) بعد آپ نے وصیت نامہ کو مکمل کرا دیا اور پھر دوران تحریر میں آپ پر غش نہیں طاری ہوا حالانکہ ایک طویل عبارت لکھوانی پڑی۔

(حضرت عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے سعی بلیغ فرمائی، حضرت ابوبکر نے وصیت نامہ کے رو سے حضرت عمر کے احسانات کا بدلہ دیا۔ حضرت عثمان نے اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام وصیت نامہ میں ڈال دیا اور یوں مدد عمر کی اور اپنا حق قائم کیا، وہ یہ کہ نام ہی سہی، جس کا نتیجہ انھیں اپنے عہد میں مل گیا اور وہ خلیفہ ثالث بن گئے۔ مترجم) جب وصیت نامہ تیار ہو گیا تو اصحاب نبی پہونچے ان میں حضرت طلحہ بھی تھے۔ آپ نے ابوبکر سے کہا کہ کیوں ابوبکر ”کل خدا کو کیا جواب دو گے۔ حالانکہ تم نے ہم لوگوں پر ایک ایسے شخص کو امیر و خلیفہ بنایا ہے جو نہایت سنگدل اور شقی القلب ہے جس سے لوگ بھاگتے ہیں اور قلوب متنفر رہتے ہیں۔“

یہ سن کر ابوبکر نے کہا کہ ذرا مجھے اٹھا کے بٹھا دو جب اٹھائے گئے تو طلحہ سے جھلا کے کہا تو مجھے خدا سے ڈراتا ہے، اگر مجھ سے خدا پوچھے گا تو میں صاف کہوں گا کہ میں نے اپنے نزدیک بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ طلحہ نے کہا تو عمر آپ کے نزدیک بہترین مردم ہیں؟ اس پر آپ کا غصہ اور بڑھا اور فرمایا، ہاں ہاں اے طلحہ عمر بہترین مردم ہیں اور تو بدترین ہے، تو یہ چاہتا ہے کہ مجھے اپنی رائے اور اپنے دین سے برگشتہ کر دے دور ہو جا میرے پاس سے خدا تیرے پاؤں کی طاقت سلب کرے اور تجھ میں اٹھنے کی قوت نہ باقی رہ جائے، خدا کی قسم اگر میں لمحہ بھر بھی زندہ رہا اور یہ میں نے سنا کہ تو نے عمر کا نام بری طرح سے لیا تو وہ مزہ چکھاؤں گا کہ تو بھی یاد کرے گا (ہاں تو یہ احتیاط تھی کہ جمع قرآن کے مسئلہ میں حضرت ابوبکر کا قدم آگے نہیں بڑھتا تھا صرف اس لئے کہ جو کام رسول

فَيَا عَجَبًا بَيْنَا هُوَ يَسْتَقِيلُهَا

بڑا تعجب ہے ! ! تو وہ (خلیفۂ اول) اپنی زندگی ہی میں اپنی

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۴) یہ کہکے آپ نے وہ عہد نامہ اور وصیت نامہ دیا اور کہا کہ لیکے جاؤ اور گردش کرو اور لوگوں کو سناؤ کہ یہ میرا عہد نامہ ہے، اس پر کون کون راضی ہے، چنانچہ عمر لیکے نکلے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ کیوں عمر اس وصیت نامہ میں کیا ہے، آپ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہے مگر جو کچھ بھی اسمیں ہو چونکہ وہ حضرت ابوبکر کا وصیت نامہ ہے، لہذا میں راضی ہوں، اس شخص نے جواب دیا کہ اگر تمہیں نہیں معلوم ہے تو مجھے معلوم ہے کہ اس میں کیا ہے، سنو پہلے سال تم نے ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا تھا اور اس سال وہ تمہیں خلیفہ بنائے دیتے ہیں (خدا معلوم حضرت عمر نے مفہوم وصیت نامہ کے عدم علم کا کیوں اقرار فرمایا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ اس میں کیا ہے، نیز یہ بھی کہ آپ نے گفتگو میں یہ فرمایا تھا کہ مجھے خلافت کی ضرورت نہیں۔ اب یہ فرمایا کہ جو کچھ اس میں ہے اس پر میں راضی ہوں بہرحال یہی وہ مقامات ہیں جہاں نہ جھوٹ سے ایسے عظیم المرتبہ شخص کو نسبت دیجا سکتی ہے نہ تقیہ سے۔ مترجم) الامامۃ ص ۲۲-۲۳ طبع مصر)

جس طرح حضرت ابوبکر کی بیعت پر مہاجرین وغیرہ کی ناراضی تھی ویسی ہی حضرت عمر کی خلافت پر بھی اختلاف تھا۔ مہاجرین نے جو گفتگو آگے حضرت ابوبکر سے کی تھی اس سے انکی ناراضی اس معاملہ میں ظاہر و روشن ہے، رہ گئے اور لوگ انکے بھی اقوال سے عدم رضا ظاہر ہوتی ہے اور اہل شام تو سب کے سب خلاف تھے۔ کیونکہ جب انھیں مرض ابوبکر کی خبر ذرا دیر میں پہونچی تو انھوں نے کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ ابوبکر مر گئے ہوں اور عمر خلیفہ بنا دئے گئے ہوں اگر ایسا ہوا تو ہم تو انھیں اپنا صاحب اور اپنا والی کبھی بھی نہ تسلیم کرینگے اور پوری طاقت سے انھیں معزول کر دینگے یہ خیال کر کے ایک شخص کو خبر لینے کے لئے بھیجا وہ عمر کے پاس آیا چونکہ بہت دنوں سے شام والوں کی کچھ خبر حضرت عمر کو نہ تھی لہذا اس سے پوچھا کہو کیا رنگ ہے اس نے کہا الناس سالمون صالحون وھم کارھون لولایتک ومن شرک مشفقون لوگ صحیح و سالم ہیں مگر آپ کی خلافت کو بُرا جانتے ہیں اور آپ کے شر سے ڈرتے ہیں اور مجھے اس کی تحقیق کے لئے بھیجا ہے (الامامہ ص ۲۳ طبع مصر)

ایک اور قابل غور بات۔ مجلس شوریٰ جو حضرت عمر کی قائم کردہ تھی اور جس کا تذکرہ آئندہ آئیگا ان میں جو لوگ بنابر مصالح چنے گئے تھے وہ وہی تھے جن سے ہر پھر کے ہر خلافت سے تعلق رہا

انھیں سے بعض دو دو ہوں یا سب کے کل چنانچہ خلافت اول میں حضرت عمر اور ابو عبیدہ نظر آتے ہیں اور خلافت ثانوی میں عبد الرحمن بن عوف ابوبکر اور حضرت عثمان بن عفان دکھائی دیتے ہیں اور خلافت ثالثہ میں وہ تمام لوگ یکجا کر دئے جاتے ہیں جو خلافت کو چاہتے تھے اور جنھوں نے اختلاف سے کام لیا تھا اور جن سے اب بھی اختلاف شدید کا اندیشہ ہے۔

جب حضرت ابوبکر مرنے لگے تو آپ نے عبد الرحمن بن عوف کو بلایا اور پوچھا کہ عمر تمہارے نزدیک کیسے ہیں کہا بہتر تو ہیں مگر یہ کہ انکے مزاج میں سختی اور شدت بہت ہے، ابوبکر نے کہا یہ تو اس لئے ہے کہ میں نرمی کیا کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ خلافت جب ان تک پہونچ جائے گی تو وہ بہت سی باتیں غالباً چھوڑ دیں گے، میں نے تو انھیں دیکھا ہے کہ جب میں زمانہ خلافت میں کسی شخص پر غضبناک ہوا تو وہ اس سے راضی دکھائی دیئے اور جب میں کسی سے نرم ہوا تو وہ اس پر غضبناک دکھائی دئے۔ پھر آپ نے عثمان بن عفان کو بلایا اور پوچھا کہ عمر تمہارے نزدیک کیسے ہیں انھوں نے کہا کہ میرے نزدیک ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں تو ان کا ایسا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آتا، جب دونوں کی رائے سن چکے تو کہا اچھا اسکا خیال رکھنا کہ جو گفتگو اس وقت میں نے تم سے کی ہے یہ کسی پر ظاہر نہ ہو اور اسے پوشیدہ رکھنا۔ (کامل جلد ۲ ص ۱۶۳ طبع مصر۔ طبری ص ۵۱ و ص ۵۲)

(یہ سبق عبد الرحمن بن عوف کو یاد رہا اور مجلس شوریٰ کی کاروائی کے بعد انھوں نے جو علیحدہ علیحدہ لوگوں سے گفتگو کی جس کے بعد عثمان کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی اس میں بھی آپ نے ہر شخص سے کہا تھا کہ اس گفتگو کو اپنے ہی تک رکھنا کسی سے ظاہر نہ کرنا ——— ان باتوں کی گہرائیوں کو ارباب بصیرت خوب سمجھ سکتے ہیں۔ مترجم)

فِیْ حَیَاتِہٖ[۱] اِذْ عَقَدَھَا لِاٰخَرَ بَعْدَہٗ

لغزشوں سے سنبھلنے کیلئے دوسروں کی مدد چاہتے تھے۔ یا یہ ہوا کہ وہ خلافت کو اپنی موت کے بعد دوسرے کیلئے

[۱] حضرت ابوبکر نے بعد استخلاف اپنی بے بضاعتی اور کمزوریوں کا اقرار ضرور کیا خواہ وہ آپ کا انکسار رہا ہو یا حقیقت امر ہو چنانچہ جب پہلا خطبہ آپ نے پڑھا ہے تو اس میں فرمایا ہے وما انا الا کاحدکم فاذا رأیتمونی قد استقمت فاتبعونی وان زغت فقومونی واعلموا ان لی شیطانا یعتریٰنی احیانا۔ (ابن قتیبہ صفحہ ۱۹ طبع مصر، طبری صفحہ ۲۱۱ جلد سوم، بالفاظ مختلف و معانی متحد کامل ابن اثیر صفحہ ۱۲۹ جلد دوم طبع مصر) میں تم ہی ایسا ایک آدمی ہوں اگر تم دیکھو کہ میں سیدھی راہ پر جا رہا ہوں تو میری پیروی کرو اور اگر دیکھو کہ میں ٹیڑھا ہوا یا بھٹکا تو تم مجھے سیدھا کرو اور ٹھیک راستہ پر چلاؤ، اور یہ بھی جانے رہو کہ کبھی کبھی میرے سر پر شیطان سوار ہو جایا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اسی مطلب کی طرف اپنے اس فقرہ میں ارشاد فرمایا ہے اور اپنا تعجب ظاہر کیا ہے کہ یا تو یہ حالت کہ انھیں خود اپنی گمراہی کا اندیشہ تھا اور دوسروں سے وہ اپنی لغزشوں میں مدد مانگتے تھے اور یا یہ اعتبار اپنے اوپر پیدا ہوا کہ خلافت بغیر مشورہ غیرے عمر کو سپرد کر گئے۔ تعجب یوں پیدا ہوا کہ ابوبکر کے اختلافات کلامی عجب انداز کے ہیں۔ اقوال کچھ اور ہیں افعال کچھ اور ہیں ایک کو دوسرے سے کوئی لگاؤ نہیں کبھی آپ خلافت کے بار کو عظیم سمجھتے ہوئے اس سے کراہیت کا اظہار فرماتے ہیں وایم اللہ ماحرصت علیھا لیلا ولا نھارا ولا سالتھا اللہ قط فی سر ولا علانیۃ ولقد قلدت امرا عظیما مالی بہ طاقۃ ولا یدان ولوددت ان اقوی الناس علیہ مکانی .... ولوددت انہ بعضکم کفانیہ (الامامۃ صفحہ ۱۵، طبری و کامل خطبہ آنجناب) خدا کی قسم میں نے خلافت کے لئے کبھی حرص نہیں کی اور نہ خدا سے کبھی اس کے لئے دعا کی درحقیقت ایک عظیم کام میرے سپرد کیا گیا ہے جس کے اٹھانے کی طاقت مجھ میں نہیں اور بغیر اس کے چارہ بھی نہیں میں تو یہ چاہتا تھا کہ میری جگہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو مجھ سے قوی ہوتا اور اس بار کو اٹھا لیتا اور میری یہ دلی خواہش تھی کہ تم میں سے کوئی میری جگہ ہوتا۔

ان اقوال پر نظر کیجئے اور سقیفہ کی کارروائی پر انصار و مہاجرین و بنی ہاشم کے جھگڑے پر، ہاتھاپائی پر، تلواروں کے کھنچ جانے پر اور گالی گلوچ پر اور آپ کے خلیفہ ہو جانے پر اور پھر یہ بھی سنئے کہ وایم اللہ ماحرصت علیھا خدا کی قسم مجھے خلافت کی لالچ کبھی اور کسی وقت بھی نہیں ہوئی۔

یہ بھی فرماتے ہیں کہ واللہ لئن یقدم احدکم فتضرب عنقہ فی غیر حد خیر لہ من ان یخوض غمرات الدنیا (ابن قتیبہ وغیرہ صفحہ ۲) اگر تمھاری گردن بغیر کسی جرم کے اڑا دی جائے تو وہ مصیبت اس سے بہتر ہے کہ دنیا کی طوفانی گہرائیوں میں گھر و۔ اور پھر حضرت عمر کے لئے خلافت کا عہدنامہ بھی لکھتے ہیں۔ مرتے وقت اپنی لغزشوں کا

اقرار اور اس پر رنج کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔ اپنے عدم علم کے بھی معترف ہیں اور پھر خود ہی خلافت کا بار اٹھایا اور دوسروں کو بھی سپرد کئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں واللہ ما اٰسی الا علی ثلاث فعلتھن لیتنی کنت ترکتھن وثلاث ترکتھن لیتنی فعلتھن وثلاث لیتنی سالت رسول اللہ عنھن و اما اللاتی فعلتھن ولیتنی لم افعلھن فلیتنی ترکت بیت علی وان کان اعلن علی الحرب ولیتنی یوم سقیفۃ بنی ساعدۃ کنت ضربت علی ید احد الرجلین ابی عبیدۃ او عمر فکان ھو الامیر وکنت انا الوزیر ولیتنی حین اتیت بالفجاءۃ السلمی اسیرا انی قتلتہ ذبیحا او اطلقتہ نجیحا ولم اکن احرقتہ بالنار (الامامۃ صفحہ ۲۱ و طبری صفحہ ۵۲-۵۳ وغیرہ) خدا کی قسم مجھے کسی بات پر رنج نہیں مگر تین چیزوں کے لئے غمگین ہوں جن کو میں نے کیا اور کاش نہ کرتا اور تین باتیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہ کیا کاش کرتا اور تین باتیں ایسی ہیں کہ جن کو کاش میں رسول سے پوچھ لیتا۔ رہ گئیں وہ تین باتیں جن کو نہ کرتا تو بہتر تھا وہ یہ ہیں (۱) اے کاش میں علی کے گھر کو چھوڑ دیتا (اور بیعت کے لئے ان پر جبر نہ کرتا اور جو کچھ طوفان برپا ہوا نہ ہوتا) چاہے نوبت جنگ ہی کیوں نہ آ جاتی (۲) کاش میں سقیفہ بنی ساعدہ کے دن ابوعبیدہ یا عمر کی ہاتھ پر بیعت کر لیتا، وہ امیر ہوتے اور میں وزیر ہوتا (پھر آپ کو کس نے روکا تھا مترجم) (۳) کاش فجارہ سلمی جب میرے پاس اسیر ہو کے آیا تھا تو میں اسے قتل کر ڈالتا یا رہا کر دیتا، مگر اسے آگ سے نہ جلاتا۔ واما اللاتی ترکتھن ولیتنی فعلتھن حین اتیت بالاشعث بن قیس اسیرا انی قتلتہ ولم استحیہ فانی سمعت منہ واراہ انہ لا یری شرا الا اعان علیہ و لیتنی الخ...... واما اللاتی کنت اودانی سالت رسول اللہ عنھن فلیتنی سالتہ لمن ھذا الامر من بعدہ فلا ینازعہ فیہ احد ولیتنی کنت سالتہ عن میراث بنت الاخ والعمۃ الخ وہ چیزیں جو میں نے نہیں کیں اور جن کے نہ کرنے پر افسوس ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ میں نے اشعث بن قیس کو جب

وَفَنَا ئِہٖ لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَیْہَا ؎

… یکے بعد دیگرے (خلافت کے) تھن کس بری طرح اپنے اپنے حصہ میں مضبوط کر گئے

(بقیہ صفحہ ۴۶) وہ قید کرکے میرے سامنے لایا گیا تو میں نے قتل کرا دیا اور کیوں زندہ رکھا کیونکہ میں نے سنا ہے اور دیکھا بھی کہ وہ ہر گمراہی اور شر میں حصہ لیتا ہے اور باطل کی مدد کرتا ہے۔ (اشعث بن قیس منافق تھا اور حضرت ابوبکر نے اپنی بہن اس کو بیاہ دی تھی امیر المومنین نے اسے "منافق ابن کافر" کے لقب سے یاد کیا ہے مترجم) اور کاش میں رسول سے پوچھ لیتا کہ آپ کا خلیفہ کون ہوگا تاکہ اس امر خلافت میں کوئی پھر جھگڑا نہ کرتا (اگر خلافت پر دین کا دارومدار تھا تو رسول نے اپنے جانشین کو ضرور بتایا ہوگا کیونکہ کمال دین اور اتمام نعمت کے بعد دین میں اتنا واضح نقص نہیں رہ سکتا، رہ گیا آپ کا پوچھنا وہ ناممکن تھا کیونکہ یہ خوف کہ کہیں دوسرا منصوص نہ ہو جائے آپ کا ہر سبب بنا ہوا تھا۔ مترجم) اور کاش میں رسول سے یہ بھی پوچھتا کہ بھائی کی بیٹی اور پھوپھی کی میراث کیا ہے کیونکہ اس مطلب میں مجھے شک ہے۔

ان واقعات حسرت آمیز سے صریحی ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر سے دوران خلافت میں فاش غلطیاں اور عظیم لغزشیں ہوئیں جس پر مرتے دم تک کف افسوس ملتے رہے نیز یہ بھی کہ آپ مسائل فقیہہ سے ناواقف تھے اب بعد ناواقفیت دوران خلافت میں شرع محمدی پر عمل کیونکر کیا جاتا تھا اسے خدا ہی جانے، بہرحال اپنی لغزشوں کا آپ کو اعتراف ہے اور یہ سب اس لئے ہوا کہ حکم الٰہی کے مطابق خلافت کے معاملہ میں عمل درآمد ہو سکا ورنہ یہ لغزشیں ناممکن تھیں۔ ان غلطیوں کے واقع ہو جانے کے بعد امیر المومنین کے خطبہ کے اس فقرہ پر ھو یستقیلھا فی حیاتہ محمد بن عبدہ شارح نہج کا یہ نوٹ لکھنا کہ اقیلونی مجھے سنبھالو، یہ ابوبکر نے نہیں کہا تواضع نفسی سے زیادہ وقیع نہیں اور ان ایسے پڑھے لکھے آدمی سے سخت تعجب ہے، اچھا اگر اقیلونی سے انکار ہے تو *اذا زغت فقوّمونی* جب میں ٹیڑھا ہوں تو مجھے سیدھا کر دو کا تو اقرار واضح ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہے بلکہ زیغ کا عیب عثرہ اور لغزش سے کہیں زیادہ ہے

؎ خلافت کے لئے ناقہ کے تھن کا استعارہ بہترین ہے۔ اور سوا دہن امامت کے یہ تشبیہ کہیں درج نہ ہو سکتی تھی اس میں تلمیحات بھی ہیں کنایات بھی ہیں تشبیہات بھی ہیں استعارات بھی، اصل میں ایک تھن میں چار دودھ ہوتے ہیں دو آگے اور دو پیچھے یہ چاروں دو پر تقسیم ہوتے ہیں اور ہر ایک ان میں کا "خلف" کہا جاتا ہے "تشطرا" یکے بعد دیگرے دوہنے کو کہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ خلافت کے تھن کو کس بری طرح اپنے اپنے عہد میں ان دونوں نے نچوڑا اور تمام و کمال اس کے مالک رہے اور ایک نے ایک کو مالک و خلیفہ بنا دیا اور دوسرے نے دوسرے کیلئے سعی و کوشش کی۔

اس استعارہ کا لطف اس وقت اور حاصل ہوتا ہے جب حضرت ابوبکر کے واقعات قبل اسلام پر نظر ڈال جائے اور آپ کے پیشہ تواضع اندیشہ پر نگاہ ڈالی جائے یعنی ایک زمانہ وہ تھا جب آپ قبیلہ کی اونٹنیوں اور بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے اور یہی آپ کا ذریعۂ رزق اور وسیلہ اکتساب معاش تھا وکان یحلب للحی اغنامھم فلما بویع لہ بالخلافۃ قالت جاریۃ من الحی الآن لا تحلب لنا منائح دارنا فسمعھا ابوبکر فقال بلی لاحلبنھا لکم آپ قبائل کی بکریوں اور بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے جب آپ خلیفہ ہوگئے تو ایک لڑکی نے آپ سے کہا کیوں؟ اب آپ ہماری بھیڑوں کا دودھ نہ دوہیں گے آپ نے فرمایا یقیناً میں ایسا کروں گا (طبری ص۵۳ جلد چہارم طبع مصر، کامل ص۱۶۳ جلد دوم طبع مصر)

اپنے بھائی کی موت پر رو رہی تھی واول من ضرب عمر بالدرۃ ام فروۃ بنت ابی قحافۃ مات ابو بکر فناح النساء علیہ وفیھن اختہ ام فروۃ فنھاھن عمر مراراً وھن یعاودون فاخرج ام فروۃ من بینھن وعلاھا بالدرۃ فھربن وتفرقن (ابن ابی الحدید ص۶۰) سب سے پہلے حضرت عمر نے کوڑے کی مار ام فروہ حضرت ابوبکر کی بہن کو

فَصَيَّرَهَا فِي حَوْزَةٍ خَشْنَاءَ يَغْلُظُ

(خلافت کو دوسرے کے سپرد کر کے) ایک ایسے سخت و صعب مقام میں ڈال دیا ہے جہاں اسکے زخم گہرے ہوتے جاتے

ــه خلافت ابوبکر نے عمر کے سپرد کی اسکے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ اس سخت درشت اور سنگ خمیر کے سپرد کر گئی ہے کہ اللہ تیری پناہ حضرت عمر اپنی قساوت قلب میں شہرۂ آفاق تھے اور آپ کی سنگدلی مشہور تھی اسی کی وجہ سے مہاجرین و انصار کو ابوبکر سے شکوہ پیدا ہو گیا تھا کہ انھوں نے ایسے سخت مزاج اور سنگ طینت کو خلافت کیوں سپرد کی اور حضرت طلحہ نے آکے کہا تھا ولیت علینا فظا غلیظا (ابن ابی الحدید ص۳۲) تم نے ہم پر ایک ایک تند خو کو خلیفہ بنا دیا انصار و مہاجرین نے کہا قد عرفت وعلمت بوائقہ (الامامۃ ص۱۹) تم نے عمر کی طبیعت اور بدمزاجی کو جانتے ہوئے ہم پر خلیفہ مقرر کیا یا طلحہ کا یہ کہنا استخلفت علی الناس عمر وقد رایت ما یلقی الناس منہ وانت معہ وکیف بہ اذا خلا بھم (کامل ص۱۹۳) تم نے عمر کو ہم پر خلیفہ مقرر کیا اور تم انکی سختیوں اور بدمزاجیوں سے واقف ہو یہ حال ان کا ہے جب تم دنیا میں ہو تو تمہارے بعد کیا ہوگا جناب باری نے بھی اس صفت تند خوئی اور بدسرشتی کو نہیں پسند کیا بلکہ اسکے مقابلہ میں خوش خلقی کو ترجیح دی ہے جو زینت انسانیت ہے اور اپنے رسول کی مدح انک لعلی خلق عظیم سے فرمائی ہے اور تند خوئی کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک الایۃ اگر اے رسول تم سخت دل اور تند خو ہوتے تو یہ مجمع عرب جو تمہارے گرد نظر آتا ہے کب کا منتشر ہو گیا ہوتا اور تمہارے پاس سے بھاگ گیا ہوتا جس سے ظاہر ہوا کہ وہ صفت انسانیت جو لپ لباب اور اصل تھی وہ لطافت اور طلاقت تھی مگر بر خلاف اسکے حضرت عمر میں جو خلیفہ رسول تھے وہ رسول جو خلق عظیم پر تھا یہ صفت بدمزاجی اور قساوت قلبی بدرجۂ اتم موجود تھی جس سے ہر شخص دہائی دیتا ہوا نظر آتا ہے اگرچہ میدان جنگ میں آپ کبھی اس صفت کو کام میں نہ لائے مگر مقام صلح میں ہر لمحہ اور ہر وقت اسی صفت پر آپ کی سیاست کا دار و مدار تھا۔ کبھی خالد ابن ولید آپ کی تند خوئی کے شکار تھے تو کبھی آواز رسول آپ کی سخت کلامی کی زیر بار تھی یہاں تک کہ خدا کو آیۂ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی " اپنی آوازیں رسول کی آواز پر نہ بلند کرو" نازل کرنا پڑا کبھی آپ کا کوڑا اھیب من سیف الحجاج حجاج کی تلوار سے زیادہ خطرناک اور ہیبتناک دکھائی دیتا تھا اور کبھی آپ کی تجسس نگاہی آپ کے لئے سبق آموز آیات ہوا کرتی تھی کبھی اس مزاج سے مرد مالاں نظر آتے تھے کبھی عورتیں فریادی دکھائی دیتی تھیں چنانچہ ابوبکر کا جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہ نے نوحہ خوان عورتوں کو آپ کے اوپر رونے کے لئے دعوت دی تو آپ نے کوڑوں سے انھیں مارا اور مجمع کو اپنی ہیبت سے منتشر کر دیا خود ام فروہ ہمشیرہ جناب ابوبکر کو اسی رونے پر آپ نے کوڑے سے مارا جن کا صرف یہ قصور تھا کہ وہ

ماری جب ابوبکر مر گئے تو عورتیں بین
روئیں عمر نے کئی بار منع کیا جب یہ
نہ تو آپ نے اس مجمع سے ام فروہ کو نکالا اور
کوڑا لگا کر مارنا شروع کیا جس سے
خوفزدہ ہو کر تمام عورتیں بھاگ گئیں
رسول اللہ کا انتقال جب ہو گیا تب
بھی آپ رسول کی موت کے قائل نہ تھے
اور موت آپ کا عقیدہ رسول کے لئے
وہ تھا جو یہودیوں کا جناب موسیٰ کے
لئے تھا آپ فرماتے تھے کہ رسول
آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے اور خدا سے
ملنے گیا ہے چالیس دن کے بعد پھر واپس
ہوگا … ہیں وہ لوگ جو رسول
کی موت کے قائل ہیں حالانکہ حضرت
ابوبکر بھی اس گروہ میں شریک تھے جو
وفات رسول پر ایمان لائے ہوئے تھے
آپ فرماتے تھے اگر کسی نے بھی منہ سے
نکالا کہ رسول کا انتقال ہو گیا ہے تو
اس … ڈالوں گا کوڑے سے اسکی
خبر لی جائے گی اس واقعہ کو قریب قریب
ہر مورخ نے بیان کیا ہے کبھی تو آپ
آلات حرب … دکھاتے تھے اور کبھی ہاتھ
پاؤں کاٹ ڈالنے کو فرماتے تھے چنانچہ
ابن ابی الحدید ص۲۳ کامل اور طبری
ص۱۹۰ پر یہ واقعات تفصیلی حیثیت سے
درج ہیں۔ یہ باتیں آپ کی درشتی مزاج
کی وجہ سے اور سیاست خاصہ کی وجہ سے
رونما ہوتی تھیں ورنہ در حقیقت آپ کو
بھی موت رسول کا یقین تھا البتہ
اسوقت غم کا اثر بقول بعض مورخین
اتنا تھا کہ آپ اپنے حواس میں نہ تھے
صحیح میں ہے کہ رسول اللہ کے پاس
آپ کی عورتیں تھیں جو زور زور بول رہی تھیں اور شور مچ رہا تھا اتنے میں آپ پہنچ گئے تو وہ سب کی سب اٹھ کے بھاگ گئیں تو آپ نے فرمایا کہ اے اپنی جانوں سے دشمنی رکھنے والیوں ہم سے ڈر گئیں اور رسول سے بالکل نہیں ڈرتیں تو عورتوں نے کہا کہ آپ چونکہ بہت قسی القلب اور درشت مزاج ہیں اسلئے ہم آپ سے ڈرتے ہیں

كُلَامُهَا وَيَخْشُنُ مَسُّهَا، وَيَكْثُرُ

ہیں (اور ہاتھ لگا یا نہیں جاتا) (آئندہ) بڑی سخت اور بہت زیادہ لغزشیں اس میں

الْعِثَارُ فِيهَا، وَالْاِعْتِذَارُ مِنْهَا

ہونگی اور ہوں گی سلے اور اسکے بارے میں بہت سے عذر کئے جاتے رہیں گے (جاتے رہینگے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) وفی الصحیح ان نسوۃ کن عند رسول اللہ قد کثر لغطھن فجاء عمر فھربن فقال لھن یا عدیات انفسھن اتھبنی ولا تھبن رسول اللہ فقلن نعم انت اغلظ وافظ (ابن ابی الحدید ص‍ ۳ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث بھی نظر سے گزری ہے جسمیں صاحب نظافت (تند مزاج) کو جنت سے محروم کر دیا گیا ہے۔

درحقیقت یہ صفت حضرت عمر میں اپ کی طرف سے آئی تھی چنانچہ خود آپ اپنے باپ کے نظافت نفس کے قائل تھے اور یہ روایت اس کا پتہ دیتی ہے عن سعید بن المسیب قال حج عمر فلما کان بضجنان قال لا الہ الا اللہ العظیم العلی المعطی ما شاء من شاء کنت ارعیٰ ابل الخطاب بھذا الوادی فی مدرعۃ صوف وکان فظا یتعبنی اذا عملت ویضربنی اذا قصرت وقد امسیت ولیس بینی وبین اللہ احد۔ سعید بن مسیب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک مرتبہ حج کیا جب مقام ضجنان میں پہونچے تو اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ وہ جو چاہے دے اور جسکو چاہے دے مجھے خوب یاد ہے کہ میں اس وادی میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور بھیڑ کے بالوں کا لباس پہنے ہوئے تھا اور خطاب ہم پر بہت سخت تھے جب ہم کام کرتے تھے تو ہم کو تعب پہنچاتے تھے اور جب کام نہ کرتے تھے تو مارتے تھے اور اب تو میں اس حال میں ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان میں کوئی بھی نہیں (خود مالک بلا شرکت غیرے ہوں)

ان واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور نظافت و غلظت کو غور کرتے ہوئے اب امیر المومنین علیہ السلام کے اس فقرہ پر نظر کیجئے تو لطف کلام دوبالا نظر آتا ہے فصیرھا فی حوزۃ خشناء یغلظ کلامھا۔ اس جگہ یہ ”یغلظ“ کا صرف اپنی آپ ہی نظیر ہے۔

سلہ خلیفہ بن جانے کے بعد بڑی بڑی لغزشیں ہوئیں اور بڑے بڑے عذر کئے گئے ساکت ذرا غور و تامل سے اگر دیکھا جائے تو یہ کلام بھی آپ کا آپ کے امامت من اللہ پر روشنی ڈالتا ہے کیونکہ منجملہ اخبار غیب یہ بھی ہے اور در حقیقت جو کچھ بھی فرمایا تھا وہ ہو کے رہا مسائل میں وہ ٹھوکریں کھائیں کہ الحمی توبہ ایسے ایسے عذر تراشے گئے کہ آج تک سارا جہاں ان کی طرف انگلیاں اٹھائے ہوئے ہیں۔

اکثر احکام زمانۂ خلافت میں حضرت عمر نے ایسے دئے کہ بعد کو جب سوچا یا مشورہ کیا تو اس حکم کو واپس لینا پڑا قدم قدم پر لغزشیں تھیں اور ہر ہر جگہ ٹھوکریں یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ آپ نے ایک زانیہ عورت کے رجم کا حکم دیا اور وہ حاملہ تھی جب امیر المومنین کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اسکا کیا قصور بچہ اس عورت کے پیٹ میں ہے حکم رجم بعد ولادت جاری ہونا چاہئے حضرت عمر بھی سمجھے اور فرمایا لولا علی لھلک العمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گئے ہوتے یہ ہیں آپ کی تند مزاجی اور سخت مزاجی کہ خوف سے ایک عورت کو اسقاط ہو گیا آپ نے بھی اصحاب کو جمع کر کے مشورہ کی ضرورت پڑی اور آخر اس گتھی کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے سلجھایا اور حضرت عمر نے فرمایا لا اعشت لمعضلۃ لا تکون لھا یا ابا الحسن میں اس سخت مسئلہ (عقدہ لا ینحل) کے لئے زندہ نہ رہ جاؤں

جس کے لئے آپ اے علیؑ نہ ہوں۔

کبھی آپ فتویٰ دیتے تھے پھر اسکے خلاف کہہ اور سمجھ میں آتا تھا تو اس فتوے کو واپس لیتے تھے۔ دادا کی میراث میں بھائیوں کے ساتھ آپ کے مختلف حکم اور مختلف فتوے مشہور ہیں ایسے کہ آپ خود گھبرا گئے اور یہ گتھی حل نہ ہوئی۔ مہر صداق کے متعلق ایک دفعہ آپ نے اپنا فرمان جاری کر دیا پھر خود ہی ایک عورت سے مجبور ہو کر کل الناس افقہ من عمر حتی ربات الحجال ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے یہانتک کہ پردہ نشین عورتیں بھی۔ کہنا پڑا۔

لوگوں کے گھروں کا تجسس آپ کیا کرتے تھے آخر ایک شخص نے قرآن کی آیت لا تجسسوا لوگوں کا تجسس نہ کیا کرو جب پڑھی اور آپکی تین خطائیں ثابت کیں تو آپ قائل ہو گئے اور ایسے کہ شراب پیتے ہوئے دیکھا تھا مگر اس پر حد نہ جاری فرمائی۔

یونہی راستے میں آپ ایک روز پیاسے ہوئے ایک جوان نے پانی میں شہد ملا کر دیا تو آپ نے نہیں پیا اور یہ آیت پڑھی اذھبتم طیبٰتکم فی حیوتکم الدنیا۔ یہ سنکر اس جوان نے کہا کہ آپنے یہ آیت اس مقام پر غلط پڑھی یہ تو اہل جہنم کے لئے ہے اور کافر ہیں اس آیت سے مراد ہیں اس کا شروع یوں ہے ویوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیبٰتکم فی حیوتکم الدنیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کل الناس افقہ من عمر ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے (ابن ابی الحدید ص‍ ۳)

یہ اور ایسے ہزارہا واقعات ہیں جو آپ کی لغزشوں اور سخت مزاجیوں پر گواہ ہیں آیات قرآنی آپ کو آپ کے کم حافظہ کی وجہ سے بہت کم یاد رہتی تھیں اور سمجھ سے استخراج نتائج میں آپ کا ذہن اور آپکی فکر کام نہ کر سکتی تھی اور نتائج غلط مرتب ہوا کرتے تھے آپ کو ان آیات سے بھی لاعلمی تھی جو قرآن میں موجود ہیں اور حکم رسول کے مرنے کا یقین دلانے کے لئے حضرت ابوبکر نے آپ کے سامنے پڑھا تھا انک میت وانھم میتون وغیرہ جس کو سن کے آپنے فرمایا تھا کہ کیا یہ بھی قرآن میں موجود ہے؟

آپ کی درشت خوئی ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگ اسلام لا کر مرتد ہو جایا کرتے تھے چنانچہ جبلہ ابن ایہم کا واقعہ اس کی قوی دلیل ہے کہ وہ اسلام لایا اور آپ کے ایک تھپڑ سے اس کا منہ بھی پھر گیا اور وہ اسلام سے بھی پھر گیا وغیرہ

وغیرہ یہ بھی ممکن ہے کہ اعتذار سے مراد لوگوں کا اپنے کئے پر پچھتانا ہو کہ پہلے تو بے سمجھے بوجھے خلیفہ بنا دیا اور اب واقعات کو دیکھتے ہوئے کف افسوس مل رہے ہیں۔

فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ إِنْ

خلافت کی لجام ہاتھ میں لینے والا اس سوار کی طرح ہے جو ایک

أَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ، وَ إِنْ أَسْلَسَ لَهَا

سرکش بے لگام کی ہوئی اونٹنی کی پیٹھ پر ہو اگر اسکی نکیل کھینچی جائے تو

تَقَحَّمَ فَمُنِيَ النَّاسُ لَعَمْرُ اللهِ

اسکی ناک کٹ جائے اور اگر ڈھیل دی جائے تو (بھاگ کر) اپنے کو مہلکوں میں ڈال دے

بِخَبْطٍ وَ شِمَاسٍ ۵۲ وَ تَلَوُّنٍ وَ اعْتِرَاضٍ

خدا کی قسم لوگ گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے اور راستے بدل گئے اور بھٹک گئے

فَصَبَرْتُ عَلَى طُولِ الْمُدَّةِ وَ

میں نے اس طویل مدت اور شدت تکالیف پر

شِدَّةِ الْمِحْنَةِ حَتَّى إِذَا مَضَى لِسَبِيلِهِ

صبر کیا ـ یہاں تک کہ یہ دوسرا بھی اپنے راستہ چلا گیا (مر گیا)

۵۱ فصاحبہا اس میں جو ضمیر ہے وہ باعتبار اقوال مفسرین و شارحین طبیعت عمر، خلافت، اور بقول بعض خود ذات امیر المومنینؑ کی طرف پھرتی ہے، سیاق کلام پر نظر کرتے ہوئے تو طبیعت حضرت عمر کا مراد لینا بہتر ہے، اور واقعات خلافت کا بیان دیکھتے ہوئے خلافت مراد لینا ظاہر تر ہے، اور تیسرا قول صرف محتمل ہے۔

۵۲ شماس، خبط اور اعتراض یہ تین لفظ اس قدر مناسب موقع و محل حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمائے ہیں کہ بلاغت نثار ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، انسانوں کا بہائم کے حرکات اختیار کر لینا اور بہائم کی مناسبت سے ان الفاظ کا صرف ادبیت میں جان ڈالے دیتا ہے۔ شماس، گھوڑے کی سرکشی کو کہتے ہیں، "خبط" اونٹنی کی تاریک شب میں کجروی یا بے بصری سے کام کرنے کو کہتے ہیں اور اعتراض، ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے اور صحیح راہ پر نہ چلنے کو کہتے ہیں، یہ وہ تعبیرات لفظی ہیں جن سے والی اور رعایا دونوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، در حقیقت یہی حالت تھی بے سمجھے بوجھے کام ہو رہا تھا، بے تعبیری سے مسائل حل ہوتے تھے کبھی ایک حکم دیا جاتا تھا کبھی اس کا تنسیخ ہوتا تھا، طبیعت میں جو سختی اور درشتی تھی وہ سرکش گھوڑے کی طرح دبتی نہ تھی، ان تمام صفات سے اگر کوئی متصف ہو اور سرکش ناقہ پر سوار ہو تو اس کے لئے ہر طرح مہلکہ ہے، اور راکب و مرکب دونوں کے لئے کھلے ہوئے نقصانات ہیں۔

بڑھا دیا تھا۔ لہذا آج آپ مرتے وقت بزم شوریٰ کی وہ کشش پہلو بھول بھلیاں بنائے جاتے ہیں کہ سوا حضرت عثمان کے اس کے اندر سے ایک بھی نکل سکے (بہرحال) بزم شوریٰ کے لئے قرعہ انتخاب جب ان چھ ناموں پر پڑا تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو بلاؤ چنانچہ یہ لوگ آئے آپ نے ان سب کی طرف دیکھا اور فرمایا کیوں؟ تم میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ خلافت اس کو دی جائے سب چپ ہے تو پھر حضرت عمر نے کہا بولو! تم میں سے ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ میرے بعد خلافت اس کو ملے"۔ زبیر نے بڑھ کے کہا اور ہمیں اس منصب سے ہٹا کون سکتا ہے، جب تم خلافت کے مالک ہو گئے اور تمہارا کیا ہم تم سے کسی مرتبہ میں کم نہیں اور کسی حیثیت سے کم نہیں، نہ سبقت کے اعتبار سے اور نہ قرابت کے اعتبار سے (ابو عثمان جاحظ نے لکھا ہے کہ چونکہ زبیر کو یقین تھا کہ عمر مر جائینگے اس لئے انھیں اتنا کہنے کی جرأت ہوئی ورنہ عمر کی ہیبت کا خیال کرتے ہوئے کوئی کچھ بھی نہ کہہ سکتا"۔ یہاں سے اس بات کا پتہ چلا کہ آپ کے زمانہ میں حق اور اس کی آوازیں آپ کی تند خوئی سے دبی ہوئی تھیں اور کوئی حق کلمہ زبان سے نہ نکال سکتا تھا) خیر۔ حضرت عمر نے یہ سن کے کہا کہ اچھا میں اب تم لوگوں کے لئے اپنی رائے کا اظہار کر دوں — چنانچہ آپ نے ان لوگوں کے لئے جن کے لئے یہ فرما چکے تھے کہ رسولؐ ان سے راضی اٹھا اور جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے اور جو مہاجرین میں تھے اور جو رسولؐ سے قرابت قریبہ رکھتے تھے وغیرہ وغیرہ انکے لئے فرماتے ہیں۔

اچھا سنو زبیر! تم تو مومن الرضا اور کافر الغضب ہو، راضی ہوئے تو یوں کہ کوئی انتہا نہیں اور غصہ کیا تو ایسا کہ جس کی کوئی حد نہیں، ایک دن تم انسان رہتے ہو اور دوسرے دن شیطان ہو جاتے ہو، اگر تمہیں خلافت سپرد کی جائے تو تمہاری رعایا اور قوم میں ایک تلاطم خیز طوفان برپا ہو جائے اور تھوڑے سے جو پر جھگڑے

۵۱

جَعَلَهَا فِيْ جَمَاعَةٍ زَعَمَ اَنِّيْ اَحَدُهُمْ

اور خلافت کے مسئلہ کو ایک ایسے گروہ کے سپرد کیا جس کی ایک فرد اپنے گمان میں مجھے بھی جانتا تھا

۵۱ جب حضرت عمر کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آپ نے کہا کہ رسولؐ اللہ ان چھ آدمیوں سے خوش اور راضی اٹھے جو قریش میں ہیں، یعنی علیؑ عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف، لہذا میں خیال کرتا ہوں کہ امر خلافت انھیں لوگوں کے مشورے پر چھوڑ دوں تاکہ یہ لوگ اپنا خلیفہ آپ چن لیں (پھر دفع دخل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا) اگر میں خلیفہ بنا دوں جب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھا (ابوبکر) اس نے خلیفہ بنایا اور مجھے بنایا اور اگر میں نہ بناؤں تب بھی کوئی نقصان نہیں کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھا (رسولؐ) اس نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ (اس جگہ پر اس قدر کہنے کا محل ضرور ہے، کہ اگرچہ مرتے وقت آپ یہ فرما رہے ہیں کہ کسی کو رسولؐ نے خلیفہ نہیں بنایا مگر جس وقت کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جنگ ہو رہی تھی اور حضرت ابوبکر آپ کو یا ابو عبیدہ کو خلیفہ کرنا چاہتے تھے تو آپ نے یہ کہکے حضرت ابوبکر کا پلہ خلافت بھاری کیا تھا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم میں سے کسی کو بھی حق نہیں پہونچتا۔ آپ صاحب غار آپ کو رسولؐ نے نماز کے لئے اپنا خلیفہ بنایا اور یہ شرف مشیر خلافت ہے۔

اس کے ماسوا ابھی بازار مباحثہ سقیفہ بنی ساعدہ میں گرم نہ ہوا تھا اور آپ کو صرف انصار کے احتجاج اور ان کی گفتگو کی خبر پہونچی تھی۔ چنانچہ آپ حضرت ابوبکر کو بڑی تلاش کے بعد لائے اور سقیفہ میں پہونچتے ہی ایک تقریر کرنی چاہی جو آپ نے پہلے سے اپنے دل میں گڑھ لی تھی، مگر حضرت ابوبکر نے آپ کو روکا تو آپ نے فرمایا لا اعصی خلیفۃ النبی فی یوم مرتین میں خلیفہ نبی کی نافرمانی ایک دن میں دو دفعہ ہرگز نہ کروں گا (طبری صـ ۱۹۹ جلد سوم طبع مصر) یہ کہکے آپ تو بیٹھ گئے مگر حضرت ابوبکر نے تقریر فرمائی اور آپ کے دل کی بات کہی۔

اب آپ ہی غور فرمائیے کہ مرتے وقت تو آپ کو اس کا اقرار ہے کہ رسولؐ نے کسی کو بھی خلیفہ نہیں بنایا مگر اس وقت جب بازار حرب انصار و مہاجرین سقیفہ میں گرم تھا تو قبل اس کے کہ حضرت ابوبکر کے ہاتھوں پر بیعت ہو آپ انھیں "خلیفہ نبی" کے لقب سے معزز و ممتاز فرمانے لگے تو یوں کیوں نہ فرمائیے کہ رسولؐ نے تو کسی کو خلیفہ نہ بنایا مگر میں نے یہ لقب سقیفہ میں ابوبکر کو دیدیا اور ان کو خلیفہ بنا دیا، چلئے فرصت ملی۔ کل آپ نے انکو خلیفہ بنایا، مرتے وقت انھوں نے آپ کو خلیفہ بنا دیا رہ گئے حضرت عثمان انھوں نے آپ کا نام اپنی طرف سے ابوبکر کے وصیت نامہ خلافت میں

پھر کنز یہ انتقاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے طلحہ رسول تم سے ناراض اٹھے۔ مگر اس کا جواب سوا اس کے جاحظ بھی کچھ اور نہ دے سکے کہ بھلا حضرت عمر کی ہیبت کے سامنے ان متضاد اقوال کی شرح ان سے کون چاہے۔"

پھر سعد بن ابی وقاص کو مخاطب کیا اور کہا کہ تم ترش مار کے عادی قدر اندازی اور کمان کشی کے دلدادہ تمہیں بنی زہرہ کو خلافت سے کیا لگاؤ۔ پھر عبدالرحمن بن عوف کی طرف خطاب کیا اور کہا سنا عبدالرحمن اگر نصف ایمان مسلمین کا وزن تمہارے ایمان سے کیا جائے تو تمہارے ہی ایمان کا پلہ بھاری نکلے گا مگر یہ کہ تمہاری رائے میں اور تم میں وہ کمزوری ہے کہ خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بنی زہرہ کو خلافت سے کیا واسطہ (کون کہے کہ اسی گروہ میں علی ابن ابیطالب بھی ہیں جن کے لئے حضرت عمر نہیں بلکہ رسول اللہ جنگ خندق میں فرما چکے ہیں کہ برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ اور ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین جنگ احد میں حافظہ حضرت عمر کو اتنا موقع تو مل سکا کہ طلحہ کی انگلی اس مشغول انگلی یاد رہی جیسا کہ انھوں نے فرمایا خدا کرے کہ اس وقت جنگ خندق کی یاد اسی بھی کام آجائے اور یہ حدیثیں یاد آجائیں۔ مترجم)

پھر امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف مڑے اور فرمایا بھائی کتنا اچھا ہوتا اگر تم کو خلافت ملتی تو تم لوگوں کو حق واضح اور دلیل روشن کیطرف لیجاتے مگر یہ کہ تم میں مزاحی مادہ ہے اور ذرا طبیعت میں تمہاری ظرافت ہے۔

پھر آپ عثمان بن عفان کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا، آؤ تم اے عثمان تو میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ گویا قریش نے خلافت تمہیں سپرد کر دی کیونکہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۱) ہوتے ہوئے دکھائی دیں تو یہ بتاؤ کہ جس دن تم شیطان ہوگے اس دن خلافت کون کرے گا اور تمہارے غصہ کے دن کون امام ہوگا۔ خدا انھیں خلافت دے گا ورنہ آنحالیکہ تم میں یہ شکایت موجود ہو۔ کاش یہی بات آپ نے حضرت ابوبکر سے بھی پوچھی ہوتی اور ان کے لئے بھی یہی رائے قائم کی ہوتی۔ اس لئے کہ زبیر کو اپنے شیطان ہونے کا اقرار نہیں بلکہ آپ اپنی رائے میں انھیں یہ لقب عنایت کر رہے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت ابوبکر کو خود اقرار تھا کہ وہ کسی نہ کسی دن شیطان کے زیر اثر ہوتے ہیں واعلموا ان لی شیطانا یعترینی احیانا "یہ جانے رہو کہ مجھ پر کبھی کبھی شیطان سوار ہو جاتا۔" آپ کا مقولہ متفق علیہ ہے۔ بس جو وہاں ہوتا رہا ہو وہی زبیر کے لئے بھی تجویز کر لیجئے جس طرح وہاں کام نکل جاتا رہا ہو اسی طرح یہاں بھی سمجھئے۔ مترجم)

پھر آپ طلحہ کی طرف مخاطب ہوئے اور چونکہ انھوں نے آپ کی خلافت پر شدید نکتہ چینی کی تھی جیسا کہ گزرا، لہذا آپ ان سے بہت ناراض تھے، آپ نے کہا کہو طلحہ کچھ کہوں یا چپ رہوں طلحہ نے کہا جی نہیں ضرور فرمائیے چپ کیوں رہئیے اور یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ کے منہ سے اچھی بات نہ کبھی نکلی ہے نہ نکلے گی، عمر نے کہا اچھا سنو میں تمہیں اس دن سے جانتا ہوں جس دن سے کہ تمہاری انگلی احد کی جنگ میں کام آئی اور تمہارا ہاتھ شل ہوا اور میں تمہاری قوت مردمی اور رجولیت اور قرت بہیمی کی شدت سے بھی خوب واقف ہوں اور جو جو واقعات تمہارے اس معاملہ خاص میں گزرے انھیں بھی جانتا ہوں، اور سنا، رسول اللہ کی وفات ہوئی اور وہ تم سے ناراض اٹھے اس بات سے جو تم نے اس دن کہی تھی جب آیت حجاب اتری تھی (کون کہے کہ آپ نے بزم شوریٰ اس خیال سے منعقد کی تھی کہ جتنے لوگ آپ کے منتخب کردہ اس میں داخل ہیں ان سب سے رسول خوش اور راضی اٹھا طلحہ کو بھی آپ ہی نے اس گروہ میں جگہ دی تھی اور اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ رسول تم سے ناراض اٹھا تو بھلا یہ دونوں قول کیونکر درست ہو سکتے ہیں، اگر آپ کا قول ثانی درست ہے تو بزم شوریٰ کی اساس ہی اکھڑی جاتی ہے۔" چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما۔"

ابو عثمان جاحظ نے اس کلمہ کی شرح جو آیت حجاب کے دن طلحہ کے منہ سے نکلا تھا یہ کی ہے کہ جب آیت حجاب اتری تو طلحہ نے کہا کہ اس آیت کے اترنے سے کیا فائدہ، کل رسول اللہ مر جائیں گے اور ان کی بیبیوں سے ہم عقد کریں گے۔

خود ابو عثمان جاحظ کو اس جگہ پر یہی اعتراض پیدا ہوا ہے، جو ہر عاقل کو پیدا ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ پہلے تو حضرت عمر نے کہا کہ ان چھ آدمیوں سے رسول راضی اور خوش اٹھے اور اب طلحہ کی

قصہ شوریٰ کی سرگزشت ۔ ابوطلحہ انصاری عمر کو دفن کر کے پلٹے اور حسب وصیت پچاس مسلح آدمیوں کو ہمراہ لیکے اس گھر کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے جہاں یہ مختصر جماعت حسب ایمائے حضرت عمر کام کر رہی تھی، گفتگو نزاعی صورت اختیار کر چکی تھی کہ اتنی دیر میں طلحہ نے اپنا ووٹ اور اپنا حق مشورت حضرت عثمان کو ہبہ کر دیا اسلیئے کہ طلحہ کو خوب معلوم تھا کہ لوگ عثمان اور علی کے سوا کسی دوسرے کو منتخب نہ کریں گے لہذا طلحہ نے حضرت علی کی قوت کو دور کرنے کے لئے عثمان کو تقویت پہونچائی۔

یہ دیکھکر زبیر سے نہ رہا گیا اور انھوں نے اپنا ووٹ اور اپنا حق مشورت جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دیا، کیونکہ زبیر کو یہ محسوس ہو گیا کہ علی کا حق کمزور کیا جارہا ہے، لہذا زبیر کی نسبی حمیت جوش زن ہوئی چونکہ زبیر ابوطالب کی پھوپھی کے لڑکے تھے یعنی صفیہ بنت عبدالمطلب۔

طلحہ نے بھی اسی خیال کے زیر اثر عثمان کو اپنا حق مشورت ہبہ کیا تھا کیونکہ طلحہ تیمی تھے اور ابوبکر کے ابن عم اور بنی ہاشم اور بنی تیم میں معاملہ خلافت کی وجہ سے کافی نزاع اور کینے تھے۔

درحقیقت یہ باتیں سرشت انسانی میں داخل ہیں اور ہر جگہ پائی جاتی ہیں چہ جائیکہ عرب اور پھر اس وقت کے عرب جن کی بغض و حسد کی داستانیں آج تک تاریخیں دھراتی ہیں۔

زبیر اور طلحہ تو اپنا اپنا حق مشورت علی علیہ السلام اور عثمان کو دیکے یوں الگ ہو گئے، اب رہ گئے چار آدمی، ان میں سے سعد بن ابی وقاص اٹھے اور انھوں نے کہا کہ میں اپنا حق مشورت اپنے ابن عم عبدالرحمٰن بن عوف کو دیتا ہوں، کیونکہ یہ دونوں بنی زہرہ سے تھے نیز اس لئے بھی کہ سعد جانتے تھے کہ انکو خلافت نہیں مل سکتی اور پھر سب سے بالاتر یہ بات تھی کہ حضرت عمر ان کے اور ان کے ابن عم عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے پہلے ہی خلافت کی نفی

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۲) تم اس پر بیٹھے جارہے ہو اور تم نے بنی امیہ اور بنی ابی معیط کو سر چڑھایا اور لوگوں کے سروں پر سوار کر دیا، پھر گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ان لوگوں کو بہت کچھ دیا اور عرب کی بھیڑیوں کا ایک گروہ تمہاری طرف بڑھ رہا ہے جس نے تمہیں تمہارے بچھونے پر ذبح کر دیا خدا کی قسم اگر انھوں نے خلافت تمہیں دی تو تم ایسا ہی کرو گے اور جب تم ایسا کرو گے تو وہ تمہیں ذبح کئے بغیر چھوڑینگے نہیں پھر حضرت عثمان کے سر کے بال پکڑ کے کہا دیکھو عثمان جب ایسا وقت آجائے تو میری پیشینگوئی کو ضرور یاد کر لینا (یہ تمام واقعات فراست عمر پر ابوعثمان جاحظ نے کتاب اصفہانیہ میں درج کئے ہیں اور ابن ابی الحدید نے اس سے نقل کیا ہے۔

(بہرحال چھ آدمیوں میں سے ہر ایک سے گفتگو کر کے اور اپنا خیال ظاہر کر کے دبی زبان سے حضرت عمر نے یہ تو فرما ہی دیا کہ خلافت عثمان کو جانی چاہیئے اور عبدالرحمٰن کی ایمان کو اپنے کلام بلاغت نظام سے تقویت پہونچا کے ان کی رائے کو بھی قوی فرما دیا اور آئندہ کچھ اور بھی تدابیر تقویت خلافت عثمانی بہم پہونچائیں گے جنھیں ناظرین خود ملاحظہ کرینگے۔ مترجم)

آپ نے ارکان بزم شوریٰ سے مخاطب ہو کے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم آپس میں مل جل کے کام کرو گے تو اس خلافت سے تم بھی فائدہ اٹھاؤ گے اور تمہاری اولاد بھی اور اگر کہیں تم نے حسد و بغض سے کام لیا تو یہ جان لو کہ امیر شام معاویہ اس کی گھات میں ہے اور وہ تم سب پر غلبہ پا جائے گا۔

مہاجرین و اصحاب نبی کی قدر و عزت افزائی۔ پھر آپ نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا (بنی سقیفہ میں انصار کی امداد کی ضرورت نہ تھی اس وقت ہے) اور کہا جب دفن کر کے پلٹنا تو پچاس آدمیوں کو جو انصار سے ہوں اور جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہوں لیکے اس گھر کے دروازہ پر ٹھہرنا جہاں امر خلافت طے ہو رہا ہو اور بزم شوریٰ منعقد ہوئی ہو اور جلد سے جلد اس امر کو طے کرا دینا دیکھنا اگر ان چھ آدمیوں میں سے پانچ متفق ہوں اور ایک اختلاف کر رہا ہو تو فوراً اس اختلاف کرنے والے کی گردن اڑا دینا وہ کوئی بھی ہو اور اگر چار متفق ہوں اور دو اختلاف کر رہے ہوں تو ان دونوں کو قتل کر دینا اور اگر نصف نصف جماعت بٹ جائے اور تین متحد ہوں اور تین متفق ہوں تو اس پارٹی کو دیکھنا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور دیکھنا کہ ان کے خلاف اگر یہ تین آدمی اپنی رائے پر مصر ہوں تو ان تینوں کو قتل کر دینا اور اگر تین دن گزر جائیں اور کچھ طے ہی نہ ہو تو ان چھ آدمیوں میں سے کسی ایک کو نہ زندہ رکھنا اور قتل کر دینا، مسلمان اپنا انتظام آپ کر لیں گے اور کسی کو منتخب کر لیں گے (بہرحال امیرالمومنین تک خلافت کبھی نہیں پہونچ سکتی اس کا انتظام کافی کر دیا گیا ہے۔ مترجم)

اب یہ اور بات تھی کہ اس وقت کا کلام ابو عبیدہ کے مر جانے سے "گو نہیں وصل تو حسرت ہی سہی" کا مصداق ہو۔ دوسرا نام آپ نے معاذ بن جبل کا لیا ان سے بھی آپ کو کافی اُلفت تھی اور ان کے بھی چند واقعات مخصوص ہیں جن کے اظہار کا یہ محل نہیں انشاء اللہ کسی محل مناسب پر تذکرہ کیا جائے گا۔

تیسرا نام نامی خالد بن ولید کا ہے آپ کو ان کے متعلق بھی حسرت ہے کہ اگر وہ ہوتے تو چونکہ وہ "سیف اللہ" تھے لہٰذا انھیں یہ عہدہ دیا جاتا، مگر "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کا وجود اس وقت نہ تھا۔

دیہ بات بھی حضرت عمر کی معدلت و انصاف پسندی پر دال ہے کہ خالد پر جو غصہ آپ نے مالک بن نویرہ کے قتل پر کیا تھا اور جن الفاظ سے خالد کو یاد کیا تھا وہ بھولنے کے قابل نہیں مگر اس وقت آپ کو خلافت سپرد کرنے کے لئے خالد یاد آ رہے ہیں ورنہ تحقیق سب سے پہلے بعد ابو بکر خالد کو جس نے انکے عہدہ اور منصب سے ہٹایا اور ابو عبیدہ کا تقرر انکی جگہ کیا وہ حضرت عمر ہی تھے، سمجھ میں نہیں آتا کہ زندگی میں ایک چھوٹی سی جماعت کی سرداری آپ کو گوارا نہ ہوئی اور مرنے کے بعد تمام امت محمد کا خلیفہ والی خالد کو بنانے کی آرزو کر رہے ہیں۔ چنانچہ کامل وغیرہ میں یہ واقعہ درج ہے کہ آپ نے سب سے پہلے خالد کو انکی جگہ سے معزول فرمایا اور پھر کوئی خاص التفات ان کی جانب جیتے جی نہیں فرمایا۔

واول ما تکلم بہ عزل خالد وقال لا یلی لی عملا ابدًا وکتب الی ابی عبیدہ ان اکذب خالد نفسہ فھو الامیر علی ما کان علیہ وان لم یکذب نفسہ فانت الامیر علی ما ھو علیہ وانزع عمامتہ عن راسہ وقاسمہ مالہ فذکر ذلک لخالد فاستشار اختہ فاطمۃ وکانت عند الحرث بن ھشام فقالت لا واللہ لا یحبک عمر ابدًا وما یرید الا ان تکذب نفسک ثم ینزعک فقبل راسھا وقال صدقت فابی ان یکذب نفسہ فامر ابو عبیدہ فنزع عمامۃ خالد وقاسمہ مالہ (کامل صفحہ ۱۶۲ جلد دوم مطبوعہ مصر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳

فرما چکے تھے تو اب کیونکر کہوں سکتی تھی۔ جب سعد نے اپنا ووٹ عبد الرحمٰن کو دیدیا تو انھوں نے امیر المومنین اور عثمان سے خطاب کر کے کہا کہ تم میں سے کون اپنے کو خلافت سے الگ رکھنا چاہتا ہے تاکہ اسے وہ باقی ماندہ افراد میں اختیار انتخاب رہے، یہ سن کر کسی ایک نے بھی جواب نہ دیا، اب عبد الرحمٰن نے کہا اچھا میں اپنے کو خلافت سے الگ کرتا ہوں (آپ کے لئے تو پہلے ہی سے نہ تھی الگ آپ کیونکر ہوتے۔ مترجم) اب تم دو رہے (علیؑ اور عثمان) یہ کہہ کے امیر المومنین کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میں تمہاری بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم کتاب خدا، سنت رسولؐ اور سیرت شیخین پر عمل کرو گے علی ابن ابیطالب نے فرمایا یوں نہیں بلکہ یوں کہ کتاب خدا، سنت رسولؐ اور اپنی اجتہادی قوت پر عمل کروں گا، اس کے بعد یہی بات عثمان سے کہی انھوں نے کہا ہاں میں ایسا ہی کروں گا جیسا تم کہتے ہو، غرضکہ تین دفعہ دونوں سے کہا امیر المومنین سیرت شیخین سے احتراز کرتے رہے اور عثمان اقرار کرتے رہے یہانتک کہ تیسری بار عبد الرحمٰن نے عثمان کی بیعت کر ہی لی اور ان کو "امیر المومنین عثمان" کہکے پکارا۔

جب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے یہ دیکھا تو فرمایا خدا کی قسم اے عبد الرحمٰن تم نے یہ نہیں کیا مگر اسی امید کی بنا پر جو تمہارے پہلے ابو بکر و عمر کو لاحق ہوئی تھی خدا تم دونوں کے درمیان "عطر منشم" (کی بو) چھڑکے اور نفاق و عداوت کی خلیج حائل کر دے چنانچہ یہی ہوا کہ آخر وقت ان دونوں میں بعید عداوت ہو گئی کہ ایک دوسرے کو منافق کہتا تھا اور مرتے وقت عبد الرحمٰن نے عثمان کا منھ نہ دیکھا (عطر منشم، منشم ایک عورت تھی جو عطر بیچا کرتی تھی جب بھی اس کا عطر لگایا جاتا عرب میں سخت جنگ اور حرب رونما ہوتی یہانتک کہ اس کی نحوست ضرب المثل ہو گئی اور مقام نحوست میں یہ فقرہ اشام من عطر منشم استعمال کیا جاتا ہے۔ (ابن ابی الحدید صفحہ ۶۳ مطبوعہ طہران جزو اول شرح خطبہ شقشقیہ)

حضرت عمر کی آرزو تو یہ تھی کہ وہ ابو عبیدہ بن الجراح کو خلیفہ بناتے، مگر افسوس کہ موت نے ان کو مہلت نہ دی اور وہ حضرت عمر کے پہلے راہی ملک عدم ہو چکے تھے اس وقت جبکہ حضرت عمر دنیا کو چھوڑ رہے تھے آپ کو ابو عبیدہ کا بہت خیال آیا اور آپ نے فرمایا لو ادرکت ابا عبیدۃ بن الجراح باقیا استخلفتہ و ولیتہ .... ولو ادرکت معاذ بن الجبل استخلفتہ ولو ادرکت خالد بن ولید لولیتہ اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا (ان کا نام پہلا نام ہے اور ہونا بھی چاہیئے درحقیقت جو مدد استقرار بیعت ابو بکر و عمر میں ابو عبیدہ نے کی وہ کسی ایک نے بھی نہ کی تھی حضرت عمر سے احسان فراموشی کب ہو سکتی تھی

امارت ملی، لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسی لئے تو ان کی امارت کو حضرت عمر نے باوجود حکم رسولؐ نفاذ قرار دیدیا تھا تاکہ یہ قدح آئندہ کے لئے کام آسکے۔ کیا رسولؐ کی زندگی ہی سے حضرت عمر وغیرہ کا یہ خیال تھا کہ ابوبکر کو خلیفہ ہونا چاہیئے اور وہی خلیفہ ہوں؟ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ دل کے بھید تو اللہ ہی جانے مگر واقعات اور اقوال پر نظر کرتے ہوئے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے کہ حضرت عمر پہلے ہی سے ٹھانے ہوئے تھے کہ سوا ابوبکر کے کوئی دوسرا خلیفہ نہ ہو اور آپ نے رسولؐ کے وفات پاتے ہی "خلیفہ" کا لقب حضرت ابوبکر کو دیدیا۔ ایک تو وہ واقعہ اس پر دلیل ہے جو سقیفۂ بنی ساعدہ میں گزرا اور پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور دوسرا واقعہ یہ ہے۔

قال ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل وفاتہ بعثا علی اھل المدینۃ ومن حولھم وفیھم عمر بن الخطاب وامر علیھم اسامۃ بن زید فلم یجاوز آخرھم الخندق حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم فوقف اسامۃ بالناس ثم قال لعمر ارجع الی خلیفۃ رسول اللہ فاستاذنہ یاذن لی ان ارجع بالناس فان معی وجوہ الناس وحدھم ولا آمن علی خلیفۃ رسول اللہ وثقل رسول اللہ واثقال المسلمین ان یتخطفھم المشرکون

طبری صفحہ ۲۱۳

" جلد سوم طبع مصر

رسولؐ نے اپنے انتقال سے پہلے ایک لشکر اہل مدینہ واہل نواح مدینہ کے لئے بھیجا اس میں عمر بن خطاب بھی تھے اس لشکر پر آپ نے اسامہ بن زید کو امیر مقرر کیا لشکر کے آخری حصہ نے ابھی خندق کو پار بھی نہ کیا تھا کہ رسولؐ کی موت واقع ہو گئی (تیسری بار جانے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا) اسامہ اپنی جگہ پر ٹھہر گئے اور عمر سے کہا کہ تم خلیفۂ رسولؐ (ابوبکر) کے پاس جاؤ اور ان سے اجازت لو کہ ہم لوگ پلٹ آئیں کیونکہ عمائد شہر لشکر میں ہمارے ساتھ ہیں اور ہمیں ڈر ہے کہ خلیفۂ رسولؐ (ابوبکر) پر رسولؐ کے مال اور مسلمین کے مال

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴

سب سے پہلے جو فرمان دربار حضرت عمر سے نکلا وہ خالد بن ولید سیف اللہ کی معزولی کا فرمان تھا، آپ نے یہ بھی کہا کہ خالد میری طرف سے کبھی عامل کی حیثیت سے نہیں مقرر کیا جائے گا اور آپ نے ابوعبیدہ کو لکھا کہ دیکھو اگر خالد تکذیب نفس کرے اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرے تو اپنی امارت پر باقی رہے اور اگر ایسا نہ کرے تو اس کی امارت تمہارے سپرد کی جاتی ہے، خالد کی سرداری کی پگڑی اتار لو اور اس کا مال تقسیم کر لو، یہ باتیں جب خالد سے کہی گئیں تو اس نے اپنی بہن سے مشورہ کیا جو حارث بن ہشام کو منسوب تھی، اور جن کا نام فاطمہ تھا۔ فاطمہ نے کہا کہ اے خالد یہ یاد رکھو کہ عمر تمہیں کبھی بھی دوست نہ رکھیں گے وہ چاہتے ہیں کہ پہلے تم اپنے نفس کی تکذیب اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کر لو (یہی تمہارا اعتراف تمہاری معزولی کا سبب بن جائے گا) اور وہ تمہیں تمہارے عہدۂ امارت سے معزول کر دیں (بہر حال معزول ہونا دونوں صورتوں میں ہے، خواہ تم اعتراف خطا کرو یا نہ کرو فرق اتنا ہے کہ بعد اعتراف خطا اور تکذیب نفس حضرت عمر کی حجت تم پر قوی اور قائم ہو گی) خالد کو یہ رائے پسند آئی اور بہن کے سر پر بوسہ دیا اور کہا سچ کہتی ہو، چنانچہ خالد نے اپنی بہن ہی کے مشورہ پر عمل کیا اور ابوعبیدہ نے انکی جگہ لی اور حضرت عمر کے حکم کے مطابق انھیں معزول کر دیا۔ خالد نے اس کے بعد پوری زندگی شام میں گزاری اور یہی قول موثق ومعتبر ہے۔ اصابہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر ابوعبیدہ کو بجائی کہا کرتے تھے اس تاریخی واقعہ پر نظر کیجئے اور حضرت عمر کی اس آرزو کو دیکھئے کہ اگر خالد ہوتے تو میں خلافت ان کے سپرد کرتا "مرا بر آرزو ہائے تو خندہ می آید" علامہ ابن ابی الحدید نے جو کچھ لکھا وہ مختصر انداز میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اب دیگر مورخین کے بعض ضروری مقامات اس جگہ لکھے جاتے ہیں چنانچہ علامہ دینوری ابن قتیبہ کتاب الامامۃ کے صفحہ ۲۴ پر یوں رقمطراز ہیں کہ حضرت عمر نے جب اصحاب شوریٰ کو بلایا اور سب جمع ہوئے تو اس وقت طلحہ موجود نہ تھے، مگر حضرت عمر نے یہ کہا کہ اگر طلحہ کو خلافت سپرد کر دو تو کوئی حرج نہیں اور وہ اس کے اہل بھی ہیں، اور سنا جتنے دنوں میں (یعنی تین دن) امر خلافت طے ہو اتنے دنوں تک صہیب سے نماز پڑھوانا اور وہ تم لوگوں کی امامت کرے گا، خود اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں اور کسی مخفی اعتراض کا دفع دخل یوں کرتے ہیں۔

کہ صہیب کے نماز پڑھانے میں کوئی خطرہ نہیں وہ تم سے معاملہ خلافت میں کوئی نزاع نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا شمار غلاموں میں ہے" گویا آپ کے دل میں اس وقت یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ کہیں حضرت ابوبکر کی طرح نماز پڑھانے سے صہیب بھی مستحق خلافت نہ ہو جائے کیونکہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا دار و مدار بھی نماز ہی کے پڑھانے پر تھا، لہذا اس خیال کو یہ کہکے دفع فرمایا کہ وہ غلاموں میں سے ہے اسے یہ حق نہیں پہونچتا۔ مگر غور سے دیکھئے تو شاید غلاموں کو حق امارت پہونچتا ہے جیسا کہ اسامہ بن زید کو اور زید کو

انصار نے کہا کہ اگر ابوبکر یوں کہیں کہ لشکر کو جانا چاہیئے تو ان سے ہماری طرف سے کہہ دینا کہ کوئی ایسا شخص ہم پر امیر بنایا جائے جو اسامہ سے سن میں زائد ہو، عمر حکم اسامہ سے گئے اور حضرت ابوبکر سے تمام باتیں بیان کیں آپ نے کہا کہ اگر مجھے کتے اور بھیڑیے جھپٹ لے جائیں تب بھی میں اس حکم کو جو رسولؐ دے گئے ہیں مسترد نہ کروں گا۔ حضرت عمر نے کہا اگر انصار تو اسامہ کی امارت پر راضی نہیں اور وہ ایسا کہہ رہے ہیں یہ سننا تھا کہ حضرت ابوبکر کو شدید غصہ آیا اور یا تو بیٹھے تھے یا اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر فرمایا اے خطاب کے لڑکے تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے اور تجھے گم کر دے، رسولؐ نے اسامہ کو مقرر کیا ہے اور تو چاہتا ہے کہ میں اسامہ کو ان کے عہدے سے معزول کر دوں؟ (غدیر خم کو یاد کرو)

جب یہ واقعہ گزرا تو حضرت عمر پچھلے پاؤں لشکر اسامہ کی طرف پلٹے لوگوں نے پوچھا کہو کیا ہوا؟ کہا ہوا کیا تمہاری مائیں تم لوگوں کے ماتم میں بیٹھیں تمہاری وجہ سے مجھ پر یہ گزری اور خلیفہ رسولؐ نے میرے ساتھ یہ کیا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انصار جن کی وجہ سے دین اسلام مستحکم ہوا وہ رسول کی مخالفت کیونکر کرتے اور کیونکر امیر اسامہ پر نکتہ چینی کرتے اور وہ اس کے لئے ابوبکر کے پاس کیوں پیغام بھیجتے درآنحالیکہ ابھی خلافت کا تعین آپ کی ذات میں نہ ہوا تھا ابھی بزم سقیفہ قائم نہ ہوئی تھی، وہ ابوبکر کو خلیفہ سمجھ کے کیوں پوچھنے لگے تھے۔ درآنحالیکہ انصار ہی نے سقیفہ میں ابوبکر کی خلافت کی شدید مخالفت کی اور منا امیر و منکم" ایک امیر تمہارا اور ایک ہمارا ہونا چاہیئے" کی آوازیں آج تک آ رہی ہیں۔ اور اگر بفرض محال ایسا تھا بھی تو حضرت ابوبکر کو انصار سے بازپرس کرنی چاہیئے تھی اور انصار کو ان کے کردار و اصرار کی سزا دینی چاہیئے تھی، نہ یہ کہ بے چارے حضرت عمر مفت میں غضب خلیفہ کے شکار بنے اور آپ کی ریش مبارک کی حضرت

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۵) پر کہیں مشرکین حملہ نہ کریں اور چھین نہ لے جائیں۔
اسلام والے دیکھیں اور غور کریں کہ ابھی محفل سقیفہ کوسوں دور ہے ابھی ابھی رسولؐ کا انتقال پر ملال ہوا ہے اور حضرت ابوبکر کو "خلیفہ رسولؐ" کا لقب دیدیا گیا اور اس لقب سے آپ پکارے جانے لگے۔ کیئے بزم سقیفہ اسی خیال مجمل کی تفصیل تھی یا کچھ اور؟ یہ امر پہلے ہی لوگوں نے طے کر لیا تھا یا سقیفہ میں طے ہوا؟ ہاں یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، تو اسامہ کی امارت کی قدح پہلے ہی کر دی گئی اگر کوئی مورخ کہتا ہے کہ حضرت عمر راضی نہ تھے کہ وہ مہاجرین پر انصار پر امیر بنایا جائے کوئی لکھتا ہے کہ مہاجرین کو رسولؐ کی اس تامیر سے شکوہ تھا کوئی کہتا ہے کچھ نہیں انصار کو شکایت تھی کوئی لکھتا ہے کہ منافقین کو ناگوار ہوا اور رسولؐ کو مرض کی حالت میں ممبر پر جا کے یہ فرمانا پڑا کہ تم لوگ میرے حکم کی قدح کرتے ہو اور اسامہ تو کیا جب اس کے باپ کو میں نے امیر بنایا تھا جب بھی تم لوگوں کو ناگوار ہوا تھا، بہرحال اسامہ کی امیری میں یہ لشکر جائیگا اور جو اس لشکر کے ساتھ نہ جائے گا اس پر خدا کی لعنت ہے۔
اقوال مورخین میں منافقین سے کون لوگ مراد ہیں اسے مورخین جانیں یا حضرت عمر جانیں البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اسامہ کے پیغامبر ابوبکر کی طرف اس وقت حضرت عمر تھے اور یہی حضرت ابوبکر کے پاس یہ پیغام لے گئے تھے کہ لوگوں کو اسامہ کی امارت ناگوار ہے اور اسامہ کا یہ پیغام دیا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کہئے تو لشکر لیکے واپس چلا آؤں کہیں آپ پر مشرکین حملہ نہ کر دیں اور کائنات رسولؐ لٹ نہ جائے۔
تاریخوں میں اس مقام کی عبارت حسب ذیل ہے
وقالت الانصار فان ابی الا ان نمضی فابلغه عنا واطلب الیه ان یولی امرنا رجلا اقدم سنا من اسامة فخرج عمر بامر اسامة واتی ابابکر فاخبره بما قال اسامة فقال ابوبکر لو خطفتنی الکلاب والذئاب لم ارد قضاء قضی به رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قال فان الانصار امرونی ان ابلغك وانهم یطلبون الیك ان تولی امرهم رجلا اقدم سنا من اسامة فوثب ابوبکر وکان جالساً فاخذ بلحیة عمر فقال له ثکلتك امك وعدمتك یا ابن الخطاب استعمله رسول الله وتامرنی ان انزعه فخرج عمر الی الناس فقالوا له ما صنعت فقال امضوا ثکلتکم امهاتکم ما لقیت فی سببکم من خلیفة رسول الله۔ (طبری ص۲۲۶ جلد سوم طبع مصر) کامل ص۱۲۷

کرائے گئے یہاں تک کہ بحث و مباحثہ میں تیسرا روز آگیا اور کوئی امر تا حال منضبط ہو سکا، عبدالرحمٰن بن عوف نے لوگوں سے کہا آج جانتے ہو کونسا دن ہے یہ وہی دن ہے جس دن کے لئے تمہارے صاحب نے یہ فرمان دیا ہے کہ یا معاملہ خلافت طے ہو یا گردنیں اڑا دی جائیں۔" اچھا اب ایک بات میں تم سے کہتا ہوں وہ یہ کہ تم اپنے کام اور اپنا معاملہ مجھے سپرد کر دو اور میں تمہیں اپنا نصیب و حصہ ہبہ کرتے ہوئے تم میں سے کسی کو تمہارے لئے منتخب کر دوں"۔ لوگوں نے کہا ہم نے مانا۔

عبدالرحمٰن نے کہا اچھا یہ چھ آدمی ہیں، تین آدمی ان میں سے اپنا اپنا حق مشورت ان بقیہ تین آدمیوں کو ایک ایک کر کے دیدیں"۔ چنانچہ زبیر نے اپنی رائے اور اپنا حق علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو دیا طلحہ نے عثمان کو، اور سعد بن ابی وقاص نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دے دیا۔

یہ کارروائی جب ہو لی تو مسور بن مخرمہ راوی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا اچھا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں، یہ کہہ کے اور بھیس بدل کے اس طرح گلیوں میں پھرتے رہے اور لوگوں سے امر خلافت کے متعلق پوچھتے رہے کہ کسی نے ان کو نہ پہچانا اور تمام مہاجرین، انصار اور عوام الناس سے جب پوچھا کہ عمر کے بعد کس کو خلیفہ ہونا چاہیئے تو سب نے یکزبان ہو کے کہا کہ "عثمان بن عفان کو"۔

(ان واقعات سے اتنا معلوم ہو سکا کہ لوگوں کا اجتماع برائے بیعت تھا ورنہ "تقرر خلیفہ" خلیفہ ثانی، عبدالرحمٰن بن عوف کو سپرد کر گئے تھے جیسا کہ ہو رہا ہے، یہ بات بھی سمجھ میں نہ آئی کہ مدینہ بھر سے پوچھنے کی ضرورت کیا لاحق ہوئی درآنحالیکہ یہ امر صرف چھ آدمیوں میں منحصر کر دیا گیا تھا، اگر سب کی رائے کی ضرورت تھی تو پھر بزم سقیفہ کیوں نہ منعقد کی گئی۔ مترجم) ابن مخرمہ کہتے ہیں کہ قریب شام عبدالرحمٰن میرے پاس آئے اور مجھے سوتا ہوا پاکے کہا کہ تمہیں تو ہر وقت نیند سے کام ہے مجھے

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۶) حضرت ابوبکر کی دست درازی بلائیں لینے لگی یہ تو لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی" ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا" کے صراحتہً خلاف ہے، پھر کیا تھا اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس کو بھی بزم شوریٰ میں شریک کر لینا، اور یہ تو ظاہر ہے کہ ان کا کوئی حق خلافت میں نہیں (یہ تقدم بالحفظ نہیں تو اور کیا ہے یعنی نسل امیرالمومنین کے لئے گویا آپ ابھی سے نشان لگا رہے ہیں اور خلافت کے مسئلہ کو زندگی ہی میں حل کئے جاتے ہیں۔ مترجم)

پھر آپ نے وہی سمجھایا کہ دیں اختلاف پر اصحاب نبی کو قتل کر دینا اور ایک بات اپنی تقویت خیال کیلئے اور فرمائی وہ یہ کہ اگر تین آدمی ایک مسئلہ میں متحد ہوں اور تین اختلاف کریں تو اس میں حکم میرے بیٹے عبداللہ کو بنانا جو وہ فیصلہ کر دیں اسی پر عامل ہونا (الامامۃ ص۲۷ طبع مصر)

موافق بیان علامہ دنیوری، آپ نے سعد سے کہا کہ تم جنگجو اور غصہ ور آدمی ہو اور تمہاری تندخوئی بہت بڑھی ہوئی ہے اس لئے تم کو خلافت نہیں دی جاسکتی (اور یہی باتیں خود حضرت عمر میں بھی پائی جاتی تھیں مگر کون کہے۔ مترجم) عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا کہ تم اس امت کے فرعون ہو لہٰذا تم بھی خلیفہ نہیں ہو سکتے (اسی فرعون کا نصف ایمان تمام مسلمین کے ایمان سے زیادہ تھا جیسا کہ ابو عثمان جاحظ بیان فرما چکے ہیں اور حضرت عمر سے نقل کیا گیا ہے۔ مترجم)

زبیر سے کہا کہ تم اس لئے نہیں پاسکتے کہ تم ذرا سی بات میں راضی اور ذرا سی بات میں ناراض ہو جاتے ہو، طلحہ سے کہا کہ تم اس لئے خلافت کے قابل نہیں کہ تمہارا غرور و تکبر حد سے زیادہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ ادھر خلافت تمہیں ملی ادھر تم نے اس انگوٹھی کو اپنی بی بی کی انگلی میں پہنا دیا یعنی اسکی رائے پر تم عمل کرو گے۔ پھر عثمان سے فرمایا کہ تم میں یہ بڑا عیب ہے کہ تم اپنوں کا خیال اور ان سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔

اب امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ یہ میں جانتا ہوں کہ تم اگر خلیفہ بنائے جاؤ تو لوگوں کو صراط مستقیم اور حق واضح و روشن پر لے جاؤ گے مگر یہ بات ہے کہ تم خلافت کے حریص بہت ہو (کون خلافت کا حریص نہ تھا حضرت ابوبکر نے تو یہ الزام مرنے سے پہلے سب کے لئے قائم کر دیا تھا اور تمام مہاجرین کے لئے یہ خیال عامۃ البلویٰ ہو چکا تھا، پھر اگر حقدار حرص حق کرے تو کیا عیب ہے اور کیا حرص اسی کا نام ہے کہ لوگ خلافت رابعہ میں ٹوٹے پڑتے تھے اور اصرار کرتے تھے اور آپ انکار پر انکار کئے جاتے تھے۔ مترجم)

علامہ دنیوری کی زبانی شوریٰ کی کہانی جسب وصیت و قرارداد حضرت عمر وہ چھ آدمی ایک مقام پر جمع ہوئے اور امام حسن، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر بھی اس محفل کنگاش میں شریک

نہیں، اور یہ کہتے فوراً عثمان کی بیعت کرلی اور یہ بیعت تمام ہوگئی۔ (جو بات عبدالرحمٰن کو ناگوار ہوئی وہ بظاہر تو یہ تھی کہ جو شرط انھوں نے امیرالمومنین کے سامنے پیش کی تھی اس پر وہ راضی نہیں ہوئے مگر افسوس کہ مسجد میں اس کا کوئی ذکر بھی عبدالرحمٰن نے نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ میں نے جہاں تک لوگوں کی رائے لی وہ عثمان سے بہتر نہیں، ناظرین یہ بھی غور کریں کہ بات تو شروع آپ بیوں میں یہ امر طے ہو رہا تھا یا آخر مسجد میں مجمع عام میں یہ کام ہوا۔ مترجم)

امیرالمومنین کے لئے یہ سعی برابر ہوتی رہی کہ خلافت ان تک نہ جائے اور بنی ہاشم کو کبھی کوئی دنیاوی عروج نہ ہو۔ واقعات پر نظر کرنے سے اور حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ امر بالکل روشن اور واضح ہو جاتا ہے۔ خود حضرت عمر نے ہمیشہ بنی ہاشم کو تنگی میں رکھا اور ان کو دنیاوی اقتدارات کبھی نہیں دیئے بلکہ اگر کچھ رہ بھی گئے تھے، باقی بھی رہ گئے تھے تو وہ بھی ان سے ہٹا لئے یا چھین لئے۔ مورخین اسلام اس بات کو خود کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ مسعودی نے اس مطلب کا اشارہ اس عبارت میں کیا ہے۔ وکان عمر رجلاً شدیداً قد ضیق علی قریش انفاسها لم ینل احد معه من الدنیا شیئاً الخ حضرت عمر بہت سخت تھے انھوں نے قریش کا ناک میں دم کر دیا تھا ایسا کہ انھیں سانس لینا مشکل تھا قریش میں سے کسی نے بھی کوئی دنیوی مال کبھی نہ پایا اور نہ انھیں کوئی دنیا کا حصہ ملا۔ (الامامۃ ابن قتیبہ)

ظاہر ہے کہ یہاں قریش سے مراد بنی ہاشم ہی مراد ہو سکتے ہیں، انھیں پر یہ تنگی نظر آتی تھی، کیونکہ دوسروں کو اقتدارات بھی حاصل ہوئے اور ہر طرح سے وہ زمانہ کی ثروتیں بھی حاصل کو وہ حاصل نہیں ہیں۔ مترجم۔ حضرت عمر کو طلحہ کے اخلاق کا بہت کھٹکا تھا کیونکہ طلحہ اور عثمان کے تعلقات عثمان کے قتل کے واقعات سے صاف ظاہر ہوتے ہیں، جیسے میں نے رسالہ "قاتلان عثمان" میں بالتفصیل لکھا ہے۔ حضرت عمر کی اس بے چینی کو وقت مرگ عمر سعد بن ابی وقاص نے ان الفاظ سے رفع کیا تھا۔ قال عمر من لی

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۷) دیکھو کہ تین دن سے میری پلک بھی نہیں جھپکی اچھا فلاں فلاں مہاجرین کو میرے پاس بلا لاؤ، یہ لوگ آئے تو بڑی دیر تک چپکے چپکے عبدالرحمٰن نے ان سے باتیں کیں، پھر علی ابن ابی طالب سے ملے اور ان سے بھی چپکے چپکے بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر عثمان کو بلا کے ان سے بڑی دیر تک نہایت خاموشی سے باتیں کیا کئے۔ اس میں اتنی دیر ہوئی کہ نماز صبح کا وقت آگیا۔

نماز صبح کے بعد مجمع میں سے ہر ایک سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر تمہاری بیعت کی جائے تو تم میں کا ہر ایک کتاب خدا سنت رسولؐ اور سیرت شیخین پر عمل کرے گا اور اگر تمہارے سوا کسی دوسرے کی بیعت کرلی جائے تو تم میں کا ہر ایک تسلیم کرے گا اور اگر جنگ کا وقت آجائے تو تلوار سے مدد کرے گا اور منکر بیعت کا سر اڑا دیگا لوگوں نے یہ عہد کر لیا اور سب راضی ہو گئے۔

(حضرت عمر نے صرف چھ آدمیوں میں سے کسی ایک کو خلافت دینی چاہی تھی اور نہ کنایۃً خلیفہ بنا بھی گئے تھے مگر عبدالرحمٰن بن عوف ہر مہاجر کو اس کی طمع دے رہے ہیں اور عہد لے رہے ہیں، در حقیقت مقتضائے سیاست اس وقت یہی امر تھا جو عبدالرحمٰن بن عوف نے کیا ورنہ حضرت عثمان کو خلیفہ ہونے میں دیر لگ جاتی۔ یہ گفتگو جو خاموشی سے دیر تک لوگوں سے ہوتی رہی یہ بھی حضرت عمر کے شرائط استخلاف میں نہ تھی۔ مترجم)

جب عہد و پیمان لے چکے تو عثمان کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اگر ہم تم کو خلیفہ بنا دیں (کیا قدرت ہے کیا اختیارات ہیں۔ مترجم) تو کتاب خدا سنت رسولؐ سیرت شیخین پر عمل کروگے اور بنی امیہ کو سب کے سروں پر تو نہ چڑھاؤ گے؟ عثمان نے کہا نہیں، اور سیرت شیخین وغیرہ پر عمل کروں گا (پہلے جس سے پوچھا ہے یہی خلیفہ ہوگا۔ مترجم۔) پھر علی ابن ابیطالب سے پوچھا کہ تم ایسا کروگے اور بنی ہاشم کو تو سب کا مالک نہ بنا دوگے کیونکہ عمر کو اسی بات کا کھٹکا تم سے تھا؟

امیرالمومنین نے فرمایا سبحان اللہ تمہیں اس سے کیا مطلب کہ میں ایسا کروں گا یا نہ کروں گا جب تم نے مجھے خلیفہ بنا دیا اور قلادۂ خلافت میری گردن میں آگیا تو اب میں اپنی اجتہادات کو کام میں لاؤں گا اور امت محمدؐ کے متعلق جو مناسب ہوگا وہ کروں گا، جہاں بھی قوت و امانت کو محسوس کروں گا اس سے مدد لوں گا خواہ وہ بنی ہاشم میں ہو یا کسی اور قبیلہ میں۔"

عبدالرحمٰن نے کہا جی نہیں جب تک یہ شرط قبول نہ کروگے خلافت تمہیں کبھی بھی نہ دی جائے گی اور یہ کہکے علی کو چھوڑا اور مسجد میں آکے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ جہاں تک میں نے چھان بین کی لوگ عثمان ہی کی خلافت پر راضی ہیں (یہ رضا تو چھ ہی مہینہ کے بعد ظاہر ہونے لگی جب لوگوں نے عثمان کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور آخر کار انھیں قتل کر ڈالا۔ مترجم) لہذا اے علی تمہارے لئے بغیر جنگ کئے خلافت کے لئے کوئی راستہ

وقت آخر جب حضرت عمر نے لوگوں کو بلایا تھا اور اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اس رائے کو سن کر لوگ چلے راہ میں امیرالمومنین چند افراد بنی ہاشم کے ساتھ آ رہے تھے کہ عباس سے ملاقات ہوئی امیرالمومنین نے کہا کہ خلافت تو ہم سے گئی، عباس نے کہا تم نے کیونکر جانا کہا یوں کہ عثمان اس معاملہ میں میرے ساتھ کر دئے گئے ہیں اور عمر نے یہ بھی کہا ہے کہ تم لوگ اکثریت کا ساتھ دینا اور اگر دو آدمی ایک شخص کو اپنا ووٹ دیں، اور دو ایک کو تو اس جماعت کے ساتھ ہونا جس میں عبدالرحمن بن عوف ہوں، ظاہر ہے کہ سعد عبدالرحمن کی مخالفت نہ کریں گے کیونکہ وہ ان کے ابن عم ہیں تو دونوں بنی زہرہ سے ہیں اور عبدالرحمن عثمان کے خلاف نہ جائیں گے کیونکہ وہ ان کے بہنوئی ہیں (اور حضرت عمر کا حکم ہی یہ ہے کہ جدھر عبدالرحمن ہوں اسی گروہ کا ساتھ دینا) تو اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو عثمان کو عبدالرحمن خلیفہ بنائیں گے اور یا عبدالرحمن کو عثمان اب جو دو آدمی باقی رہتے ہیں یعنی طلحہ اور زبیر تو اگر یہ ہماری طرف ہوئے بھی تو ہمارا کوئی فائدہ نہیں۔"

(اکثر واقعات یقینی حیثیت سے میرے پیش نظر ہوئے جس پر مجھے ہنسی آیا کرتی تھی اور میں دل میں سوچا کرتا تھا کہ آخر اسکا کیا نتیجہ اور ایسی باتیں دنیا میں کیوں ہوا کرتی ہیں، مثلاً کسی کالج میں کوئی جگہ خالی ہوئی مجلس منتظمہ نے ایک شخص کو جسے وہ دوست رکھتی ہے وہ رشتہ داری کی حیثیت سے ہو یا کسی اور سبب سے، منتخب کر لیا اور اس کے بعد اخبارات میں اشتہار بھی دے دئے گئے کہ جگہ خالی ہے درخواستیں آنی چاہئیں، یوں ہی ایک ممبر مجلس خاص کے چند افراد نے طے کر لیا پھر مجلس منتظمہ کے سامنے رسمیات برتنے کے لئے پیش کر کے پاس کرا لیا مگر ہوا وہی جو مجلس اولیٰ نے چاہا تھا، ان تاریخی واقعات کو دیکھنے سے آنکھیں کھل گئیں اور مطلب کی تہ کو پہونچ گیا اور سمجھ میں آ گیا کہ ہنسنے کا محل نہیں نہ نکتہ چینی کا موقع سیاست ملکی کا تقاضا یہی ہے اور فروغ باطل کا راستہ یہی ہے اور حق کے مغلوب کرنے کا وسیلہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۸) بطلحۃ فقال سعد بن ابی وقاص انا لک بہ ولا یخالف ان شاء اللہ فقال عمر ارجوا ن لا یخالف ان شاء اللہ وما اظن ان یلی الا احد ھذین الرجلین علی او عثمان فان ولی عثمان فرجل فیہ لین و ان ولی علی ففیہ دعابۃ الخ عمر نے کہا طلحہ کی ذمہ داری کون لیتا ہے، سعد بن ابی وقاص نے کہا آپ پریشان نہ ہوں میں ان کا ذمہ دار ہوں اور انشاء اللہ وہ کوئی مخالفت نہ کریں گے عمر نے کہا ہاں مجھے بھی امید ہے کہ وہ اختلاف نہ کرینگے اور مجھے تو یہ گمان نہیں کہ سوا علی اور عثمان کے کوئی دوسرا خلیفہ مقرر کیا جائے مگر یہ بات ہے کہ اگر عثمان ہوئے تو ان کے مزاج میں نرمی بہت ہے اور اگر علی ہوئے تو ان کے مزاج میں ظرافت بہت ہے (طبری ص ۳۴ جلد پنجم)

(سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عمر کو کس اختلاف سے ڈر تھا اور کس طرح کا گمان تھا اور پھر اس گمان کی تردید وہ کیوں کرتے جاتے تھے کس چیز کو ظاہر کرنا چاہتے تھے اور کیا ان کا مکنون قلب تھا، اگر اختلاف سے یہ مراد تھی کہ طلحہ کچھ بولیں ہی نہیں اور رائیں ایک دوسرے کی مخالف نہ ہوں تو یہ ناممکن تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ جب بزم شوریٰ اور محفل مشورت مقرر کی گئی ہے تو اس کے انعقاد کا جزو لازم یہی ہے کہ بعد بحث وتمحیص اور بعد اختلاف واتلاف کوئی صحیح رائے قائم کی جائے۔ لہذا یہ اختلاف ظاہری تو لابدی تھا اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر کو اس اختلاف سے یہ بے چینی ہرگز نہ تھی ورنہ وہ بزم شوریٰ کی رائے ہی نہ دیتے۔ اب تو یہی اختلاف ذاتی اور شخصی کا ڈر باقی رہ جاتا ہے کہ کہیں عبدالرحمن اور عثمان کے خلاف طلحہ کی رائے قائم نہ ہو جائے ایسی صورت میں عثمان کے تقرر میں بڑی مشکل آ پڑے گی عبدالرحمن کا جنبہ کمزور ہو جائے گا اور یقینی ہے کہ علی ابن ابی طالب منتخب ہو جائیں ایسی ہی وہ خیال تھا جس سے آپ کرب میں تھے آخر سعد نے اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اب آپ کو گونہ سکون ہوا مترجم)

حضرت عمر کی حقیقی اسکیم اور ان کی مراد دل ان کی رائے کے ظاہر ہوتے ہی معلوم ہو گئی۔ چنانچہ طبری کی ایک عبارت سے جو ص ۳۵ جلد پنجم میں مندرج ہے یہ معما بخوبی حل ہوا جاتا ہے وہ لکھتا ہے (تلقاہ العباس فقال عدلت عنا فقال وما علمک فقال قرن بی عثمان وقال کونوا مع الاکثر فان رضی رجلان رجلا و رجلا فکونوا مع الذین فیھم عبدالرحمن بن عوف فسعد لا یخالف ابن عمہ عبدالرحمن وعبدالرحمن صہر عثمان لا یختلفون فیولیھا عبدالرحمن عثمان او یولیھا عثمان عبدالرحمن فلو کان الآخران معی لم ینفعانی۔

بات کہی (وہ ہرگز بھی نہیں جانتا کہ کیا باتیں ہوئیں، اللہ کا حکم تو اب عثمان ہی کے خلیفہ ہونے کے لئے صادر ہو چکا۔ دبھلا حضرت عمر کے ایما کو بھلا ذ سمجھتا تو اور کون سمجھ سکتا تھا) — جب نماز صبح سے فراغت ہو چکی تو قبائل، مہاجرین، انصار، صاحبان سبقت وفضل اور سرداران فوج بلائے گئے اور اتنے زیادہ لوگ آئے کہ مسجد نبی میں تل ڈالنے کی جگہ نہ تھی اور مسجد لوگوں سے چھلک اٹھی، عبد الرحمن نے کہا کہ "شہر والے چاہتے ہیں کہ وہ اپنے شہروں کو واپس جائیں اور انھوں نے جان لیا ہے کہ ان کا امیر اور خلیفہ کون ہے۔ اتنے میں سعید بن زید نے کہا کہ ہم تو آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے ہیں عبد الرحمن نے کہا کہ نہیں اس کے سوا کچھ اور کہو۔ یہ سن کر جناب عمار یاسر نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا ہو تو علی ابن ابی طالب کی بیعت کرو۔ مقداد بن اسود نے عمار کے قول کی تائید کی اور فرمایا عمار سچ کہتے ہیں اگر تم علی کی بیعت کرو گے تو ہم سب اس پر راضی ہیں اور اس کے لئے ہماری گردنیں خم ہیں۔ ابن ابی سرح (حضرت عثمان کا رضاعی بھائی جو کتابت وحی رسول کرتا تھا اور قرآن کو بدل دیا کرتا تھا جو مرتد ہو گیا تھا اور جس کے قتل کا حکم رسول نے دے دیا تھا اور روز فتح مکہ جس کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ کوئی اسے قتل کر دے) اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ قریش آپس میں اختلاف نہ کریں تو عثمان کو خلیفہ بنا دو، عبد اللہ بن ابی ربیعہ نے ابن ابی سرح کی تائید کی اور کہا اگر تم ایسا کرو گے تو ہم لوگ راضی ہیں اور اطاعت سے ہمیں عار نہیں، یہ سنتے ہی حضرت عمار کو غصہ آگیا اور انھوں نے عبد اللہ بن ابی سرح کو برا بھلا کہا اور فرمایا تو کب سے مسلمانوں کو نصیحت کرنے لگا؟" اس میں بنی ہاشم اور بنی امیہ میں بات بڑھ گئی، اور حضرت عمار نے پھر پکار کے فرمایا۔ گروہ مردم اللہ نے ہمیں اپنے نبی سے بزرگی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) یہی ہے اور دنیا کے ہموار کرنے اور حاصل کرنے کا ذریعہ یہی ہے۔ اور اپنا جتھا بڑھانے کا طریقہ یہی ہے۔ لہذا —

"لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد" (مترجم)

ایک اور بات حضرت عمر نے چھ آدمیوں کو بزم شوریٰ کے لئے منتخب کیا تھا اور عبد الرحمن والی پارٹی کو تقویت دی تھی، اکثر روایات سے اسی بات کا پتہ چلتا ہے کہ طلحہ موجود نہ تھے اور اس بزم شوریٰ میں شریک نہیں ہوئے یا تو وہ خود چلے گئے تھے جیسا کہ قتل عثمان کے وقت بھی آپ ہی کریں گے کہ جب قتل کا واقعہ پیش ہوگا تو مدینہ چھوڑ دیں گے، اور یا کسی مصلحت سے باہر بھیجے گئے، اب اس صورت میں صرف پانچ آدمی رہتے ہیں، زبیر، سعد، عبد الرحمن، علی بن ابی طالب اور عثمان علی بن ابی طالب اور عثمان کے مابین امر خلافت دائر ہے اور تین آدمی رائے دینے والے بچتے ہیں، ظاہر ہے کہ سعد اور عبد الرحمن عثمان کے خلاف اپنی رشتہ داری کی وجہ سے نہیں جا سکتے تھے اور پھر حضرت عمر کا حکم بھی تھا کہ جدھر عبد الرحمن ہوں اسی کی فتح اب صرف ایک زبیر بچے وہ اکیلے اپنا ووٹ دے کے بھی کیا کر سکتے تھے طلحہ کے متعلق حضرت عمر کو کھٹکا تھا ہی وہ اس لئے رہا ہو کہ وہ خود خلافت چاہتے تھے یا اس لئے کہ حضرت عمر سے اور ان سے ان بن تھی یا اس لئے کہ عثمان سے بھی کچھ اچھے تعلقات نہ تھے بہرحال حضرت عمر کا یہ کھٹکا یوں اور بھی جاتا رہا کہ طلحہ اس وقت مدینہ سے باہر ہو گئے اور اب صرف پانچ آدمیوں میں عثمان کی طرف کثرت رائے تھرا ہو گئی اور حضرت عمر کی اسکیم کی یوں تکمیل ہو گئی، بنی ہاشم مغلوب ہوئے اور عثمان کے تقرر سے بنی امیہ غالب ہو گئے اور ان کی خاندانی نزاعوں کو ظاہر ہونے کا موقع مل گیا۔ اب متمول گروہ اور غالب جماعت مغلوب گروہ کے ساتھ ہر سلوک کر سکتی تھی اور بنی ہاشم و بنی امیہ کی عداوت قابل پوشیدگی نہیں۔

امیر المومنینؑ کا صبر اور بیعت عثمانی میں پھر وہی سقیفہ کا منظر۔ عبد الرحمن بن عوف کی سرگوشیاں جب مہاجرین وغیرہ سے ختم ہو چکیں اور نماز صبح تک یہ سرگوشیاں ہوتی رہیں تو عبد اللہ بن عمر نے اپنی رائے اسی وقت ان الفاظ میں ظاہر کی تھی

قال عمرو بن میمون قال لی عبد الله بن عمر یا عمرو من اخبرك انه یعلم ما کلم به عبد الرحمن ابن عوف علیا وعثمان فقد قال بغیر علم فوقع قضاء ربك علی عثمان

(طبری ص ۳۰ جلد ۵) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ اے عمرو جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ وہ ان باتوں کو جانتا ہے جو عبد الرحمن نے علیؑ اور عثمان سے کہیں تو اس نے بے جانے ہوئے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) اس کے لائے ہوئے دین سے عزت عطا کی ذرا خیال تو کرو اہلبیت اور نبی کے گھرانے کو چھوڑ کے تم خلافت کو کسکے سپرد کئے دیتے ہو۔

یہ سن کر ایک آدمی بنی مخزوم کا اٹھا اور اس نے جناب عمار کو بری طرح مخاطب کر کے کہا "اے سمیہ کے بیٹے تو اپنی حد سے بڑھا جاتا ہے، تجھے امارت قریش میں کیا دخل"۔ یہ رنگ محفل جو ہوا تو سعد نے عبد الرحمن سے کہا کہ بیعت میں جلدی کرو، ورنہ فتنہ برپا ہو جائے گا۔ آخر سیرت شیخین سے امیر المومنین نے انکار کیا اور عثمان نے اقرار کیا اور انھیں کی بیعت ہو گئی۔ یہ دیکھکے امیر المومنین نے فرمایا۔

لیس ھذا اول یوم تظاھرتم فیہ علینا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون واللہ ما ولیت عثمان الا لیرد الامر الیک ....

فقال المقداد ما رایت مثل ما اوتی الی اھل ھذا البیت بعد نبیھم انی لاعجب من قریش انھم ترکوا رجلا ما اقول ان احدا اعلم ولا اقضی منہ بالعدل اما؟ واللہ لو اجد علیہ اعواناً فقال عبد الرحمن یا مقداد اتق اللہ فانی خائف علیک الفتنۃ۔

یہ پہلا دن نہیں کہ جب تم نے ہم پر غلبہ حاصل کیا اور ہماری حق تلفی کی صبر جمیل کے سوا چارہ کار کیا ہو اور خدا معین و مددگار ہے، ان باتوں پر کہ جو تم کرتے ہو، خدا کی قسم اے عبد الرحمن تم نے عثمان کو خلیفہ نہیں بنایا مگر اسی لئے کہ خلافت تمہیں پلٹا دی جائے (بالکل وہی انداز اس وقت بھی تھے جو حضرت عمر نے ابو بکر کی خلافت کے لئے اختیار کئے تھے اس میں بھی لوگ یہی کہتے تھے کہ آج عمر نے ابو بکر کو خلیفہ بنایا اور کل یہ انھیں خلیفہ بنا دیں گے اور لوگوں کا یہ گمان صحیح بھی نکلا جیسا کہ بیان کیا جا چکا لشد ما تشطرا ضرعیھا کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔)

جناب مقداد نے کہنا شروع کیا کہ خدا کی قسم رسول کے بعد جو مصائب ان کے گھرانے پر پڑے وہ کسی گھرانے پر نہیں پڑے، مجھے تو بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ قریش نے اس شخص کو (علیؑ کو) کیونکر چھوڑا جس سے بڑھ کے نہ کوئی عدل کرنے والا ہے اور نہ جس سے زیادہ کوئی عالم ہے، اے کاش اسوقت ہمارے ساتھی اور مددگار ہوتے (تو اس خلافت میں مزہ آجاتا) یہ سن کر عبد الرحمن نے کہا "مقداد خدا سے ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ جنگ برپا ہو جائے یہ کیا کہہ رہے ہو مجھے تمہاری ان باتوں سے خوف فتنہ و فساد ہے"۔ (طبری ص۳۷ جلد پنجم طبع مصر) (ابن ابی الحدید ص۳۸) یہ تھی سرگزشت شوریٰ کی اسی مطلب کی طرف اور اسی جماعت کی طرف امیر المومنین نے اپنے خطبہ میں اس عبارت سے اشارہ فرمایا ہے۔ جعلنی فی جماعۃ زعم انی احدھم

کامل ابن اثیر میں بھی اس واقعہ کو درج بحرف باب شوریٰ و بیعت عثمان میں لکھا ہے اور حضرت مقداد کی گفتگو کا تذکرہ کیا ہے اور تاریخ ابو الفدا میں بھی یہ واقعات موجود ہیں بلکہ ابن وردی نے تتمۃ المختصر میں حضرت عمر کی اس بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو اچھی طرح حل کر دیا ہے اور جہاں اس نے موت حضرت عمر کا ذکر کیا ہے وہاں یہ عبارت لکھی ہے "وعہد بالخلافۃ الی النفر الذین مات رسول اللہ صلعم وھو عنھم راض وھم علی وعثمان وطلحۃ والزبیر وسعد بعد ان عرضھا علی عبد الرحمن بن عوف فابی"

ان پانچ آدمیوں میں جن سے (بقول حضرت عمر) رسول راضی تھا خلافت کو آپ نے منحصر کیا تھا، مگر یہ کب، اسوقت جب پہلے عبد الرحمن بن عوف کے سامنے خلافت کو پیش کر چکے تھے اور انھوں نے انکار کر دیا تھا یہی وجہ تھی کہ عبد الرحمن بن عوف کی رائے پر خلافت کا منحصر تھا اور یوں کہ ملا علی متقی نے کنز العمال میں یہ عبارت لکھدی عن اسلم ان عمر ابن الخطاب قال بایعوا لمن بایع لہ عبد الرحمن بن عوف فمن ابی فاضربوا عنقہ"

اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ اسکی بیعت کرنا جسکی بیعت عبد الرحمن کریں اور اگر کوئی اس سے انکار کرے تو اسے قتل کر دینا۔

فَيَا لِلّٰهِ وَ لِلشُّوْرٰی مَتٰی اعْتَرَضَ

(یا اللہ، رے بھلا) مجھے شوریٰ سے واسطہ اور (اس سے

الرَّيْبُ فِيَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْهُمْ

غرض) ؟ خلیفۂ اول (ابوبکر) کے مقابلہ میں مجھ میں

حَتّٰی صِرْتُ اُقْرَنُ اِلٰی هٰذِهِ

(میری حقیقت میں) کب شک پیدا ہوا تھا جو میں ان کم رتبہ لوگوں کے ساتھ شریک

النَّظَائِرِ لٰكِنِّيْ اَسْفَفْتُ اِذْ

کیا جاتا ہوں مگر جب وہ اپنے نیچے اُترے تو میں بھی ساتھ ساتھ (بلند ہوا ۔ جب وہ زمین پر منڈلانے لگے

اَسَفُّوْا وَ طِرْتُ اِذْ طَارُوْا

تو میں بھی ساتھ ساتھ جھکا (یعنی میں نے اپنا حق ان چھوٹوں میں بھی ویسے ہی طلب کیا جیسا ان کے بڑوں میں (اول و دوم) طلب کیا تھا

فَصَغٰی رَجُلٌ مِّنْهُمْ لِضِغْنِهٖ

اور شریک شوریٰ ہو گیا) (اے لیجئے) اس گڑبڑی میں ایک (سعد یا طلحہ) تو اپنے بغض وعناد کی وجہ سے مجھ سے پھر گیا

سلہ آپ فرماتے ہیں مجھے شوریٰ سے واسطہ " یعنی شوریٰ تو وہاں ہو جہاں کوئی منصوص من اللہ اور منصوص من الرسول نہ ہو۔ شوریٰ وہاں ہو جہاں سب برابر کے ہوں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ ہو مگر یہاں تو اس کا بالکل برعکس ہے مجھے افضلیت بھی حاصل ہے اور میرا حق بھی خلافت ہے، تو ایسے وقت میں شوریٰ کے کیا معنے شوریٰ تو وہاں ہو جہاں خلافت کا منصب چند افراد میں دائر ہو مگر جب سوا میرے کوئی حقدار نہیں، قرابت سبقت اسلامی، امداد دینی، نص نبوی کے اعتبار سے تو شوریٰ چہ معنی دارد؟ مگر خیر میں بھی اس رکیک امر (بزم شوریٰ) میں ان کا شریک ہو گیا تاکہ میری حجت قائم رہے اور حق کے مقابلہ میں باطل کی کار فرمائیاں دنیا دیکھ لے۔

سلہ آپ فرماتے ہیں کہ جب میرا حق ابوبکر کے مقابلہ میں واضح و روشن تھا جس کے لئے مجھ پر استبداد کیا گیا، تو ان لوگوں کے مقابلہ میں کیا جو قوم مخالفت کی نگاہوں سے ابوبکر سے کم وقعت رکھتے ہیں اور کم درجات رکھتے ہیں، اب مجھے آخر اس بزم شوریٰ میں کاہے کے لئے شریک کیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اپنے حق کا طلب

کوئی بری بات نہیں نہ کوئی عیب کا
لہٰذا میں نے اپنا حق جب وہ اکابر
میں تھا (ابوبکر و عمر وغیرہ) جب بھی
مانگا اور جب وہ ان کے اصاغر
(عثمان طلحہ عبدالرحمٰن وغیرہ) میں
آیا جب بھی طلب کیا۔
سلہ علامہ ابن ابی الحدید نے اس سے
طلحہ کو مراد لیا ہے۔ اور قطب راوندی
نے سعد بن ابی وقاص کو مراد لیا
ہے، مگر جو وجہ کینہ سعد کے لئے راوندی
نے لکھی ہے اس سے ابن ابی الحدید
نے اختلاف کیا ہے انھوں نے
یہ کہا تھا کہ چونکہ سعد کے باپ کو
علی ابن ابیطالب نے بدر میں قتل
کیا تھا لہٰذا اس کے دل میں علی کی
عداوت تھی، ابن ابی الحدید نے
اس بیان کی رد ان الفاظ کی ہے
کہ یہ راوندی کی لغزش ہے کیونکہ
سعد کا باپ ایام جاہلیت ہی میں
اپنی موت مرا تھا۔ البتہ سعد کا
بغض یوں صحیح ہو سکتا ہے کہ ان کی
ماں حمنہ بنت سفیان بن امیہ ابن
عبدالشمس تھیں اور وہ انھیں کے اخوال
تھے جو علی کی تلوار سے حروب اسلامی میں
قتل ہوئے لہٰذا سعد کے دل میں یہ
کینہ ہو سکتا ہے۔ علامہ میثم نے بھی
اس کینہ کش آدمی سے سعد ہی مراد لیا ہے
اور فرمایا ہے کہ اس کی قوی دلیل یہ ہے کہ باوجودیکہ
کہ تمام مہاجرین انصار نے خلافت ظاہری میں
علی ابن ابیطالب کی بیعت کی مگر سعد نے نہیں کی

بیدھا غیر مردود ولا محسود واما قولك انھم کرھوا ان تکون لنا النبوۃ والخلافۃ فان اللہ عزوجل وصف قومًا بالکراھیۃ فقال ذلك بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم فقال عمر ھیھات یا ابن عباس قد کانت تبلغنی عنك اشیاء کنت اکرہ ان افرك عنھا فتنزل منزلتك منی فقلت ماھی یا امیرالمومنین فان کانت حقا فما ینبغی ان تزیل منزلتی منك وان کانت باطلا فمثلی اماط الباطل عن نفسہ قال عمر بلغنی تقول انما صرفوھا عنا حسدا وظلما فقلت یا امیرالمومنین ظلمًا فقد تبین للجاھل والحلیم واما قولك حسدا فان ابلیس حسد آدم فنحن ولدہ المحسودون فقال عمر ھیھات ابت واللہ قلوبکم یا بنی ھاشم الا حسدا ما یحول وضغنا وغشا ما یزول فقلت مھلا یا امیرالمومنین لاتصف قلوب قوم اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا بالحسد والغش فان قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم من قلوب بنی ھاشم فقال عمر الیك عنی یا ابن عباس فقلت افعل فلما ذھبت لاقوم استحلی منی الحو طبری ج ۵ ص ۳۱

ملخص حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ رسولؐ کے بعد تمہارے یہاں خلافت کیوں نہیں گئی ابن عباس کہتے ہیں مجھے اس کا جواب دیتے ہوئے برا معلوم ہوا اور میں نے یوں کہا کہ اگر میں نہیں جانتا تو آپ مجھے بتا دیں گے، عمر نے کہا ہاں اسلئے کہ لوگوں کو برا معلوم ہوا کہ تم لوگوں میں خلافت اور نبوت دونوں چیزیں جمع ہو جائیں اور تم بہت خوش ہو اور کھل کھیلو، لہذا قریش نے اپنے لئے ایک خلیفہ منتخب کر لیا اور اس امر میں وہ ٹھیک راہ پر چلے اور موفق تھے، ابن عباس نے کہا کہ اگر آپ غصہ نہ کریں اور مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں تو میں بھی کچھ کہوں۔ عمر نے کہا کہو۔ ابن عباس نے کہا کہ آپ کا یہ فرمانا کہ قریش نے اپنے لئے خلیفہ

وَ مَالَ الْاٰخَرُ لِصِهْرِهٖ ، لہ

اور دوسرا عثمان کے بہنوئی ہونے کی وجہ سے لہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٢) یعنی عبدالرحمن بن عوف ان کو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بیاہی تھیں اور یہ ام کلثوم حضرت عثمان کی بہن تھیں ان کی ماں کی طرف سے۔ کیونکہ اروی بنت کریز عثمان کی ماں پہلے عقبہ بن ابی معیط سے منسوب تھیں جن سے ام کلثوم پیدا ہوئیں اور پھر عفان پدر عثمان سے منسوب ہوئیں جن سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان پیدا ہوئے۔

اسی سبب سے ابن عباس نے بھی امیرالمومنین سے عرض کی تھی کہ اب خلافت اسکیم حضرت عمر کے مطابق تمہیں نہیں مل سکتی اور عثمان کو ملے گی، کیونکہ صورت ہی ایسی واقع ہو گئی تھی اور نظام ہی ایسا قائم کیا گیا تھا، امیرالمومنین نے فرمایا کہ میں بھی یہ جانتا ہوں مگر شوریٰ میں شریک ہونگا کیونکہ حضرت عمر نے میرے متعلق بھی ایائے خلافت فرمایا ہے۔

(امیرالمومنین نے شوریٰ میں شرکت اس لئے کی تھی کہ عمر کے متضاد قول کا بھرم دنیا پر کھل جائے کیونکہ مرتے وقت تو انھوں نے یہ فرمایا کہ اگر علی خلیفہ ہونگے تو تم لوگوں کو راہ مستقیم پر لے جائیں گے اور ابن عباس سے یہ کہا تھا کہ بنی ہاشم میں اس لئے خلافت نہیں گئی کہ لوگوں کو یہ امر مکروہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور خلافت ایک ہی گھر میں جمع ہوں، اس واقعہ کے ثبوت میں چاہتا ہوں کہ علامہ ابن جریر طبری کی عبارت لکھ دوں تاکہ حضرت عمر کے اقوال کی ضدیت سامنے آجائے کہ جب عرب اجتماع خلافت ونبوت کو یکجا برا جانتے تھے تو آج آپ بزم شوریٰ میں علیؑ کو کیوں شریک فرما رہے ہیں اور کیوں دبی ہوئی زبان سے ان کے حق کا اقرار کر رہے ہیں اور کیوں ان کی خلافت کے لئے بھی کنایۃً اظہار کیا جاتا ہے اور پھر انکی "ظرافت مزاج" کی وجہ سے انکے لئے اس منصب کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ فقال یا ابن عباس اتدری ما منع قومکم منھم بعد محمد فکرھت ان اجیبہ فقلت ان لم اکن ادری فامیرالمومنین یدرینی فقال عمر کرھوا ان یجمعوا لکم النبوۃ والخلافۃ فتبجحوا بجحا بجحا فاختارت قریش لانفسھا فاصابت ووفقت فقلت یا امیرالمومنین ان تاذن لی فی الکلام وتمط عنی الغضب تکلمت فقال تکلم یا ابن عباس فقلت اما قولك یا امیرالمومنین اختارت قریش لانفسھا فاصابت ووفقت فلو ان قریشا اختارت لانفسھا حیث اختار اللہ عزوجل لھا لکان الصواب

گھرانے کے تھے جو اہل بیت کہے جاتے ہیں، اب اگر بقول مفسرین اہل سنت حضرت عائشہ وحفصہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں اور ان سے بھی رجس کو خداوند عالم نے ہٹایا ہے تو کیا ہے کہ حضرت عمر نے ابن عباس کے قول کی رد نہیں فرمائی اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ آیت اپنے دامن میں صرف بنی ہاشم ہی کو تھوڑی ہی لئے ہوئے ہے اور صرف ازحاب رجس انہیں سے تھوڑی ہی کرتی ہے بلکہ اس میں بنی تیم اور بنی عدی (عائشہ و حفصہ وغیرہ) بھی داخل ہیں یہ سن کر عمر نے کہا جاؤ ابن عباس میرے پاس سے اٹھ جاؤ (جواب بنی اس کے سوا کیا تھا) میں نے کہا اچھا جاتا ہوں یہ کہہ کے میں اپنی جگہ سے اٹھا تو حضرت عمر کو مجھ سے شرم آئی اور پچھتایا۔

مَعَ هَنٍ وَهَنٍ له

اور دیگر اغراض ناگفتہ بہ کی سبب سے مجھ سے پلٹ گیا (عبدالرحمن بن عوف)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٣) مقرر کر لیا اور اس بات میں وہ ٹھیک اور موفق تھے۔" اگر درحقیقت قریش نے اسی طرح کیا ہے اور چاہا ہے جیسا خدا نے چاہا تھا تو ضرور وہ ٹھیک راستے پر ہیں اور موفق ہیں نہ ان کا یہ کام مردود ہے اور نہ قابل حسد" رہ گیا آپ کا یہ فرمانا کہ لوگوں نے برا سمجھا کہ ہم میں نبوت وخلافت جمع ہوں، تو ایسے لوگوں کے لئے خدا نے یہ آیت نازل فرما دی ہے کہ کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم لوگوں نے اس چیز کو برا سمجھا جو خدا نے نازل فرمائی اور اس سے کراہت ظاہر کی تو خدا نے ان کے اعمال مٹا دئیے۔"

عمر نے کہا افسوس ہے ابن عباس میں نے تمہارے متعلق بہت سی باتیں سنیں کہ تم کہا کرتے ہو مگر میں نے کبھی اس کی تحقیق نہیں کی کہ کہیں تمہاری منزلت میرے دل سے کم نہ ہو جائے اور تم میری نگاہوں سے گر نہ جاؤ۔"

ابن عباس نے کہا آخر وہ کیا باتیں آپ نے سنیں اگر وہ حق ہیں تو میری منزلت آپ کے دل سے کیوں جانے لگی اور میں آپ کی نگاہوں سے کیوں گرنے لگا اور اگر وہ باطل ہیں تو مجھ ایسے آدمی نے باطل کو اپنے نفس سے کہیں دور رکھا ہے۔

عمر نے کہا میں نے یہ سنا ہے کہ تم کہتے پھرتے ہو کہ وہ ہم (لوگوں نے خلافت تمہیں حسد وظلم کی وجہ سے نہیں دی۔" ابن عباس نے کہا، ظلم کو تو ہر جاہل اور حلیم جانتا ہے، رہ گیا حسد تو وہ شیطان نے آدم سے کیا اور ہم آدم کی اولاد ہیں لہذا محسود ہیں۔" عمر نے کہا" خدا کی قسم اے بنی ہاشم تم لوگوں کا دل کینہ وحسد اور کھوٹ پنے سے باز نہیں آتا اور تمہارے دلوں میں یہی باتیں رہتی ہیں جو کبھی زائل نہیں ہوتیں۔

ابن عباس نے کہا ذرا چپ رہیے اور ایسا نہ فرمائیے اور ان لوگوں کے دلوں پر چوٹ نہ کیجئے جن سے اللہ نے رجس کو ہٹایا ہے کیونکہ رسول کا دل بھی بنی ہاشم میں شمار کیا جاتا ہے لہذا وہ بھی بنی ہاشم کے ساتھ ان صفات رذیلہ سے متصف ہوں گے۔

(اس جگہ پر ایک بات قابل غور ہے اور وہ یہ کہ بنی ہاشم سے بغض وحسد وغیرہ کو ابن عباس نے آیت تطہیر پڑھ کے دفع کیا اور استدلالی حیثیت سے اسی آیت کو حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گویا ان کے کلام میں اس کی نص تھی کہ رسول بنی ہاشم سے ہیں اور یہ آیت جن کے لئے نازل ہوئی وہ افراد اسی

حاشیہ صفحہ ہذا

له یعنی صرف اس ازار بندی رشتہ داری ہی کی وجہ سے عبدالرحمن نے مخالفت نہیں کی بلکہ ان کے دیگر اغراض بھی اس میں شامل تھے مثلاً یہ کہ عبدالرحمن کو یہ خیال تھا کہ آج ہم عثمان کے ساتھ اگر یہ سلوک کریں گے تو کل وہ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کریں گے جس کا اظہار امیرالمومنین نے اپنے اس فقرہ میں فرمایا ہے "واللہ ما ولیت عثمان الا لیرد الامر الیک" خدا کی قسم اے عبدالرحمن تم نے عثمان کو خلیفہ نہیں بنایا مگر اس امید میں کہ کل تم خلیفہ بنائے جاؤ۔" (طبری ص۳۰ جلد پنجم) بہرحال مع هن وهن میں تمام وہ باتیں شامل ہیں جن کا اظہار شرمیں ہو کیونکہ عرب میں یہ فقرہ ایسے ہی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، ناگفتہ بہ اس لئے بھی تھیں کہ اس کے اندر [illegible] حضرت عمر کی سمجھائی ہوئی شکل تھی اس لئے بھی کہ ظاہر میں بزعم شوریٰ تھی مگر عبدالرحمن نے سعد وغیرہ سے جو در پردہ گفتگو کی تھی اس میں کچھ اور ہی پایا تھا اگر شوریٰ اور مشورت ہی پر ان امور کا طے پانا متعین تھا تو یہ مخفی گفتگو کس لئے تھی جو درحقیقت ایک قسم کی "کانسپریسی" (CONSPIRACY) کہی جاسکتی ہے۔

فقال ابوهلال العسكری فی کتاب الاوائل استجیبت دعوة علی فی عثمان وعبد الرحمن فما ماتا الا متهاجرین متعادیین وارسل عبد الرحمن الی عثمن یعاتبہ وقال لرسولہ قل لہ لقد ولیتک ما ولیتک من امر الناس وان لی لامور ما هی لک شهدت بدرا وما شهدتها وشهدت بیعة الرضوان وما شهدتها وفررت یوم احد وصبرت ....

....

.... الخ

ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ علیؑ کی بددعا عثمان اور عبد الرحمن کے متعلق درگاہ باری میں قبول ہوگئی اور دونوں نہیں مرے مگر کیے ایک دوسرے کا دشمن تھا اور دونوں میں قطع تعلق تھا اور دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے تھے، عبد الرحمن نے عثمان کے پاس عتاب کرتے ہوئے اپنے فرستادہ سے کہلا بھیجا کہ عثمان سے جا کے کہنا خیر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا اور تم خلیفہ بن گئے مگر ہم میں چند فضیلتیں ایسی ہیں جو تم میں نہیں پہلی یہ فضیلت کہ ہم بدر کی جنگ میں شریک تھے اور تم غائب تھے، دوسرے یہ کہ ہم بیعت رضوان میں موجود تھے اور تم نہ تھے، تیسرے یہ کہ تم احد کی جنگ سے بھاگے اور ہم نہیں ہٹے۔"

عثمان نے ان باتوں کے جوابات دئے کہ میں فلاں فلاں کام سے ان مقامات سے غیر حاضر تھا رہ گیا بھاگنا تو اس کو خدا نے معاف کر دیا

لہذا یہ عیوب عیوب نہیں تمہیں میرے عیب تو یاد رہے اور تم اپنے گناہوں کو بھول گئے، ایسے گناہ جنھیں تم خود بھی نہیں جانتے۔"

اِلیٰ اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجًا حِضْنَیْهِ

(غرضکہ) قوم کا تیسرا آدمی (عثمان) متکبرانہ

۵۱ نافجاً حضنیه .... کس قدر بے مثل استعارہ صرف فرمایا ہے جو تکبر کے معنے الگ دیتا ہے اور اونٹ کے صفات خاصہ (وہ جو بہائم میں ہوتے ہیں) الگ ظاہر کرتا ہے، در حقیقت اونٹ کو یا بہائم کو سوا اپنا پیٹ بھرنے اور پھلانے کے کوئی دوسری فکر نہیں ہوتی انھیں صرف کھانے اور ہگنے سے مطلب ہوتا ہے، انھیں لید اور گوبر (افعال وصفات رذیلہ) سے کوئی اجتناب نہیں ہوتا وہ ہر وقت چارہ کی فکر میں رہتے ہیں اور گندے اور بدبودار مقامات پر کھڑے ہوتے ہیں۔ بالکل یہی مثال اس وقت تھی کہ بیت المال اپنے اور اپنے خاندان والوں پر صرف ہو رہا تھا اور عیوب اس ذات کو چاروں طرف سے یوں گھیرے ہوئے تھے جیسے کوئی اونٹ یا گھوڑا اپنی مینگنیوں یا لید میں کھڑا ہو، سامنے چارہ ہو اور ادھر ادھر فضلہ اور بیچ میں خود، خیر غیروں کو تو یہ عیوب نظر ہی آتے تھے، اپنوں کو بھی دکھائی دینے لگے اور عبد الرحمن بن عوف نے بھی اپنی سعی و کوشش پر کف افسوس ملا، ملاحظہ ہو

لما بنی عثمان قصره طمار والزوراء وصنع طعاماً كثيرا ودعا الناس اليه كان فيهم عبد الرحمن بن عوف فلما نظر الى البناء والطعام قال يا ابن عفان لقد صدقنا عليك ما كنا نكذب فيك وانى استعيذ بالله من بيعتك فغضب عثمان وقال اخرجه يا غلام فاخرجوه وامر الناس ان لا يجالسوه فلم يكن يأتيه احدا (ابن ابی الحدید صفحہ ۳۹ طبع طہران جلد اول)

جب عثمان نے اپنے محل "طمار" اور "زوراء" بنوائے تو خوب کھانے بھی پکوائے اور تمام لوگوں کو دعوت ولیمہ دی ان لوگوں میں عبد الرحمن بن عوف بھی شامل تھے جب عبد الرحمن نے اس قصر بلند کو دیکھا اور کھانے پر نظر کی تو کہا اے عفان کے بیٹے درحقیقت ان باتوں کی آج ہم نے خود تصدیق کرلی جو تمہارے متعلق سُنی جاتی تھیں اور جن کو ہم جھٹلایا کرتے تھے اور (اب) میں تمہاری بیعت کے متعلق خدا سے پناہ مانگتا ہوں، یہ سن کر حضرت عثمان کو غصہ آیا اور اپنے غلام سے کہا کہ عبد الرحمن بن عوف کو نکال باہر کرو اور فرمان جاری کر دیا کہ کوئی ان کے پاس نہ بیٹھے یوں گویا عبد الرحمن کا بائیکاٹ کیا گیا۔

دراصل یہ منافرت جو سامنے ہوئی ہیں، باوجود اتحاد شدید پیدا ہو گئی تھی یہ امیر المومنینؑ کی اسی بددعا کا اثر تھا جو بزم شوریٰ میں آپ نے کی تھی، مورخین اس کے خود قائل ہوئے ہیں، چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید نے صفحہ ۳۹ پہ یہ عبارت لکھی ہے۔

جیب خاص کا ہے تو میں لینا نہیں چاہتا۔ انھیں واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو ہزاروں ہیں امیر المومنین شاکی فرماتے ہیں کہ مسلمین اور خدا کا مال یوں کھایا جانے لگا جیسے اونٹ فصل ربیع کی گھانس بڑی خوشی اور مزہ کے سے چرتا ہے، ربیع کی گھانس اس لئے بخوشی چرتا ہے کہ وہ ایک زمانہ دراز کی خشکی کے بعد اگتی ہے، جس طرح مدتوں کے بعد کوئی مطلوب شے ملے اور اس پر نگاہ للچائی ہوئی پڑتی ہے اور بہیمیت کا تقاضا ہوتا ہے کہ جلدی جلدی کھا کے پیٹ بھر لو، بلکہ کچھ بھوک سے زیادہ بھی کھا جاؤ۔ بعینہ وہی حالت اس وقت عہد مذکور کی تھی۔

ابن ابی الحدید نے ان واقعات میں اور اضافہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "ثالث قوم" سے مراد عثمان بن عفان ہیں، اور سلسلہ نسب یوں ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کی کنیت ابو عمرو تھی ان کی ماں اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب عبد شمس تھیں، یہ پہلے ایک یہودی کو منسوب تھیں اس کے بعد عفان سے منسوب ہوئیں جیسا کہ مورخ مسعودی صاحب مروج الذہب نے لکھا ہے ان کے بارے میں حضرت عمر کی فراست صحیح نکلی اور وہی ہوا کہ انھوں نے خلیفہ ہوتے ہی مال خدا کو اپنے اور اپنے اقربا میں تقسیم کرنا شروع کیا (جب حضرت عمر کی فراست اس درجہ صحیح ہونے والی تھی جیسا کہ خود حضرت عمر کا بھی خیال تھا تو وہ کیا مجبوری تھی جس سے حضرت عمر نے اسی بات پر زور دیا تھا کہ خلیفہ عثمان ہی ہوں جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مترجم)

ارمنیہ ان کے عہد میں فتح ہوا اور اس کا خمس سب کا سب مروان کو عثمان نے دیدیا، چنانچہ اس کے متعلق عبد الرحمن بن حنبل جمحی نے شکایتانہ اشعار بھی کہے ہیں جن کا ایک شعر یہ ہے۔

اعطیت مروان خمس البلا   فهيهات سعيك ممن سعى (تم نے مروان کو خمس کی رقم پوری دیدی کتنی بری تمہاری یہ کوشش ہے۔)

حُضْنَيْهِ بَيْنَ نَثِيلِهِ وَ مُعْتَلَفِهِ [1]

انداز   میں پیٹ پھلا کے اپنے چارہ اور لید کی (بیچ یالیدہ) میں کھڑا ہو گیا

وَقَامَ مَعَهُ بَنُوا أَبِيهِ يَخْضِمُونَ مَالَ اللهِ

اور اسکے ساتھ ہی ساتھ اسکے باپ کی اولاد (بنی امیہ) کھڑی ہو گئی اور خدا کا مال

[1] یعنی عہد ثالث میں مال بیت المال جو خدا کا مال تھا لٹنے لگا اور بنی امیہ اور اقربائے عثمان پر صرف ہونے لگا۔

(۱) چار لاکھ صرف کرکے بعض افراد کی تزویج کی گئی۔

(۲) جب افریقہ فتح ہوا تو مروان بن حکم کو ایک لاکھ اشرفیاں دی گئیں اور بقول بعض مورخین خمس افریقہ اس کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

(۳) ابو موسیٰ اشعری نے بہت سا مال و متاع بصرے سے بھیجا وہ بجائے اس کے کہ بیت المال میں جمع ہوتا اور مسلمین کے کام آتا سب کا سب عثمان کی اولاد و اقربا میں بٹ گیا، یہ واقعہ زیاد بن عبید جو حارث بن کلاہ کا غلام تھا اس کے سامنے ہوا وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس تغلب و تصرف پر رونے لگا۔

(۴) حکم بن ابی العاص جس کو رسولؐ نے شہر بدر کر دیا تھا اسے واپس بلا لیا اور صدقات بنی قضاعہ ان کے سپرد کر دئے جن کی انتہا تین لاکھ دینار تھی جب حکم بن ابی العاص ان صدقات کو لیکے آیا تو آپ نے سب مال اسی کو ہبہ کر دیا۔

(۵) یوں ہی بڑے بڑے محل اپنے اور مروان کے لئے تیار کرائے۔

(۶) عبد اللہ بن خالد بن اسید جب عثمان کے پاس آئے تو بروایت ابی مخنف، ان کو تین لاکھ اور ان کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ دیا گیا، عبد اللہ بن ارقم جو اس وقت خزانہ دار بیت المال تھے انھیں یہ بیجا بھی معلوم ہوا اور انھوں نے بیت المال کی کنجیاں منبر پر لا کے رکھ دیں اور واپس کر دیں حضرت عثمان نے اپنے غلام نائل کے سپرد کر دیں اور اسے خازن بنا دیا۔ جب عبد اللہ بن ارقم نے لب اعتراض کھولے تو عثمان نے فرمایا کہ تمہارا اجارہ تم سے مطلب تم تو صرف خزانہ دار ہو ان باتوں میں دخل دینا تمہارا کام نہیں۔

واقدی نے لکھا ہے کہ زید بن ثابت کے ہاتھوں عبد اللہ بن ارقم کے لئے تین لاکھ درہم عثمان نے اس واقعہ کے بعد بھجوائے اور اصرار کیا کہ انھیں لو اور اپنے اہل و عیال میں صرف کرو مگر عبد اللہ بن ارقم نے یہ کہہ کے پلٹا دیا کہ اگر یہ بیت المال کا ہے تو میں اس کا مستحق نہیں اور اگر عثمان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶) عبداللہ بن خالد بن اسید کو چار لاکھ درہم انعام میں دئے، حکم بن عاص مرودِ رسولؐ اور طریدِ رسولؐ کو مدینہ میں بلایا اور ایک لاکھ اسے دیا۔ مدینہ کی بازار "مہروز" کی آمدنی جو رسولؐ نے مخصوص مسلمین کو دی تھی وہ مروان کے بھائی حارث بن حکم کو دیدی ۔ فدک جس کو سیدہ صلوات اللہ علیہا نے کئی بار مانگا اور جو رسولؐ اپنی بیٹی کو دے چکے تھے وہ انھیں تو نہ ملا کیونکہ حدیث احاد کی فوج سے حق و صداقت کا قلعہ فتح کیا گیا تھا اور "نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ" والی حدیث جو صرف حضرت ابوبکر کے کان میں رسولؐ نے کہی تھی اس کی وجہ سے سیدہؑ محروم کردی گئی تھیں، مگر مروان بن حکم بغیر کسی کوشش کے "فدک" کا مالک بن بیٹھا اور عثمان نے اپنی رشتہ داری کا کافی خیال کیا (ذوی القربیٰ کا حق دینا قرآن کی تعلیم ہے، اپنے جتھے اور اپنے قبیلہ کی خبر لینا بشرطیکہ حق سے متجاوز نہ ہو" اخلاقی فریضہ ہے، مگر کاش یہ جذبہ عثمان ہی کے دل میں اس وقت پیدا ہوا ہوتا جب رسولؐ کی پارۂ جگر باپ کے غم کے پہاڑ میں دبی ہوئی اپنا حق بڑی لجاجت سے مانگ رہی تھی، اس وقت کچھ حضرت عثمان ہی بولتے مگر افسوس ـــ کاں رفت بہ بیدینی و دنیا طلبی" مدینہ کی تمام چراگاہیں مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دی گئیں اور صرف بنی امیہ کے لئے ان کا مصرف باقی رکھا گیا۔ ابن ابی سرح کے لئے تمام وہ مال مخصوص کر دیا گیا جو فتح افریقہ میں ملا تھا اور کسی مسلمان کو اس میں سے ایک حبہ نہ دیا گیا۔ ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ بیت المال سے دئے اور اسی روز مروان بن حکم کو ایک لاکھ (گویا سلام کرائی) میں دئے کیونکہ "ام ابان" عثمان کی لڑکی سے مروان کا عقد کیا تھا اور اب وہ داماد بھی تھا۔ زید بن ارقم نے جب یہ رنگ دیکھا تو خزانہ کی کنجیاں لیکے آگئے اور رو رہے تھے، عثمان نے کہا سبحان اللہ تم کو اس بات پر رونا آتا ہے کہ میں اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہوں، زید نے کہا نہیں اس بات پر تو رونا نہیں آتا مگر اس بات پر روتا ہوں کہ جو تھوڑا بہت آپ نے اسلام کی مد میں خرچ کیا تھا اس سے کہیں زیادہ آپ وصول کئے لیتے ہیں، آپ نے مروان کو یہ کچھ دے ڈالا، میرے نزدیک دو سو درہم بھی اس کے لئے زیادہ ہیں" ـــــ عثمان نے کہا اچھا یہ بات ہے، تو خزانہ کی کنجیاں ڈالدیجئے اور اپنے گھر کی راہ لیجئے۔
ابوموسیٰ اشعری نے بصرہ سے بہت زیادہ مال بھیجا وہ سب کا سب اپنی اولاد اور اقربا میں بانٹ دیا، حارث بن حکم برادر مروان کی شادی اپنی دوسری لڑکی عائشہ سے کی اور ایک لاکھ انھیں بھی بیت المال سے دئے ۔ بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں بنی امیہ کو عطا کیں، غرضکہ جو کچھ تھا وہ بنی امیہ کے لئے تھا اور مسلمانوں کا اس میں کوئی حق نہ تھا پھر بنی ہاشم کس شمار میں آسکتے تھے۔
حضرت عثمان کا اقرار کہ حضرت عمر بھی اپنے عہد میں ایسے ہی تصرفات کیا کرتے تھے چنانچہ

جب آپ پر مہاجرین وانصار اصحاب نبیؐ کی لے دے ہوئی تو آپ نے بر سر منبر بیان فرمایا اما واللہ یا معشر المہاجرون والانصار لقد عبتم علی اشیاء ونقمتم امورا قد اقررتم لابن الخطاب مثلہا ولکنہ وقمکم وقمعکم ولم یجترئ احد یملاء بصرہ منہ ولا یشیر بطرفہ الیہ
(الامامہ صہ ۱۳ ۔ طبع مصر)
خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین انصار تم نے مجھ پر ان باتوں کا عیب لگایا ہے اور ایسے امور کا انتقام لینا چاہا ہے جس پر تم عہد عمر میں راضی تھے وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے (مگر تم چپ تھے) کیونکہ انھوں نے تمہاری سرکوبی اچھی طرح کر دی تھی اور تم میں سے کسی ایک کو بھی یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ ان کو آنکھ بھر کے دیکھے یا ان کی طرف نگاہ اٹھائے۔"
(حضرت عثمان سے زیادہ کون ماہر ہوگا عہد خلافت ثانی کے واقعات کو ان سے بہتر کون جانے گا وہ خود گواہ ہیں کہ اس عہد میں بھی لوگوں کے حقوق پامال کئے جاتے تھے اور اصحاب نبی خاموشی سے دیکھا کرتے تھے۔ مترجم)

قتل نہ ہوگا مگر انھوں نے ایک نہ مانا اور مدینہ کو چھوڑ دیا، پھر اس کے بعد خون عثمان کا بدلہ لینے کے بہانے جنگ جمل قائم کی۔ حضرت عائشہ کے دل میں خواہش
بھی تھی کہ طلحہ ہی خلیفہ ہو جائیں اگر عبداللہ بن زبیر نہ ہوں کیونکہ یہ حضرت ابوبکر کے عزیز بھی تھے ہم قبیلہ بھی، اور حضرت عائشہ کو ان سے بہت خلوص تھا چنانچہ
انھیں کے کہنے سے آپ گھر سے باہر
نکلیں اور جنگ جمل میں قیام فرمایا
اس مطلب کو عبداللہ بن عباس سے
وہی زبان سے کہا بھی تھا اور عثمان
کے خلاف انھیں آمادہ بھی کیا تھا۔
وخرج ابن عباس فمر بعائشة
فی الصلصل فقالت یا ابن عباس
انشدك الله فانك قد اعطیت
لسانا اذ عیلان تخذل عن
هذا الرجل وان تشكك فیه
الناس فقد بانت لهم بصائرهم
.... وقد رایت
طلحة بن عبد الله قد اتخذ
علی بیوت الاموال والخزائن
مفاتیح فان یلی یسیر بسیرة
ابن عمه ابی بكر۔
(طبری ص۱۴۰ جلد ۵

....

ابن عباس مدینہ سے نکلے عائشہ سے
مقام صلصل میں ملاقات ہوئی عائشہ
نے کہا کہ ابن عباس اللہ نے تمھاری
زبان میں اثر دیا ہے اور تم بڑے
مقرر ہو تمہیں خدا کی قسم عثمان کے
خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرو اور
ابھارو اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی
تقریروں سے عثمان کو مشکوک بناؤ
اور اب تو معاملہ صاف نظر آتا ہے
آنکھوں سے پردہ اٹھ گئے ہیں، ہم نے
یہ بھی دیکھا کہ طلحہ نے بیت المال پر
قبضہ کر لیا اور خزانوں کی کنجیاں ان کے
ہاتھ میں ہیں، میں تو سمجھتی ہوں کہ
اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو اپنے ابن عم
ابوبکر کے قدم بہ قدم چلیں گے۔ ادھر ام المومنین یہ سب کر رہی تھیں اور ادھر طلحہ و زبیر اس گھات اور اس کوشش میں تھے کہ خلافت ان کو مل جائے
چنانچہ انھوں نے قتل عثمان میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا کیونکہ عثمان کے جیتے جی اس مطلب میں کامیابی محال تھی۔ تمام لوگوں کو خط لکھے، برانگیختہ

خَضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِیْعِ اِلٰی اَنِ انْتَکَثَ

خوب چبا چبا کر کھانے لگے۔ جیسے اونٹ فصل ربیع کی گھاس کھاتا ہو۔ یہاں تک کہ ان بٹی ہوئی رسی کے (بٹی

عَلَیْهِ فَتْلُهٗ وَ اَجْهَزَ عَلَیْهِ عَمَلُهٗ وَ کَبَتْ بِهٖ بِطْنَتُهٗ

ہوئی رسی کے) بھی بل کھل گئے اور انھیں انکے کرتوتوں نے مارا (اپنے کیے کی سزا کو پہونچ گئے)

اور انکی بدہضمی نے انھیں منھ کے بل گرا دیا (یعنی قتل کر دیے گئے)

۵۱ آخر پیمانہ صبر مہاجرین و انصار لبریز ہو گیا، اور عثمان کے خود غرضانہ رویہ کو دیکھ کے اور ان کے بے جا مظالم کو محسوس کر کے ہر شخص ان سے بد دل نظر آنے لگا اور ان کی موت کو ان کی زندگی پر ترجیح دینے لگا۔

جو سلوک اصحاب نبی سے حضرت عثمان نے کئے وہ اس مالی تغلب کے علاوہ تھے، مثلاً ابن مسعود کی پسلیاں توڑ دانا، عمار یاسر کی زد و کوب کرنا، ابوذر کو مدینہ سے ربذہ کی طرف جلا وطن کرنا، ولید بن عقبہ پر باوجود شراب نوشی حد نہ جاری کرنا، مہاجرین و انصار سے کسی بات میں رائے نہ لینا اور صرف بنی امیہ کی افراد پر اعتماد کرنا انھیں سے مشورہ کرنا انھیں کو عطا کرنا، دوسروں کو جو حقیقتاً مستحق تھے محروم کر دینا وغیرہ وغیرہ، دیکھو کتاب الامامہ طبری، کامل، ابن ابی الحدید، تاریخ خمیس وغیرہ۔

حضرت عثمان کے قتل کا فسانہ بہت طویل ہے مگر اس جگہ پر مختصر ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ آپ کے ان افعال و عادات سے تمام مہاجرین و انصار نالاں تھے، خود حضرت عائشہ آپ کی خلافت سے ناراض تھیں، چنانچہ مورخین نے اس کو لکھا ہے اور محمد بن عبدہ مصری نے بھی شرح نہج البلاغہ کرتے ہوئے اسے درج کیا ہے کہ عائشہ نے رسول کی جوتیاں اور قمیص نکالی اور کہا لوگوں دیکھو رسول کی قمیص ابھی پرانی نہیں ہوئی اور ان کی سنت عثمان کے ہاتھوں بدل گئی، اس نعثل کو (عثمان کو) قتل کر ڈالو خدا اسے قتل کرے۔ حضرت عائشہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ بن زبیر کو خلافت ملے کیونکہ آپ انھیں بہت محبوب رکھتی تھیں، اور چونکہ آپ کے باپ کو خلافت نماز پڑھانے سے ملی تھی لہذا آپ نے بھی عبداللہ بن زبیر سے امامت کرائی اور یوں کہ زبیر کو ان کے پیچھے پڑھنا پڑا اور حضرت عائشہ نے اختلاف کو دیکھتے ہوئے مروان سے کہا اترید ان تفرق امرنا لیصل ابن اختی فکان یصلی بهم عبدالله بن الزبیر (طبری جلد ۵ ص ۱۶۹) کیوں مروان تو چاہتا ہے کہ ہمارے کام میں کھنڈت پڑے نماز کوئی نہ پڑھائیگا صرف میرا بھانجا عبداللہ بن زبیر امامت کرے گا چنانچہ یہی ہوا۔

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت عائشہ کو مروان نے روکا تھا کہ آپ اس وقت حج کو نہ جائیے تو عثمان کا

CamScanner

زبیر و طلحہ دونوں کو یہ امیدیں تھیں کہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں گے اور خلافت انھیں ملے گی۔ مہاجرین و انصار و اصحاب رسول سب عثمان کا قتل چاہتے تھے اور قاتلوں میں نظر آئے گا کہ یا تو صحابی ہے یا تابعی فلم یبق احد من اهل المدینة الاحنق علی عثمان (الامامۃ ص۳۹) مدینہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کے دل میں عثمان سے بغض و کینہ پیدا ہو گیا ہو۔

طلحہ نے جو خط بھجوایا تھا اور جو مہاجرین و انصار کی طرف سے تھا وہ بھی اس امر پر گواہ عادل ہے اس کی عبارت یہ تھی۔

بسم الله الرحمن الرحیم من المهاجرین الاولین و بقیة الشوری الی من بمصر من الصحابة والتابعین اما بعد ان تعالوا الینا وتدارکوا خلافة رسول الله قبل ان یسلبها اهلها فان کتاب الله قد بدل وسنة رسوله قد غیرت الخ (ص۳۷ الامامۃ)

یہ نامہ ہے مہاجرین اولین اور بقیۂ شوریٰ کی طرف سے ان صحابہ و تابعین کے نام جو مصر میں ہیں۔ آؤ آؤ اور خلافت رسول کی خبر لو قبل اس کے کہ اس کے اہل اسے سلب کر لیں کیونکہ یقیناً خدا کی کتاب بدل دی گئی اور سنت رسول میں تغیر پیدا ہو گیا۔

بعد از سر من "کن فیکون" "شد" شدہ باشد۔ بہر حال تمام اصحاب رسول تمام مہاجرین تمام تابعین مدینہ والے بصرہ والے کوفہ والے مصر والے اور ایک حیثیت سے شام والے اور تمام عراق والے اس بات پر اجماع کئے ہوئے تھے کہ عثمان کا قتل واقع ہونا چاہیئے، یہ اجماع، اجماع سقیفہ سے کہیں زیادہ تھا اور ایسا کہ جو قتل عثمان کو صحیح اور برمحل ثابت کر رہا ہے کیونکہ اجماع سے بڑھ کے کوئی دلیل قوی نہیں سمجھی جاتی اور بار بار یہ پانچ حرف (اجماع) مقام استدلال میں پیش کئے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان کا قتل مہاجرین و صحابہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٨) کیا اور ایک آگ عثمان کے خلاف لگا دی، عثمان کے قاتلوں سے ملے رہے خود حضرت عثمان کو یقین تھا کہ طلحہ کا کیا دھرا سب کچھ ہے اور وہ میرے قتل میں شریک اور معاون ہیں۔ مر طلحة بن عبید الله فوقف فقال این ابن عدیس فقیل هاهو ذا قال فجاءه ابن عدیس فناجاه بشی ثم رجع ابن عدیس وقال لاصحابه لا تترکوا احدا یدخل علی هذا الرجل ولا یخرج من عنده فقال لی عثمان هذا ما امر به طلحة بن عبید الله ثم قال عثمان اللهم اکفنی طلحة بن عبید الله فانه حمل علی۔ (طبری ص۱۲۲ جلد ۵ طبع مصر و کامل ابن اثیر)

عثمان گھرے ہوئے ہیں دشمنوں کا ہجوم ہے، صحابی رسول ابن عدیس اور ان کے ساتھی دوسرے اصحاب رسول قتل عثمان کی تاک میں ہیں کہ اتنے میں طلحہ ادھر سے گزرے اور انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ ابن عدیس کہاں ہیں لوگوں نے کہا یہ کیا کھڑے ہوئے ہیں، پھر طلحہ نے ابن عدیس سے چپکے چپکے کان میں باتیں کیں اور چلے گئے ابن عدیس اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے اور کہا دیکھو نہ کوئی شخص اب عثمان کے پاس جانے پائے اور نہ ان کے گھر سے کوئی نکلنے پائے، راوی کہتا ہے کہ عثمان نے مجھ سے کہا کہ دیکھو یہ طلحہ کی کارستانی اور ان کا حکم ہے جو انھوں نے ابن عدیس کو دیا ہے، پھر خدا کی طرف رجوع کی اور کہا پروردگارا مجھے طلحہ کے شر سے بچا۔

بصرہ والوں کو طلحہ ہی نے خطوط لکھے تھے کہ عثمان کو قتل کر دو اور ان کے خلاف طلحہ ہی نے ابھارا تھا واتاهم رجل من اشراف البصرة بکتاب کتبه طلحة فی التالیب علی قتل عثمان الخ ایک شخص اشراف بصرہ میں سے آیا اور اس نے وہ خط نکال کے پیش کیا جو طلحہ نے بصرہ والوں کو قتل عثمان کے لئے لکھا تھا۔ الامامۃ ص۷۰

یوں ہی مصر والوں کو بھی آپ نے لکھا تھا مالک اشتر کو بھی آپ نے لکھا تھا چنانچہ اس کا بھی ذکر علامہ دینوری نے اپنی کتاب میں کیا ہے (الامامۃ ص۳۶) لوگوں کی آوازیں بھی بلند تھیں اور گواہیاں دے رہی تھیں کہ طلحہ و زبیر ہی اس قتل کے بانی ہیں وقد کان منکما فی عثمان من التحبیب والتالیب مالا ینکره جحود (الامامۃ ص۶۳) تم دونوں نے "طلحہ و زبیر" عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارا اور اب اس سے انکار کرنا کچھ کام نہیں دے سکتا۔ یا ابا محمد انکم قتلتم عثمان۔ یا طلحة انکم قتلتم عثمان (الامامۃ ص۶٦) اے طلحہ تم نے عثمان کو قتل کیا وغیرہ وغیرہ۔ وطلحة یحرض الفریقین علی عثمان طلحہ دونوں فریقوں کو عثمان کے خلاف ابھار رہے تھے (الامامۃ ص۳۹) ورجا الزبیر و طلحة ان یمیلا الیهما قلوب الناس (الامامۃ ص۳٦)

جب معاویہ مدینہ میں آیا ہے اور حضرت عثمان کا معاملہ اچھل پچھا تھا تو ایک روز عثمان، معاویہ اور کعب ساتھ ساتھ تھے کہ اتنے میں ایک حدی خوان نے حدی پڑھنی شروع کی اور ان اشعار میں اپنے مکنونِ قلب کا اظہار کیا جو اس وقت کی موجودہ فضا پر روشنی ڈال رہے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) ہاتھوں ہو گیا اور ان کی جان گئی اب چاہے جنگ جمل قائم کیجئے خواہ جنگ صفین مگر یہ دھبہ کسی تیز دھار سے بھی چھڑایا نہیں جاسکتا، چاہے وہ میدان جنگ میں خون ہی کی دھار سے کیوں نہ ہو۔ اور مہاجرین کی مخالفت چھپائے نہیں چھپتی چاہے دنیا کے دکھانے کے لئے جنگ قائم کیجائے اور انتقام خون عثمان کا رنگ تلواروں کی آب میں دیا جائے۔

مہاجرین و انصار اہل مدینہ اگرچہ سب صحابی رسولؐ تھے مگر حضرت عثمان کو ان کی دشمنی کا اتنا یقین تھا کہ آپ کے نزدیک وہ سب کے سب کافر اور مرتد تھے چنانچہ آپ نے اپنے ان خیالات کا اظہار اس نامہ میں فرمایا ہے جو معاویہ کو لکھا تھا اس وقت جبکہ آپ پر راہ چارہ مسدود ہو چکی تھی۔ آپ لکھتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد فان اہل المدینۃ قد کفروا واخلفوا الطاعۃ ونکثوا البیعۃ فابعث الی من قبلک من مقاتلۃ اہل الشام علی کل صعب ذلول فلما جاء معاویۃ الکتاب تربص بہ وکرہ مخالفۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم وقد علم اجتماعھم فلما ابطاء امرہ علی عثمان کتب الی یزید بن اسد بن کرز والی اہل الشام یستنفرھم و یعظم حقہ علیھم الخ

(طبری ص۱۱۵ جلد ۵ طبع مصر)

(اے معاویہ!) اہل مدینہ کافر ہو گئے اور انھوں نے نافرمانی کرنی شروع کی اور بیعت کو توڑ ڈالا لہٰذا اہل شام کا لشکر اپنی طرف سے تیز رو ناقوں پر روانہ کرو (تاکہ وہ میری مدد کریں) معاویہ کو خط ملا رہ تو کچھ اور ہی چاہتے تھے) مگر انھوں نے کوئی اعتنا نہیں کی اور ٹھہرے رہے یہ بھی معاویہ کو برا معلوم ہوا کہ وہ اس امر میں اصحاب رسولؐ کی مخالفت کریں جبکہ ان کا اجماع قتل عثمان پر ہو چکا ہے۔ جب مدد کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو عثمان نے دوسرا خط یزید بن اسد بن کرز کو اور دیگر اہل شام کو لکھا جس میں وہ اپنی مدد پر ان لوگوں کو برانگیختہ و آمادہ کر رہے تھے اور اپنے حقوق جتا رہے تھے۔

معاویہ کا کمک نہ بھیجنا اور مدد نہ کرنا اس کو سوا اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ خود پوشیدہ حیثیت سے قتل عثمان چاہتے تھے اور کیوں کر ایسا نہ ہوتا درآنحالیکہ حضرت عمر کی وصیت میں اس بات کی طرف اشارہ بھی تھا، اس کے ماسوا معاویہ کو خلافت کی خواہش مدتوں سے تھی اور وہ مختلف تدبیریں اس امر کے متعلق اختیار کر رہا تھا نیز یہ بھی کہ کاہنوں کے اخبار پر بھی اسے پورا بھروسہ تھا اور وہ سمجھے ہوئے تھا کہ خلافت اسے ایک نہ ایک دن ضرور ملے گی چاہے جس طرح ملے۔

قد علمت ضوامر المطیّ وضمرات عوج القسیّ

دبلی پتلی تیز رو اور کمانوں کی طرح جھکی ہوئی اونٹنیوں نے جان لیا ہے۔

ان الامیر بعدہ علیٌّ وفی الزبیر خلف رضیّ

کہ عثمان کے بعد علی خلیفہ ہونگے اور زبیر میں بھی بعد کو رضا کا پہلو نکلتا ہے

وطلحۃ الحامی لھا ولیّ

اور طلحہ ساعد وگار خلافت کا ولی ہو

طبری ص۱۰۰ جلد ۵ طبع مصر

فقال کعب وھو یسیر خلف عثمان الامیر واللہ بعدہ صاحب البغلۃ واشار الی معاویۃ کعب نے یہ اشعار سن کر کہا (جو اس وقت عثمان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے) خدا کی قسم عثمان کے بعد خلیفہ و امیر یہ خچر سوار ہوگا اور معاویہ کی طرف اشارہ کیا۔ اسی روایت کو باختلاف الفاظ طبری نے ص۱۰۰ پر اس طرح بھی لکھا ہے قال مازال معاویۃ یطمع فیھا بعد مقدمہ علی عثمان حین جمعھم فاجتمعوا الیہ بالموسم ثم ارتحل فحدا بہ الراجز۔

ان الامیر بعدہ علی وفی الزبیر خلف رضی

قال کعب کذبت صاحب الشھباء بعدہ یعنی معاویۃ فاخبر معاویۃ فسالہ عن الذی بلغہ قال نعم انت الامیر بعدہ...... ووقعت فی نفس معاویۃ معاویہ کو خلافت کی طمع ہمیشہ سے تھی یہ طمع اس وقت سے پیدا ہوئی جب وہ عثمان کا بلایا ہوا اور لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آیا موسم حج کا زمانہ تھا جب لوگ رخصت ہوئے تو ایک شخص نے حدی میں اشعار مذکورہ پڑھے۔ کعب نے ان شعروں کو سن کے کہا کہ حدی خواں جھوٹ کہتا ہے عثمان کے بعد خلیفہ وہ شخص ہوگا جو سپید خچر پر سوار ہے یعنی معاویہ معاویہ نے جب سنا تو اس سے پوچھا کعب نے کہا ہاں ایسا ہی ہوگا اس وقت سے معاویہ کے دل میں یہ آرزو جم کے بیٹھ گئی۔ ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے بعد عثمان کے قتل کی آرزو ہوگی یا معاویہ جب تنہا عثمان کوئی نگران کی مدد کے لئے بھیجے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسنے کوئی مدد نہ کی۔ مگر اب قتل عثمان کے بعد جنگ کا کوئی بہتر پہلو ایسا نہ تھا جسے وہ اختیار کرتا بجز اسکے کہ انتقام خون عثمان کا حیلہ کر کے حق پر پردے ڈالتا اور اہل شام کو جو بالکل ۴

۴ جاہل تھے۔ اس طرح اپنے دام میں لاتا چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور جنگ صفین اسی بنا پر قائم ہوئی۔ غرضکہ حضرت عثمان کا قتل واقع ہوا اور انکے قاتل وہی لوگ تھے جو اصحاب نبی اور مہاجرین انصار کے لقب سے موسوم ہیں۔

پہلو چھل گئے یا ردائے مبارک یا قمیص پھٹ گئی اور وہ بلا کا ہجوم بیعت کرنے والوں کا تھا کہ آپ کے انگوٹھے یا صاحبزادے اور بیٹے پس گئے۔

ـه۳ یہ لوگ بھیڑوں کی طرح جمع ہوگئے۔" کیا کہنا اس بلاغت کلام کا کہ جس سے لوگوں کی بیعت پر روشنی پڑتی ہے؛ ان کی کثرت پہ روشنی پڑتی ہے، خلقت کا بھیڑ یا دھسان ہجوم، اور آپ کا انکار اور ان کا اصرارِ بیعت ان کی غباوت اور کند ذہنی ان کی وحشت، ان کی بے سمجھے بوجھے ہر بات میں پیروی اور اتباع یہ تمام باتیں وہ ہیں جو اس ایک تشبیہ میں آگئیں۔

ـه۴ ناکثین، مارقین اور قاسطین انھیں تینوں گروہوں کی طرف اشارہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان گروہوں کی خبر با ایں الفاظ پہلے ہی دیدی تھی اور سیقاتل الناکثین والمارقین والقاسطین عنقریب امیر المومنین ناکثین، مارقین اور قاسطین سے جہاد کریں گے۔" یہ اس مطلب کی دلیل قوی ہے۔ نکث بیعت کرنے والا گروہ طلحہ کا گروہ ہے ان لوگوں نے سب سے پہلے بیعت کی اور پھر بیعت توڑ کے جنگ جمل قائم کی اور یہی لوگ ناکثین سے مراد ہیں۔ سب سے پہلے جس شخص نے امیر المومنین کی بیعت کی تھی وہ طلحہ تھے وکان اول من صعد المنبر طلحة فبایعه بیده وکانت اصابعه شلاء فتطیر منها علی فقال ما اخلقها ان تنکث ثم بایعه الزبیر الخ (الامامة ص۴۳) سب سے پہلے جو منبر پر تقریر کے لئے چڑھا) اور سب سے پہلے جس نے امیر المومنین کی بیعت کی وہ طلحہ تھے ان کی انگلیاں (احد کی جنگ میں) مشلول ہوگئی تھیں، جب اپنے ہاتھ سے پہلی بیعت ہوئی تو امیر المومنینؑ نے اسے بدشگونی سمجھتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہاتھ بیعت توڑ دینے کیلئے کس قدر لائق اور کیسے آمادہ ہیں، پھر زبیر نے بیعت کی اور پھر یکے بعد دیگرے اور اصحاب رسولؐ نے (دنیا دیکھئے کہ نکث بیعت کے متعلق کتنا پہلے امیر المومنین نے ارشاد فرمادیا تھی وہ فراست امامت جو علم غیب کی خبر دیتی تھی۔ مترجم)

فَمَا رَاعَنِيْ اِلَّا وَالنَّاسُ كَعُرْفِ الضَّبُعِ
(اسوقت) مجھے نہیں ڈرایا مگر اس حال نے کہ لوگ (ٹڈی دل) کثیر تعداد میں جیسے کثرت
اِلَيَّ يَنْثَالُوْنَ عَلَيَّ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ
بجو کے گردن کے بال ہوتے ہیں ہر طرف سے ٹوٹے پڑتے تھے۔
حَتّٰى لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانِ وَ شُقَّ
یہاں تک کہ (میرے بچے) حسن اور حسین کچل گئے اور میرے پہلو
عِطْفَايَ مُجْتَمِعِيْنَ حَوْلِيْ كَرَبِيْضَةِ الْغَنَمِ
چھل گئے (یا میری چادر پھٹ گئی) یہ لوگ میرے گرد بھیڑ کے گلہ کی طرح جمع ہوگئے
فَلَمَّا نَهَضْتُ بِالْاَمْرِ نَكَثَتْ طَائِفَةٌ
(سبحان اللہ! اب دیکھیئے) جب (بعد بیعت) میں (حکومت کیلئے اُٹھا خلافت کی باگ ہاتھ میں لی) تو ایک گروہ نے میری بیعت توڑ دی (اصحاب جمل)

ـه۱ ازدحام مردم اور ہجوم ناس کی تشبیہ آپ نے بجو کے بالوں سے دی ہے جو اس کی گردن پر کھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور کثرت سے گھنے ہوتے ہیں، اسی کثرت پہ نظر کرتے ہوئے عرب بجو کو "عرف" سے بھی موسوم کرتے ہیں، "عرف" ان بالوں کو کہتے ہیں جو گردن پر ہوں۔

ـه۲ امیر المومنین علیہ السلام اس وقت اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھا کرتے تھے، رسولؐ کی نشست مخصوص تھی اور اس کو زبان عرب میں "قرفصاء" کہتے ہیں، آپ نے دونوں گھٹنوں کو ایک جا کر لیا تھا اور ملا لیا تھا اور دامنوں کو سمیٹ لیا تھا۔

جناب علم الہدیٰ سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ نے حکایت بیان فرمائی ہے کہ امیر المومنین کے اس فقرہ میں وطئی الحسنان میں "حسنان" سے مراد آپ کے بچے نہیں بلکہ ابو عمر محمد بن عبدالواحد غلام ثعلب "حسنان" سے پاؤں کے انگوٹھے مراد لیتے ہیں اور شاعر کے اس مصرعہ سے مهضومة الكشحين خرماء الحسن" اپنے مطلب پہ دلیل لائے ہیں کیونکہ یہاں "حسن" سے مراد انگوٹھا ہی ہے۔ بہر حال دونوں روایات ہیں خواہ یہ مراد لیجئے کہ بچے کچل گئے خواہ یہ کہئے کہ انگوٹھے کچل گئے غرضکہ بھیڑ اتنی تھی کہ آپ کے

وَ مَرَقَتْ اُخْرٰی وَ قَسَطَ اٰخَرُوْنَ كَاَنَّهُمْ

اور دوسرا (حق کے گھیرے سے) نکل گیا (اصحاب نہروان خوارج) اور تیسرے نے جور و ستم سے کام لیا

لَمْ يَسْمَعُوْا كَلَامَ اللهِ حَيْثُ يَقُوْلُ

اور راہ حق چھوڑ دی (اصحاب صفین) جیسے ان لوگوں نے خدا کا یہ کلام سنا ہی نہ تھا کہ

(تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ

(یہ آخرت کا گھر ان کے لئے ہے جو زمین پر فساد نہیں کرتے

لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا

اور سر نہیں اٹھاتے اور

وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ) بَلٰى وَ اللهِ لَقَدْ

آخرت تقویٰ کرنے والوں ہی کی ہے) ہاں ہاں خدا کی قسم

سَمِعُوْهَا وَ وَعَوْهَا، وَ لٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ

انھوں نے سنا اور اچھی طرح سنا مگر یہ کہ سنوری ہوئی

الدُّنْيَا فِيْ اَعْيُنِهِمْ وَ رَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا

دنیا ان کی آنکھوں کو بھلی لگی اور اس کی سجاوٹ انھیں اچھی معلوم ہوئی

اَمَا وَ الَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَاَ النَّسَمَةَ

سنو! اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور جس نے جانوں کو پیدا کیا

لَوْ لَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَ قِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ

اگر یہ بیعت نہ ہو جاتی اور یہ لشکر نہ ہوتا اور مددگاروں کے

النَّاصِرِ، وَ مَا اَخَذَ اللهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ

وجود سے مجھ پر الٰہی حجت نہ قائم ہو جاتی اور اگر علماء سے خدا کا یہ عہد نہ ہوتا

؎۱ یہی ہیں "مارقین" جس سے خوارج مراد ہیں۔ "مروق" کے معنے حد سے گزر جانے کے ہیں، جب تیر نشانے سے خطا کر جاتا ہے تو اس لفظ کا استعمال عرب کرتے ہیں، خوارج ایسے ہی تھے، وہ مسلک حق میں منتظم تھے، مگر اشعث بن قیس منافق جو معاویہ کا جاسوس تھا اس کی خفیہ سازشوں کے اثر سے جنگ صفین میں امیرالمومنین کے لشکر میں شدید تفرقہ پڑا اور خوارج کے گروہ نے طلب حق میں وہ مبالغہ کیا کہ حدود حق سے گزر گئے اور بزبان رسولؐ "مارقین" کے لقب کے مستحق ہوئے۔ ان کا تفصیلی واقعہ کسی آئندہ خطبہ کی شرح میں پیش کیا جائے گا۔

؎۲ "قاسطین" سے مراد معاویہ و اہل شام ہیں، کیونکہ "قسط" کے معنی کلام عرب میں حق کی راہ سے خروج اور نکل جانے کو کہتے ہیں، چونکہ اس گروہ نے راہ حق چھوڑ دی تھی اور امیرالمومنینؑ کے دائرہ اطاعت سے خروج کیا تھا لہٰذا قاسطین کہلائے۔ آئندہ خطبوں میں تفصیلی واقعات لکھے جائیں گے۔ مترجم

؎۳ ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد اول و دوم میں آپ نے خلافت کو کیوں ترک کیا اور کیوں نہ سعی کی اگرچہ حسب مقدرت بمقتضائے وقت اس وقت بھی جب کہ بیچ یار و مددگار تھے آپ نے اپنے حق کے اثبات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جیسا کہ کتب قوم میں مرقوم ہے اور جو جو صورتیں طلب حق کی ہو سکتی تھیں سب اختیار کیں مگر اس وقت وہ الٰہی حجت آپ پر تمام نہ تھی جو اس وقت تھی کیونکہ اب آپ کے ساتھ یاور و ناصر ہیں، مددگار ہیں، ظاہر ہے اگر اس وقت آپ دین کی مدد اور اسلام کی اعانت اور حق کی طرفداری اور باطل کے استیصال کی کوشش نہ فرماتے تو پیش خدا یقیناً مشغول الذمہ تھے۔ اسی بات کی طرف آپ اشارہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اہل شام وغیرہ حق کو پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں پھر بھی دنیا کا جذب انھیں راہ حق پر نہیں آنے دیتا وہ قرآن کی آیات کو دیکھتے ہیں مگر پھر بھی دنیا کی محبت انھیں اندھا کئے ہوئے ہے اور ظلم و ستم کی راہ پر گامزن ہیں، مجھے دنیا کی قطعاً محبت نہیں نہ استقرار حق دنیا کے لئے کرتا ہوں بلکہ اس لئے کہ اب ہجوم انصار مجھ پر خدائی حجت قائم ہو گئی ہے اور ایسے وقت میں علماءؑ سے عہد الٰہی معاہدہ ہے، جن کا حال قرآن ہے، اگر کہیں ایسا نہ ہوتا تو تم دیکھتے کہ مجھے اس خلافت و امارت کی کوئی پروا نہ ہوتی اور تم جان لیتے کہ میری نگاہوں میں تمہاری دنیا کس قدر ذلیل ہے مگر اس وقت الٰہی احکام کے نفاذ کا وقت آگیا ہے اور باطل کی سرکوبی کا محل ہے اور اب یہ میرا فریضہ ہے۔

CamScanner

(۴) اس نے پوچھا وہ کون سا طائر ہے جس کے نہ کوئی بچہ ہوا اور نہ اُسکی کوئی فرع واصل ہی تھی ؟ فرمایا وہ طائر جو عیسیٰ نے بحکم خدا خلق کیا تھا۔ "اذ تخلق الطیر باذنی" اس طرح کے اس نے دس سوالات کئے اور امام برابر جواب دیتا رہا۔ جب سوالات ختم ہوئے اور جوابات دیے جا چکے تو

اَنْ لَا یُقَارُّوْا عَلٰی کِظَّةِ ظَالِمٍ وَ لَا

کہ وہ ظالم کی سیر شکمی اور مظلوم کی بھوک کا خیال کریں اور چپ چاپ دیکھیں (حقوق مظلوم

سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰی

ظالم سے دلوائیں) تو میں خلافت کو مطلق العنان (بگرجھٹ) چھوڑ دیتا

غَارِبِهَا وَ لَسَقَیْتُ اٰخِرَهَا بِکَاْسِ

(جہاں ل جا ہے جائے) اور یقیناً میں (اسوقت بھی) آخر خلافت میں وہی پیالہ

اَوَّلِهَا وَ لَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ هٰذِهٖ

اسکو پلاتا جو پہلے پہل پلا چکا تھا (ترک خلافت) اور تم دیکھتے کہ تمھاری یہ

اَزْهَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ لہ

دنیا (میری نگاہوں میں) (بھیڑ اور) بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ذلیل ہے

لہ خطبہ یہاں تک پہونچا تھا کہ اتنے میں اہل عراق میں سے کسی نے کچھ سوالات ایک کاغذ پر لکھکر دیے آپ اس کی طرف مشغول ہوگئے۔ وہ دس سوالات تھے جن میں سے بعض کا تذکرہ اس جگہ کیا جاتا ہے جس سے علم امامت پر روشنی پڑتی ہے

(۱) اس نے پوچھا کہ وہ کون حیوان ہے جس کے پیٹ سے ایک دوسرا حیوان نکلا درانحالیکہ ان دونوں میں کوئی نسلی سلسلہ نہ تھا ؟ آپ نے فرمایا۔ یونس بن متی جو مچھلی کے پیٹ سے نکلے

(۲) دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ کیا چیز تھی جس کا استعمال کم مقدار میں حلال اور زیادہ مقدار میں حرام تھا ؟ فرمایا اس نہر کا پانی جس پر طالوت کے لشکر کی آزمائش کیگئی تھی اور اسی حکم سے پانی سیر ہو کے پینا حرام کر دیا گیا تھا اور چلو بھر پینا حلال تھا الامن اغترف غرفة الآیة

(۳) اس نے پوچھا کہ وہ کون سی عبادت ہے جس کا کرنے والا عبادت کرنے کے بعد بھی مستحق عقوبت ہے اور اگر ترک کرے جب بھی مستحق عقاب ہے ؟ فرمایا وہ نماز جسے سرشار بادہ پڑھے

ابن عباس نے پھر فرمائش کی کہ خطبہ جہاں سے چھوڑا وہاں سے پھر ارشاد فرمایئے، تب آپ نے فرمایا تلك شقشقة هدرت ثم قرت " جس کی تفصیل شروع خطبہ میں گذری ابن عباس کہتے ہیں مجھے جتنا افسوس اس کلام کے ناتمامی پر ہوا اتنا کسی بات پر نہیں ہوا۔

ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کے معجزانہ الفاظ کی مدح سرائی کی ہے اور اتنی جرا اسکے حدود طاقت کے اندر تھے ادا لکھتے لکھتے ایک واقعہ لکھتے ہیں جسے اس مقام پر لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

تصدیق خطبة امیر المومنین حدثنی شیخی ابو الخیر مصدق بن شبیب الواسطی فی سنة ثلاث وستمائة قال قرات علی الشیخ ابی محمد عبد الله بن احمد المعروف بابن الخشاب هذه الخطبة فلما انتهیت الی هذا الموضع قال لی لو سمعت ابن عباس یقول هذا القلت له وهل بقی فی نفس ابن عمك لم یبلغه فی هذه الخطبة لتتاسف ان لا یکون بلغ من کلامه ما اراده والله مارجع عن الاولین ولا عن الاخرین ولا بقی فی نفسه احد لم یذکره الا رسول الله قال مصدق وکان ابن الخشاب صاحب دعابة و هزل قال فقلت له اتقول انها منحولة فقال لا والله وانی لاعلم انها کلامه کما اعلم انك مصدق قال فقلت له ان کثیرا من الناس یقولون انها من کلام الرضی فقال انی للرضی ولغیر الرضی هذه النفس وهذا الاسلوب قد وقفنا علی رسائل الرضی وعرفنا طریقته وفنه فی الکلام المنثور وما یقع فی هذا الکلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳) فی خل ولاخمر ثم قال و الله لقد وقفت علی ھذہ الخطبۃ فی کتبۃ صنفت قبل ان یخلق الرضی بمائتی سنۃ ولقد وجدتھا مسطورۃ بخطوط اعرفھا واعرف خطوط من ھی من العلماء واھل الادب قبل ان یخلق النقیب ابواحمد والد الرضی قلت وقد وجدت اناکثیرا من ھذہ الخطبۃ فی تصانیف شیخنا ابی القاسم البلخی امام البغدادیین من المعتزلۃ وکان فی دولۃ المقتدر قبل ان یخلق الرضی بمدۃ طویلۃ ووجدت ایضا کثیرا منھا فی کتاب ابی جعفر بن قبۃ احد متکلمین الامامیۃ وھو الکتاب المشھور المعروف بکتاب الانصاف وکان ابوجعفر ھذا من تلامذۃ الشیخ ابی القاسم البلخی ومات فی ذلک العصر قبل ان یکون الرضی موجودا (ابن ابی الحدید ص۶۹ طبع طہران جزو اول)

مجھ سے میرے شیخ (رہبر) ابوالخیر مصدق بن شبیب واسطی نے سنہ ۶۰۳ھ میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس خطبہ شقشقیہ کو شیخ ابو محمد عبداللہ بن احمد جو ابن خشاب کہلاتے تھے، انکے سامنے پڑھا جب میں یہاں تک پہونچا (جہاں ابن عباس نے افسوس ظاہر کیا ہے اور خطبہ قطع ہو گیا ہے) تو ابن خشاب نے مجھ سے کہا کہ اگر میں ابن عباس کو یہ کہتے ہوئے سنتا تو میں اُن سے کہتا کہ تمھیں افسوس کا ہے کا، تمھارے ابن عم نے کسی کو چھوڑا ہے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہے۔ اب کا ہے کی حسرت باقی رہ گئی۔ سبھی کچھ تو فرما یا۔ اولین کو چھوڑا نہ آخرین کو صرف رسول کی ذات تو چھٹی ہوئی ہے باقی سب کو کہہ ڈالا۔

مصدق کہتے ہیں کہ ابن خشاب بہت ہی پُر مذاق اور ظریف الطبع تھے میں نے ان سے کہا کہ تمھاری بھی کیا یہی رائے ہے کہ یہ خطبہ گڑھا ہوا ہے اور امیر المومنینؑ سے منسوب کیا گیا ہے؟ ابن خشاب نے کہا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ علی بن ابیطالب علیہ السلام کا کلام ہے اور مجھے ایسا یقین ہے جیسا اس بات پر کہ میں جانتا ہوں کہ تم مصدق بن شبیب ہو۔"

میں نے کہا کہ مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سید رضی علیہ الرحمہ نے لکھ کے علی بن ابیطالب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ابن خشاب نے کہا (چہ خوش) بھلا رضی یا کسی دوسرے شخص کا یہ نفس کہاں کہ جنکی ترقیاں یہ ہوں اور درحاسنیت ایسی ہو اور انلوگوں کو یہ طریقہ کلام کہاں میسر، میں نے رضی کے رسالے اور مصنفات دیکھے ہیں اور انکے طریقہ کلام اور فن سے واقف ہوں اور انکے کلام نثر اور جو کچھ بھی اسمیں اچھائی برائی ہے سب کو جانچ چکا ہوں۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم میں نے اس خطبہ شقشقیہ کو ان کتابوں میں دیکھا ہے جو رضی کے پیدا ہونے سے دوسو برس پہلے لکھی اور تصنیف کیگئی ہیں اور ان

تحریروں سے لکھا ہوا دیکھا ہے جسے میں پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ تحریر کس کی ہے اور وہ علما اور صاحبان ادب کون ہیں جنھوں نے اسے لکھا اور نقل کیا علامہ رضی تو کیا ان کے باپ نقیب ابواحمد بھی اسوقت پیدا نہ ہوئے تھے۔

علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ اس کے اسوا میں نے بھی اس خطبہ کو اپنے شیخ (رہبر) ابوالقاسم بلخی جو بغداد والوں کے امام تھے اور معتزلہ تھے، انکی تصنیفات میں دیکھا ہے۔ اور یہ ابوالقاسم دولت مقتدر میں تھے اور مقتدر کی حکومت، علامہ رضی علیہ الرحمہ کے وجود سے بہت پہلے تھی، اس کے علاوہ اس خطبہ کو بہت کچھ کتاب ابوجعفر بن قبہ رحمہ اللہ میں میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا یہ متکلمین گروہ امامیہ سے تھے اور ان کی یہ کتاب یعنی "کتاب الانصاف" بہت مشہور و معروف ہے۔

یہ ابوجعفر بن قبہ جن کا میں نے ذکر کیا یہ شیخ ابوالقاسم بلخی کے شاگردوں میں سے تھے اور جناب رضی کے پیدا ہونے سے پہلے انتقال کیا۔

(جناب رضی علیہ الرحمۃ کی ولادت سنہ ۳۵۹ھ میں ہوئی اور وفات ۶ محرم سنہ ۴۰۴ھ میں ہوئی) اور بقول صاحب نیات سنہ ۴۰۶ھ میں ہوئی)

لاتشك في ذلك من له ذوق ونقد ومعرفة بمذاهب الفصحاء والخطباء في خطبهم ورسائلهم ولان الروايۃ لها کثیرۃ ۔۔۔۔ الخ ہم اب ان الفاظ کی شرح کرتے ہیں کیونکہ یہ کلام امام ہی ہے اور اس میں وہ شخص شک نہیں کرسکتا جسے مذاق سلیم حاصل ہے اور جس میں قوت نقد اور معرفت مذاہب فصحاء وخطباء موجود ہو اور جو اسلوب بیان خطبات فصحاء اور ان کے طریق وسیاق رسائل سے واقف ہے اور اس لئے بھی ہم اس کی شرح کرتے ہیں کہ اس مطلب کی شاہد سینکڑوں روایات ہیں کہ یہ خطبہ علی ابن ابی طالب ہی کا ہے۔

آٹھواں خطبہ

قریش کی حالت اور آل رسول کے احسانات

۵۳ ۵۲

بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظَّلْمَاءِ وَ تَسَنَّمْتُمُ

تم لوگوں نے تاریکیوں میں ہماری وجہ سے ہدایت پائی اور ہمارے

الْعَلْيَاءَ وَبِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنِ السَّرَارِ

سبب سے تم بلند ہوئے (اور تمہارا بول بالا ہوا) ہماری ذات سے تمہیں شب کے اندھیرے میں صبح کا اجالا ملا

وُقِرَ سَمْعٌ لَمْ يَفْقَهِ الْوَاعِيَةَ وَ

وہ کان بہرے ہوجائیں جو وعظ کو نہ سنیں (اور عبرتوں کو نہ سمجھیں)

۱ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ خطبہ آپ نے طلحہ وزبیر کے قتل کے بعد ارشاد فرمایا اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں فرمایا ہے، خطبہ کی بلاغت وفصاحت اور اس کی اعجاز بیانی اپنی آپ ہی نظیر ہے، ہر جملہ دوسرے سے مرتبط بھی ہے اور بجائے خود ایک استقلالی معنی رکھتا ہے، جناب سید رضی علیہ الرحمہ نے اس کو ایک طویل خطبہ سے تبع فرمایا ہے کیونکہ بعض لوگوں نے آپ کے اس خطبہ میں کچھ اضافات اپنے خواہش نفس کے مطابق کر دئے تھے مگر ان کا پیوند آپ کے کلام کے ساتھ مرتبط نہ ہوتا تھا اور نگاہیں اس بے جوڑ جوڑ کو محسوس کر رہی تھیں، نہ ان الحاقی فقرات کو امام کی فصاحت سے کوئی مناسبت ہی تھی مولف اعلے اللہ مقامہ نے مصلح کو مفسد سے اور طیب کو خبیث سے چھانٹ کے الگ کیا اور اب یہ خطبہ آپ کے مخصوص طرز ادا، اور کلمات فصاحت ریز کا حامل ہے، ابن ابی الحدید نے ان واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے ونحن نشرح هذه الالفاظ لانها كلامه عليه السلام

۲ وہ تاریکی جو کفر وضلال کی اسلام سے پہلے تھی، اور جس میں دو ہادی ایک ساتھ کام کر رہے تھے ایک رسول خدا اور دوسرا وہ نصیر و ناصر دعوت رسول جو اس خطبہ کو بیان فرما رہا ہے۔

۳ کس قدر بلیغ استعارہ ہے "سنام" کلام عرب میں اونٹ کے کوہان کو کہتے ہیں اسی سے آپ نے استعارہ کیا ہے کہ ہماری ہی ہدایتوں سے تمہیں یہ بلندیاں جو اسلام کی ہیں آج حاصل ہوئیں اگر ہماری ہدایت نہ ہوتی تو تم اسی قعر ذلت میں ہوتے جس میں پہلے تھے۔ خطبہ کا رنگ اور انداز بیان بتاتا ہے کہ لوگوں نے اپنے محسن کو نہ پہچانا اور احسان فراموشیاں کی گئیں بدسلوکیاں برتی گئیں اب پھر محسن انھیں اپنے احسانات یاد دلاتا ہے تاکہ وہ شکر منعم کرکے راہ ہدایت پاجائیں اور احسان جتانا اگر بامحل ہو تو بے محل نہیں جیسا کہ سورۂ رحمٰن گواہ ہے۔

۴ آپ فرماتے کہ میں بار بار تمہیں موعظے کہہ کے سمجھاتا ہوں عبرتیں دلاتا ہوں جھنجھوڑتا ہوں، چلاتا ہوں، گمراہیوں سے راہ راست پر لاتا ہوں، مگر تمہاری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسے کانوں کا بہرا ہوجانا بہتر ہے کیونکہ اس وقت مقام شکوہ نہیں پیدا ہوسکتا، لہذا آپ انھیں بددعا دیتے ہیں کہ کاش یہ بہرے ہوتے۔

ضمن میں لکھے جائیں گے۔ حضرت طلحہ کا ہاتھ جنگ احد میں شل ہو گیا تھا اور انہیں ہاتھوں سے سب سے پہلے آپ نے علی ابن ابی طالب کی بیعت کی، عملی کی فراست تو دور کنار عربوں کی فراست نے بھی اس وقت یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ بیعت توڑ دیں گے اور انہوں نے دست شل سے تفاول کیا تھا اور آوازیں آرہی تھیں کہ (اول بیعتہ ید شلاء") شلول ہاتھ نے علی کی بیعت پہلے کی ہے خدا خیر کرے۔"

حضرت طلحہ کے بہت سے واقعات ہیں، جو کبھی تفصیلاً بیان کئے جائیں گے مگر اس وقت اتنا کہہ دوں کہ آپ ہی نے یہ فرمایا تھا کہ جب رسولؐ کا انتقال ہو جائے گا تو ہم ان کی بیبیوں سے عقد کرلیں گے جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید نے اس مطلب کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور ہم نے "رسالہ قاتلان عثمان" میں اسے نقل کیا ہے، خیر یہ تو نہیں ہوا مگر آپ نے اس کے لگ بھگ کچھ عمل کئے یعنی رسولؐ کی بی بیوں کے بہنوں کے ساتھ اپنا عقد کیا اور آپ کی چار بی بیاں تھیں (اصابہ صفحہ ۲۳۰ جلد دوم طبع مصر) ام کلثوم بنت ابی بکر حضرت عائشہ کی بہن، حمنہ بنت جحش جناب زینب کی بہن، فارعہ بنت ابی سفیان ام حبیبہ کی بہن، اور رقیہ بنت ابی امیہ ام المومنین ام سلمہ کی بہن، اس اعتبار سے آپ حضرت عائشہ کے بہنوئی تھے حضرت ابوبکر کے داماد تھے اور رسول اللہ کے ہم زلف تھے اور پھر قبیلۂ تیم سے تھے یہی تمام وہ مرجحات تھے کہ جس کی وجہ سے خلافت کی طمع آپ کو تھی جیسا کہ خود مرتے وقت حضرت ابوبکر و عمر نے گواہیاں دیں اور جنگ جمل کے قیام سے یہ مطلب اور واضح ہو گیا اور جو کچھ حالات اس جنگ میں گزرے ان سے اور وضاحت ہو گئی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک خطبہ میں جس کو صاحب استیعاب نے نقل بھی کیا ہے اور تصدیق بھی کی ہے کہ یہ امیر المومنین کا خطبہ ہے، حضرت طلحہ کی باطل کوشیوں کو اور ان کے ساتھیوں کی بغاوت وغیرہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ نص فرما دی ہے کہ گروہ باغی یہی گروہ ہے، اور خون عثمان کے

كَيْفَ يُرَاعِي النَّبْأَةَ مَنْ أَصَمَّتْهُ

گمراہ دھیمی آواز کو کیا سن سکتا ہے جس کو سخت اور کرخت آواز نے بہرا

الصَّيْحَةُ رُبِطَ جَنَانٌ لَمْ يُفَارِقْهُ الْخَفَقَانُ

کر دیا ہو خدا اس دل کو مضبوط و مستقل رکھے جو خوف الٰہی سے لرز رہا ہو

مَا زِلْتُ أَنْتَظِرُ بِكُمْ عَوَاقِبَ الْغَدْرِ

(رہ گئے تم تو) مجھے ہمیشہ تمہارے دھوکے اور دغا بازیوں کی امید تھی اور میں منتظر تھا

۱؎ پھر فرماتے ہیں کہ مگر میری آواز ان لوگوں کے لئے کیا کارگر اور موثر ہو سکتی ہے جب انہوں نے رسولؐ اور خدا کی آوازیں جو کر رہی تھیں نہ سنیں اور اپنی ہی ایسی کئے گئے جب وہ الٰہی آواز کے سامنے بہرے ہی بنے رہے جو میری آواز کے مقابلہ میں زوردار تھی تو میری دھیمی آواز ان کے کانوں کو کیا کھول سکتی ہے اور اس پر وہ کیا عمل کر سکیں گے اور کیا سنیں گے۔ جیسے آپ نے باطل پرستوں کے لئے بد دعا کی کہ ان کے کان بہرے ہو جائیں، ویسے ہی خدا پرست طبقہ کے لئے دعا فرمائی کہ اللہ ان دلوں کو مضبوط رکھے جو خوف الٰہی سے کانپ رہے ہوں، درحقیقت یہی وہ دل ہیں جو میری اور خدا و رسولؐ کی آواز کو سنتے اور اس پر کاربند ہوتے ہیں۔ نہ وہ قلوب جن میں خوف الٰہی نہیں۔

۲؎ امیر المومنین علیہ السلام ان لوگوں کے فریب سے واقف تھے یا تو یہ علم امامت جو بواسطہ رسولؐ حاصل ہوا تھا اور رسولؐ نے آپ کو ان لوگوں کا کچا چٹھا بتا دیا یا بذریعہ فراست اور پھر وہ فراست جو امام کی ہو، حدیث صحیح میں ہے کہ "المومن ینظر بعین اللہ۔" مومن خدا کی نگاہ سے دیکھتا ہے، پھر جب مومن کی نظر اتنی ثاقب ہو تو امیر المومنین کی نگاہوں کا کیا پوچھنا، یہ تو تسم (تاڑنا اور بھانپنا) ان واقعات کی طرف مشیر ہے جو طلحہ و زبیر اور ان کے ساتھیوں سے بیعت، انکث بیعت اور جنگ جمل وغیرہ میں ظاہر ہوئے درحقیقت امیر المومنین علیہ السلام ان تمام باتوں کو جانتے تھے اور مختلف مقامات پہ آپ نے کنایۃً اس کا اظہار بھی فرمایا ہے، اور منجملہ دیگر وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی تھی جبھی آپ بیعت لینے سے کنارہ کش تھے آپ بچتے تھے مگر لوگوں نے ہجوم کر کے مجبور کیا اور سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی اور پھر آ سے توڑ دیا، حضرت عثمان کے قتل میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا (دیکھو رسالہ قاتلان عثمان شیعہ مشن مولفہ مترجم) اور پھر خون عثمان کا انتقام امیر المومنین سے لینے کے لئے حضرت عائشہ کو ابھار کر، جنگ جمل قائم کر دی جیسا کہ کتب تاریخ میں مفصلاً مرقوم ہے، اور کسی موقع پر انشاء اللہ یہ تمام واقعات انہیں خطبوں کے

وَ اَتَوَسَّمُکُمْ بِحِلْیَةِ الْمُغْتَرِّیْنَ

اور میری نظر (فراست) تم میں فریب خوردہ لوگوں کے اوصاف محسوس کر رہی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) انتقام کا بہانا ایک فریب دہ پردہ ہے جو عامۃ الناس کے قابو میں لانے کے لئے ڈالا گیا ہے، چاہتا ہوں کہ اس خطبہ کو اس جگہ لکھ دوں۔ آپ فرماتے ہیں۔

واللہ ما انکروا علی شیئا منکرا ولا استاثرت بمال ولا ملت بھوی وانھم لیطلبون حقا ترکوہ ودما سفکوہ پھر فرماتے ہیں وما تبعۃ عثمان الا عندھم وانھم لھم الفئۃ الباغیۃ بایعونی ونکثوا بیعتی۔ پھر فرماتے ہیں۔ واللہ ان طلحۃ والزبیر وعائشۃ لیعلمون انی علی الحق وانھم مبطلون۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۲۲۳ طبع مصر)

خدا کی قسم یہ لوگ (جنگ جمل قائم کرنے والے) اس لئے مجھ سے برافروختہ نہیں کہ مجھ سے کوئی برا کام ہوا نہ اس لئے کہ میں نے کسی کا مال لے لیا اور نہ اس لئے کہ میں نے خواہش نفس کی تابعت کی بلکہ اس لئے انھوں نے مری دشمنی پر کمر باندھی ہے کہ وہ لوگ اسی حق کو چاہتے ہیں جسے خود ہی چھوڑ چکے ہیں، اور اس خون کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے خود ہی بہا چکے ہیں، عثمان کے قتل کرنے والے انھیں کے پاس ہیں اور یقیناً یہ لوگ "گروہ باغی" ہیں، انھوں نے میری بیعت خود سے کی اور پھر توڑ دی اور خدا کی قسم طلحہ، زبیر اور عائشہ یہ تینوں اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں اور وہ سب کے سب باطل پر ہیں۔"

یہ خیال امیرالمومنین کا کہ قاتلین عثمان وہی ہیں جو اب (اپنی مصالح کے بنا پر) جنگ جمل قائم کر رہے ہیں صرف آپ ہی تک محدود نہ تھا بلکہ تمام قبائل عرب اس پر یقین کئے ہوئے تھے اور خود عثمان والوں کو بھی اس کا یقین کامل تھا اور اسی یقین کی وجہ سے طلحہ کی موت بھی واقع ہوئی چنانچہ مروان بن حکم نے اپنی ہی فوج کے سردار طلحہ بن عبداللہ کو تیر سے قتل کر دیا اور عثمان کے بیٹے ابان سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ کے بعض قاتلوں کو ہلاک کر کے ان کے خون کا بدلہ لے لیا۔

ورمی مروان طلحۃ بسھم ثم التفت الی ابان بن عثمان فقال قد کفیناک بعض قتلۃ ابیک۔ (استیعاب ص ۲۲۳ جلد دوم)

حضرت طلحہ کے قاتل عثمان ہونے پر اس درجہ یقین کامل تھا کہ مروان نے آپ کو تیر سے قتل کر کے یہ کہدیا کہ اب آج سے خون عثمان کے انتقام کی ضرورت نہیں کیونکہ جو اصل میں قاتل تھا اسے میں نے قتل کر دیا

کان مروان مع طلحۃ یوم الجمل فلما اشتبکت الحرب قال مروان لا اطلب ثاری بعد الیوم ثم رماہ بسھم فاصاب رکبتہ فما رقا الدم حتی مات (استیعاب ص ۲۲۳ جلد دوم) مروان طلحہ کے ساتھ تھے جب جنگ تیز ہونے لگی تو انھوں نے کہا کہ بس اب آج سے انتقام خون عثمان لینے کی کوئی حاجت نہیں یہ کہہ کے طلحہ کو تیر مارا جو ان کے گھٹنے پر پڑا اور خون جاری ہو گیا یہ خون کسی صورت سے نہ رکا آخر طلحہ کی موت واقع ہو گئی۔ طلحہ کے قاتل عثمان ہونے پر اس درجہ یقین تھا کہ خود طلحہ نے مروان کے تیر کو خدا کا تیر کہدیا چنانچہ صاحب استیعاب صفحہ مذکورہ پر یوں رقمطراز ہیں۔ رمی مروان بن الحکم یوم الجمل طلحۃ بسھم فی رکبتہ قال فجعل الدم یسیل فاذا امسکوہ امسک واذا ترکوہ سال قال فقال دعوہ وقال وجعلوا اذا امسکوا فم الجرح انتفخت رکبتہ فقال دعوہ فانما ھو سھم ارسلہ اللہ تعالی فمات۔

مروان بن حکم نے روز جمل طلحہ کے گھٹنے پر ایک تیر مارا، خون بہنے لگا حالت یہ تھی کہ جب زخم کو ہاتھ سے بند کرتے تھے تو خون بھی رک جاتا تھا جب ہاتھ ہٹاتے تھے تو خون پھر بہنے لگتا تھا تو طلحہ نے کہا چھوڑ دو بھی اب اسے نہ روکو، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ زخم کے منھ کو دبائے رہتے تھے تو گھٹنا پھول جاتا تھا اور جب چھوڑ دیتے تھے تو خون بہتا تھا، یہ دیکھ کے طلحہ نے کہا کہ جانے دو یہ وہ تیر ہے جو اللہ نے پھینکا ہے آخر انتقال فرمایا۔

ان روایات مذکورہ کی تائید صاحب اصابہ نے بھی ص ۲۳۰ مطبوعہ مصر جلد دوم میں کی ہے۔

انھیں واقعات پر نظر کرتے ہوئے ان لوگوں کے باطنی حالت کی خبر امیرالمومنین نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ میں ان لوگوں کے مکنون قلب، مراد دل، اور باطن وظاہر کی دو رنگی سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ غدر وفریب و دغا ان کا شیوہ ہے مگر یہ کہ ان کی ظاہری دینی حیثیت نے اور ظاہری اسلام نے مجھے ان کے ساتھ کچھ نہ کرنے دیا۔

سَتَرَنِي [٥١] عَنْكُمْ جِلْبَابُ الدِّيْنِ

(مگر یہ کہ) دین کی ظاہری چادر نے (جو تم اوڑھے ہوئے تھے) مجھے تم سے چھپائے رکھا

وَ بَصَّرَنِيْكُمْ صِدْقُ النِّيَّةِ

(اگرچہ) میری کھری (اور بے لوث) نیت نے تم کو (تمہاری مخفی حالت اور دلی کیفیات کو) مجھے دکھا دیا (اور مجھ پر ظاہر

اَقَمْتُ [٥٢] لَكُمْ عَلٰى سُنَنِ الْحَقِّ ، فِيْ

کر دیا تھا) میں گمراہ کرنے والے اور بھٹکانے والے راستوں میں تمہارے لئے راہ حق

جَوَادِّ الْمَضَلَّةِ حَيْثُ تَلْتَقُوْنَ وَ

اور صراط مستقیم پر کھڑا ہو گیا، جب کہ تم ملتے تھے (اور چلتے تھے) اور تمہارا کوئی رہبر

لَا دَلِيْلَ وَ تَحْتَفِرُوْنَ وَ لَا تُمِيْهُوْنَ

نہ تھا اور تم (گمراہی کی پیاس میں ہدایت کے) کنوئیں کھودتے تھے اور پانی

اَلْيَوْمَ اُنْطِقُ لَكُمُ الْعَجْمَاءَ [٥٣]

نہیں نکلتا تھا۔ آج میں تمہارے لئے گونگوں (بیزبانوں) کو گویا کر رہا ہوں (رموز و اشارات کو

٥١ آپ فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کی ظاہری اسلام نے مجھے تمہارے قتل سے روکا اور اسی لئے میں نے تمہارے ساتھ وہ تمام سلوک نہیں کئے جو کفار سے بحکم الہی کرنے چاہئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم لوگوں نے میرے نفس دینی سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور میرے رحم و کرم، میرے اخلاق اور میری دینی باتوں کی نرمی نے تمہیں مجھے پہچاننے نہ دیا میری عفو و حلم کو تم نے کمزوری سے تعبیر کیا اور میری مدارات سے تمہیں جرائم کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ تم میری مخالفتیں کرنے لگے اور میری نافرمانیوں پر کمربستہ نظر آئے۔ حالانکہ میں راہ حق پر تھا اور تمہیں باطل کی طرف جانے سے روکتا تھا۔ تم میرے نفس کو پہچان نہ سکے اور میری معرفت کما حقہ نہ حاصل کر سکے۔

٥٢ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد پھر وہی گمراہیاں ہر طرف نظر آتی تھیں اور نفاق و ضلال نے راہ حق کے چھپانے کے لئے ہزاروں راستے پیدا کر دیئے تھے، اسوقت ان راستوں میں دوسروں کی رہنمائی کے لئے راہ حق کا دکھا دینا ایک عظیم احسان تھا اگر دنیا سمجھتی آپ اسی مطلب کیطرف اشارہ فرماتے ہیں کہ میری پیروی کرو میرا اتباع کرو حق تمہیں میرے اور صرف میرے ساتھ ملے گا۔ باطل سے ہٹو

اور ضلالت کو چھوڑو اسی راستے پر چلو جس پر میں تمہیں لیجاؤں کیونکہ میں ہی وصی رسول ہوں اور اسرار کتاب الہی سے آگاہ ہوں جوامع کلم اور حکمت و علم میرے ہی دم کے ساتھ ہیں اصول و فروع دین پر مجھی کو اطلاع ہے، میں صراط مستقیم پر کتاب خدا کی روشنی میں بعد رسول تمہیں لیجانا چاہتا ہوں تاکہ تم گمراہی اور اخروی ہلاکتوں کا شکار نہو ایسی تاریکیوں میں نور میری ہی طرف سے تمہیں ملے گا اور اس پرخطر وادی میں پیاس کو رفع کرنے کے لئے میرے ہی پاس پانی مہیا ہے اور سوا میرے تمہاری دینی پیاس کوئی اور نہیں بجھا سکتا۔

٥٣ جس طرح عبرتیں زبان حال سے گویا ہو جاتی ہیں، جس طرح امثال بغیر بولے ہوئے حقیقی حالات سے خبر دیتے ہیں، جسطرح تغیرات عالم قوموں کے عروج و زوال کے مظہر ہیں، اور جسطرح روز روشن شب تاریک سے، نور ظلمت سے، سراب آب سے اور جہل علم سے ممتاز نظر آتا ہے اور بزبان حال گویا ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح فضل امیرالمومنین واضح و روشن تھا، آپ کی ہدایت آپ کی حقیت، آپکی فضیلت آپکا علم آپکا جہاد، آپکی شجاعت آپکی سخاوت آپکا اتباع رسول آپ کی حکمت اور آپکی وہ تمام صفات حسنہ جو فطرت کی طرف سے آپ کو دیئے گئے تھے سب بزبان حال اس بات کو ظاہر کر رہے تھے کہ اس ذات والاصفات کا تتبع اور اسکی پیروی ہر اسرار والے مومن کا فریضہ ہے۔

یہ تمام چیزیں اسقدر واضح و روشن تھیں کہ کسی اور دلیل و حجت کی ضرورت اتباع امام کے لئے نہ تھی اور اگرچہ ان کے لئے زبان نہ تھی مگر وہ بزبان بے زبانی اس فضل کو عقل والوں سے کہہ رہی تھیں اور بتا رہی تھیں۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ الیوم انطق لکم الخ سے آپکے کلمات خطبہ اور رموز و اسرار خطبہ مراد لیا ہو اور انھیں "عجماء" بے زبان حیوان سے تعبیر کیا ہو اور مفہوم یہ ہو کہ اگرچہ یہ الفاظ زبان نہیں رکھتے پھر بھی دیکھنے والے کیلئے اسطرح فائدہ ترتیب جیسے کوئی بولنے والا اپنی مراد دل کو کھلے ظاہر کر دے۔

ذَاتَ الْبَيَانِ عَزَبَ[۱] رَأْيُ امْرِءٍ تَخَلَّفَ

بیان کیے دیتا ہوں) اس شخص کی کوئی رائے نہیں جس نے مجھ سے

عَنِّیْ مَا شَكَكْتُ[۲] فِی الْحَقِّ مُذْ اُرِيْتُهٗ

کنارہ کشی کی اور میرا ساتھ نہ دیا۔ جب سے مجھے حق دکھایا گیا کبھی مجھے اس میں

لَمْ يُوْجِسْ[۳] مُوْسٰی عَلَيْهِ السَّلَامُ خِيْفَةً عَلٰی

شک نہیں پیدا ہوا۔ موسیٰ کو (ساحروں کے معاملہ میں) اپنی جان کا ڈر نہ تھا بلکہ اسکا خوف

نَفْسِهٖ اَشْفَقَ مِنْ غَلَبَةِ الْجُهَّالِ وَ دُوَلِ

سب سے زیادہ تھا کہ کہیں دولت ضلالت کا قیام نہ ہو اور باطل حق پر فتحیاب اور

الضَّلَالِ اَلْيَوْمَ تَوَاقَفْنَا عَلٰی سَبِيْلِ الْحَقِّ

غالب نہ ہو جائے (اور جاہل طبقہ کی نہ بن آئے) ہم دونوں آج حق اور باطل کے راستے پر کھڑے

وَالْبَاطِلِ مَنْ وَثِقَ بِمَاءٍ لَمْ يَظْمَأْ[۴]

ہوئے ہیں (یعنی میں راہ حق پر ہوں اور تم راہ باطل پر) (یقیناً) جو شخص پانی پر (حق) بھروسہ کرے گا وہ پیاسا نہ رہے گا (یعنی جسکے ساتھ پانی محفوظ ہوگا وہ پیاس کے وقت ہلاکت سے محفوظ ہے)

سلہ اس لئے کہ تخلف اور ساتھ نہ دینے والا باوجود اسکے کہ حق کو آپ کے ساتھ دیکھ رہا ہے، اور آپ کی حقیقت پر دلیل و براہین قائم ہیں۔ پھر اگر وہ رائے تخلف اور کنارہ کشی پر جما ہوا ہے تو گویا اس کی رائے رائے صائب نہیں اور وہ ویسی ہی ہے جیسے کہ بغیر کسی رائے کے ہوتا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جس نے امام کا اور حق کا ساتھ نہ دیا اس سے رائے حق ہمیشہ دور ہی رہے گی۔

سلہ۲ آپ اپنے اتباع کی ترغیب اسطرح بھی دیتے ہیں کہ میں نے جب سے حق کو پہچانا ہے اور جب سے راہ حق مجھے دکھائی گئی ہے میں نے اسے چھوڑا نہیں، اچھا اگر کبھی اور کہیں اس راہ کو میں نے چھوڑا ہے تو تم ثابت کرو مگر جب تم ثابت نہیں کر سکتے اور نہ ثابت کر سکتے ہو تو سمجھو کہ میں

راہ حق پر ہوں اور میرا حکم اور میری پیروی اپنا ایمانی فرض سمجھو۔

سلہ۳ ہارون کی تشبیہ اپنے واقعات کی مثال حضرت موسیٰ سے دے رہا ہے کہتا ہے کہ دیکھو جس طرح موسیٰ کو اپنی جان کا ڈر اور اپنے نفس کی پروا نہ تھی بلکہ یہ خوف تھا کہ کہیں سحر ساحری کے وقت دولت فرعون جو دولت ضلالت تھی اسکا قیام وثبات نہ ہو جائے اور کہیں جہالت علم پر غلبہ نہ پا جائے اور کہیں حق باطل کی فریب کاری سے دب جائے اسی طرح مجھے تم لوگوں کے متعلق خطرہ ہے مجھے اپنا کچھ خیال نہیں اپنی نفس کی کچھ پروا نہیں ڈر اسکا ہے کہ تم کہیں حق کو نہ چھوڑ دو اور کہیں باطل کے پھندے میں پھنس کے باطل ہی کے نہ ہو جاؤ جس کے سبب سے حق مغلوب نظر آئے اور باطل بھاری بھرکم دکھائی دے۔

سلہ۴ آپ فرماتے ہیں مجھ پر اعتماد کرو مجھ پر اعتبار کرو مجھ پر بھروسہ کرو حق میرے ساتھ ہے اور میں حق کے ساتھ ہوں اگر تم ایسا کرو گے تو شبہات و شک سے دور اور حق و یقین سے قریب ہوتے جاؤ گے ہدایت سے نزدیک اور گمراہی سے دور ہوتے جاؤ گے بالکل اسی طرح جیسے وہ شخص جو عالم مسافرت میں اپنے پاس پانی کو محفوظ رکھے اور اسے اعتماد ہو کہ جب پیاس لگے گی یہ پانی کام آئے گا اور ہلاکت سے نجات دے گا۔

نواں خطبہ

وفات رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب عباس اور ابوسفیان آپ کے پاس بغرض بیعت آئے تو آپ نے فرمایا ؏

اَیُّھَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ ؎

اے لوگو! فتنوں کی موجوں کو

؎ بہترین استعارات سے کلام میں کام لیا ہے چونکہ فساد و فتنہ میں ایک تلاطم خیز صورت اور اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے لہٰذا اسکو دریائے متلاطم سے تشبیہ دی اور اس سے بچنے کے لئے نجات کی کشتیاں تجویز کیں جو حلم و صبر ہیں۔ خصوصاً اس موقع پر درحقیقت اسوقت کی حالت دیکھتے ہوئے امیرالمومنین کے لئے سوا اس امر کے کوئی بات زیبا نہ تھی کہ آپ صبر سے کام لیتے اور جنگ وجدل نہ فرماتے کیونکہ اسلام اس صورت میں بالکل تباہ ہوجاتا اور رسول کی ساری محنت برباد ہوجاتی اور یہی وجہ تھی کہ کہ آپ نے تلوار نہیں اٹھائی حالانکہ وقتی حیثیت سے آپ کو مدد بھی مل رہی تھی اور ابوسفیان برابر امداد کا وعدہ کر رہا تھا اور فوج لانے کو کہہ رہا تھا جیسا کہ اس کا یہ جملہ واللہ لاملانھا علی ابی بکر خیلا ورجلا (خدا کی قسم ابوبکر کے خلاف مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا) شاہد ہے۔ مگر آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہ کیا اور اسلام کے بچانے کے لئے اپنے حق سے دستبرداری کو بہتر سمجھا۔

سفینہ نجات میں کتنی بلیغ تلمیح اور کتنا لطیف اشارہ رسول کی حدیث سفینہ کی طرف مثل اھلبیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجی حقیقت میں سوا اہلبیت علیہم السلام کے ذریعہ کے کوئی دوسرا ذریعہ نجات دلانے والا نہ تھا، آخرت سے ہو تو۔ دنیا سے ہو تو، مہالک سے ہو تو رزم سے ہو تو اور فتنہ و فساد سے ہو تو راے کے اعتبار سے ہو تو انھیں کی راے نجات دہندہ تھی اور فعل وقول کے اعتبار سے ہو تو انھیں کا فعل وقول نجات دہندہ تھا۔ جیسا کہ تاریخی واقعات ثابت کر رہے ہیں۔

؏ اس کلام کا سبب یہ ہوا کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنا دیے گئے تو ابوسفیان نے آپس میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور جھگڑا پیدا کرنے کے لئے امیرالمومنین کی بیعت کرنی چاہی مگر چونکہ آپ ابوسفیان کے مرادوں سے واقف تھے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے لا لحب علی ہے اور اس لئے ہو کہ ایک ہنگامۂ عظیم برپا ہو لہٰذا آپ نے ابوسفیان کے کہنے پر عمل نہیں کیا اور یہ کلام بلاغت نظام ارشاد فرمایا۔

براء بن عازب صحابی رسول کہتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ بنی ہاشم سے الفت رہی جب رسول ؐ کا انتقال ہو گیا تو مجھے یہ ڈر پیدا ہوا کہ کہیں قریش امر خلافت کو رسول کے گھرانے سے نکال نہ لیں لہٰذا اس خیال سے مجھے بڑی بےچینی پیدا ہو گئی اور رسول کے انتقال کا صدمہ اس بےچینی پر مستزاد تھا۔ میں کبھی بنی ہاشم کے پاس بار بار جاتا جو حجرہ رسول میں جمع تھے اور کبھی سرداران قریش کی ٹوہ لیتا، میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر و عمر کا کہیں پتہ نہیں، یا اللہ کیا ہوئے، اتنی دیر میں میں نے یہ سنا کہ یہ سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ بھی سن لیا کہ ابوبکر کی بیعت ہو گئی۔ ابھی مجھے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر مع حضرت عمر اور ابوعبیدہ کے چلے آ رہے ہیں اور کچھ لوگ اور بھی ہمراہ ہیں جو سقیفہ میں جمع تھے یہ سب کے سب صنعانی چادریں اوڑھے ہوئے تھے (چادریں قیمتی تھیں اور نوید مسرت دے رہی تھیں) یہ لوگ جو ساتھ تھے ان کا کام یہ تھا کہ جو شخص بھی راستہ میں ملتا تھا اسکا ہاتھ پکڑ کے کھینچتے تھے اور حضرت ابوبکر کے ہاتھوں سے اسے مس کر دیتے تھے خواہ وہ شخص بیعت پر راضی ہو یا نہ ہو۔ یہ حال دیکھ کے میں حیران رہ گیا (کہ پروردگار بیعت یوں بھی ہوتی ہے) میں

(باقی صفحہ ... ملاحظہ ہو)

بنی ہاشم) ٹھرو کیونکہ رسولؐ ہم سے اور تم سے تھا۔ حضرت ابو بکر کی تقریر کا یہ شعبہ خلاف مصلحت حضرت عمر تھا چنانچہ آپ نے ان باتوں کا سننا گوارا نہیں کیا اور برافروختہ ہو گئے اور کچھ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے اپنی خصوصیت کلامی کے ساتھ گویا ہوئے۔ فرمایا، ہاں خدا کی قسم، دوسری بات یہ ہے کہ ہم کوئی حاجت اور ضرورت لیکے تمہارے پاس نہیں آئے، بس صرف اس خیال سے آئے ہیں کہ جو بات مسلمانوں نے طے کر لی ہے، اس میں طعن و تشنیع نہ ہو اور کھنڈت نہ پڑے جس کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہو، لہذا اس مطلب کو خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔

یہ سن کے حضرت عباس نے کہا کہ اے ابو بکر جو کچھ تم نے کہا ٹھیک کہا رسولؐ ایسا ہی تھا جیسا تم نے بیان کیا، اور اس نے لوگوں پر ان کے کام بھی چھوڑے کہ وہ اپنے لئے جس کو مناسب سمجھیں چن لیں اور اختیار کریں جیسا کہ ابھی تم نے اپنی تقریر میں بیان کیا، مگر اس میں اتنی شرط اور ہے کہ یہ انتخاب و اختیار خالصۃً لوجہ اللہ ہو اور اس میں دل کی کجی اور خود غرضی نہ شریک ہو۔ لہذا اگر تم نے قرابت داری کا لحاظ کرتے ہوئے خلافت کو حاصل کیا ہے اور اپنے کو مستحق سمجھتے ہو تو یہ دراصل ہمارا حق ہے جو تم نے لے لیا اور اگر تم نے مومنین کا خیال کرتے ہوئے ایسا کیا ہے تو مومنین میں ہم شامل ہیں (بنی ہاشم) ہماری رضا کا اس میں کوئی دخل نہیں اور ہمیں یہ بات ناگوار ہے اور جب ہم مومنین نے تمہیں اجازت نہیں دی تو تم آخر خلیفہ کیونکر ہو گئے۔

رہ گئی یہ بات کہ تم میرا اور میری اولاد کا حصہ خلافت میں مقرر کرنا چاہتے ہو یہ بھی ایک متعجب خیز امر ہے اس لئے کہ اگر یہ حصہ جو تم دے رہے ہو اپنے حق میں سے دے رہے ہو تو ہم ایسے لینے پر تیار نہیں اسے اپنے ہی پاس رکھو اور اگر مومنین کے حق میں سے یہ عطا ہو رہی ہے، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مومنین کے ہوتے ہوئے تم دینے والے کون ہوتے ہو۔ اور اگر یہ حق نہ تمہارا ہے اور نہ مومنین کا بلکہ مخصوص ہمارا (بنی ہاشم) ہے تو ہم اس پر کبھی نہیں راضی کہ

بِسُفُنِ النَّجَاۃِ وَ عَبِّرُ جُوْا

نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہو جاؤ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) دوڑتا ہوا بنی ہاشم کے پاس گیا دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے میں نے بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور جا کے کہا کہ ابو بکر کی بیعت کر لی گئی، عباس نے یہ سن کر بنی ہاشم سے مخاطب ہو کر کہا تمہارے ہاتھوں میں مٹی میں تم لوگ ہمیشہ کے لئے بے دست و پا اور محروم کر دئے گئے، میں نے تم لوگوں سے پہلے ہی اس امر بیعت کو کہا تھا مگر تم نے ایک نہ مانی اور مجھے یہ دکھ سہنا ہی پڑا اور وہی ہوا جو میرا خیال تھا۔

راوی روایت بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ اصحاب نبیؐ میں سے حضرت مقداد، سلمان، ابوذر، عبادہ بن صامت، ابو الہیثم تیہان، حذیفہ یمانی اور جناب عمار یہ سب مل کے اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ رات کو بزم شوریٰ و سقیفہ پھر منعقد ہو اور امر خلافت پھر سے طے کیا جائے، کیونکہ بیعت ابو بکر کے وقت اور صبح کی بزم سقیفہ میں ان اصحاب کے ماسوا اور اصحاب بھی شریک نہ ہو سکے تھے اور بہتوں کو تو اس کی خبر بھی نہ تھی۔

جب اصحاب نبیؐ کا یہ ارادہ حضرت ابو بکر و عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے فوراً ابو عبیدہ اور مغیرہ بن شعبہ کو بلا بھیجا اور آپس میں مشورہ کرنے لگے، مغیرہ نے کہا اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو اس وقت صحیح رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس موقع پر عباس سے ملو اور امر خلافت میں ان کا اور ان کے لڑکوں کا ایک حصہ مقرر کر دو، اس سے یہ ہوگا کہ علی ابن ابی طالب کا یہ پہلو بھی کمزور ہو جائے گا۔

یہ رائے حضرت عمر و ابو بکر کو پسند آئی اور یہ چاروں آدمی اٹھ کے چلے اور عباس کے پاس پہونچے رسولؐ کو مرے ہوئے یہ دوسری رات تھی، حضرت ابو بکر نے حسب معمول قدیم تحمید و تمجید الٰہی کر کے رسالتمآب کی تبلیغ بلیغ اور ان کے اسلامی احسانات کا تذکرہ فرمایا اور یہ کہا کہ ان کے بعد مسلمانوں نے میری بیعت کر لی ہے اور لوگ تمہیں آڑ بنا کے فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور تمہارے سہارے سے کام نکالنا چاہتے ہیں مجھے خیال پیدا ہوا کہ کہیں تم مسلمانوں کے خلاف ان لوگوں کے لئے ایک قلعہ مستحکم نہ بن جاؤ اور ان کی جائے پناہ نہ ہو جاؤ لہذا ہم چاہتے ہیں کہ یا تو تم بیعت کر لو جیسا کہ اوروں نے بیعت کی ہے اور یا ان لوگوں کو ان کے ارادوں سے پلٹا دو کہ اب بعد بیعت وہ کوئی کارروائی اس کے خلاف نہ کریں اور ہم تو اس لئے بھی آئے ہیں کہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا حصہ خلافت میں قرار دیں کیونکہ آپ رسولؐ کے چچا ہیں اگرچہ آپ کی قرابت وغیرہ رسولؐ سے مسلمانوں کو معلوم تھی اور اس قرابت و نسبت کو جانتے تھے مگر پھر بھی انھوں نے خلافت تمہیں نہ دی اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب تم اپنی جگہ پر رہے

باتوں کا اس میں اضافہ ہے اس لئے ان کا خلاصہ کلام لکھا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب بیعت ابوبکر سقیفہ میں ہو گئی تو ابوسفیان ابن حرب نے چاہا کہ مسلمانوں میں آپس میں لڑائی ہو اور جنگ آزمائی ہو اور ایک دوسرے کو قتل کریں تاکہ دین اسلام میں کمزوری اور ضعف پیدا ہو جائے، اس خیال سے وہ عباس عم رسولؐ کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ اے ابوالفضل، دیکھتے نہیں ہو کہ ان لوگوں نے بنی ہاشم سے خلافت کو کیونکر نکال لیا اور کیونکر بنی تیم کی بن آئی، میں جانتا ہوں کہ کل ہم پر یہ فظ غلیظ "یعنی (حضرت عمر) بنی عدی کی ایک فرد حکومت کرے گی لہذا ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم علیؑ کی بیعت کر لیں، تم رسولؐ کے چچا ہو اور ہم وہ ہیں کہ ہمارا کلام و قول قریش میں مقبول ہے، اگر اُنھوں نے ہم سے کچھ مزاحمت کی تو ہم ان سے جنگ کریں گے، یہ کہہ کے عباس کو ہمراہ لئے ہوئے امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے پاس آیا اور کہا کہ اے علیؑ اس وقت غفلت سے کام نہ لو اور خلافت سے تغافل نہ کرو تم لوگ کس دن بنی تیم (جو ذلیل ہیں) کے محکوم تھے جو آج وہ تم پر حکومت کے لئے مقرر کر دئے گئے لہذا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں۔

گو چونکہ امیرالمومنینؑ ابوسفیان کو خوب اچھی طرح پہچانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے یہ الفاظ اس لئے نہیں کہ وہ دین کے لئے غضبناک ہو رہا ہے بلکہ اس کا مقصود اصلی صرف فساد ہے جو اس کے دل میں پوشیدہ ہے لہذا آپ نے اس بیعت سے انکار کر دیا، اور یہ خطبہ فرمایا۔

صاحب طبری نے صہ۲۰۳ پر اُس وقع کے لئے یہ عبارت لکھی فزجرہ علی و قال انک واللہ ما اردت بھذا الا الفتنۃ وانک واللہ طالما بغیت الاسلام شرا لاحاجۃ لنا فی نصیحتک امیرالمومنینؑ نے ابوسفیان کو جھڑکا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تیری غرض صرف یہی ہے کہ فتنہ و فساد پیدا ہو اور خدا کی قسم تو نے مدتوں اسلام سے بغاوت کی ہے اور یہ چاہا ہے کہ اسلام میں فساد اور شر برپا ہو ہمیں تیری نصیحت و پند کی کوئی ضرورت نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) ہمارے حق میں یوں حصہ بانٹ ہو کہ کچھ تم لو اور کچھ ہم لیں۔ ہم اپنا حق پورا کیوں نہ لیں۔ رہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ رسولؐ ہم سے اور تم سے دونوں سے تھا، یہ بھی عجیب چیز ہے، ارے بھائی رسولؐ اس درخت سے تھا جس کی شاخیں ہم ہیں اور تم اس کے ہمسایہ ہو۔ رہ گیا عمر کا یہ قول کہ ہمارے خلاف لوگ فتنہ و فساد برپا کر دیں گے تو یہ دھمکی تو وہ ہے جو ہم روز اول سے سنتے چلے آتے ہیں اور خدا بہترین مددگار ہے۔ (دیکھو ابن ابی الحدید صہ۴۲ ابن قتیبہ صہ۱ اور دیگر کتب تاریخ)

جب مہاجرین بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ابوسفیان نے کہنا شروع کیا کہ میں اس غبار کو بلند دیکھ رہا ہوں جس کو خون کے چھینٹوں کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں بجھا سکتی، اے عبدمناف والو تمہارے کاموں میں اور تمہارے حقوق میں ابوبکر کا کیسا حصہ، یہ کہہ کے اس نے کہا کہ وہ دو کمزور کہاں ہیں جن کی ذلت کی گئی وہ دونوں (علی و عباس) بے بس کہاں ہیں جن کی مدد نہیں کی جاتی، ارے یہ کیا ہو گیا ہے کہ سب سے نیچے قبیلہ میں خلافت کا امر عظیم چلا گیا، پھر ابوسفیان نے امیرالمومنین سے کہا کہ ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں اور اگر کہو تو مدینہ کی گلیوں کو ابی ابوبکر (جن کی کنیت ابوفضل بھی تھی) کے خلاف سوار اور پیادوں سے بھر دوں۔ امیرالمومنین چونکہ ابوسفیان کے ارادے سے واقف تھے لہذا آپ نے اس کے کہنے پر عمل نہیں کیا اور ابوسفیان متلمس کے یہ شعر پڑھتا ہوا چلا گیا۔

ولا یقیم علی ضیم یراد بہ   الا الاذلان عیر الحی والوتد

ظلم کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا مگر وہی دو کمزور ایک تو قبیلہ کی سواری کا اونٹ دوسرے وہ میخ جس سے اونٹ باندھا جائے

ھذا علی الخسف مربوط برمتہ   وذا یشج فلا یاوی لہ احد

یہ (بیچارہ) رسیوں میں بندھا ہوا (مظلوم پڑا ہے)   اور وہ برابر چوٹ کھاتی ہے اور کوئی بیان حال نہیں پوچھنے والا

طبری کے صہ۲۰۳ پر متلمس کے اشعار کے بعض الفاظ بدلے ہوئے ہیں، پہلا مصرعہ یوں ہے

ولن یقیم علی خسف یراد بہ (کبھی بھی اس ظلم کو کوئی برداشت نہیں کر سکتا) اور چوتھا مصرعہ یوں ہے

وذا یشج فلا یبکی لہ احد   اب معنی یہ ہوں گے کہ "اس کی چوٹ کھانے پر کوئی اسکے لئے روتا نہیں"۔

ابن ابی الحدید نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی اور ان کے باپ ابوقحافہ سے کہا گیا کہ مبارک ہو آپ کے بیٹے کی بیعت ہو گئی، تو انھوں نے یہ آیت پڑھی اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء پھر پوچھا کہ کس بات پر ان کی بیعت ہوئی لوگوں نے کہا کہ ان کا سن دیکھتے ہوئے کیونکہ وہ سب سے بڑے تھے، ابوقحافہ نے کہا اگر یہ بات ہے تو میں ان سے بھی بڑا ہوں اور ان سے زیادہ میرا سن ہے کیونکہ میں ان کا باپ ہی ہوں۔

علامہ ابن میثم نے اس خطبہ کا سبب تقریباً وہی بیان کیا ہے جو ابن ابی الحدید نے لکھا ہے مگر بعض

اور آپ کھینچے گئے (دیکھو سیرۃ الحلبیہ علامہ وعلائی حالات رسالتمآب) مگر خدا کا حبیب باوجود اس اقتدار وعظمت کے جو آپ اللہ کی طرف سے دی گئی تھی خاموش رہا اور صبر سے کام لیا، نہ اس نے جنگ کی کہ اعوان وانصار نہ تھے نہ اس نے بددعا کی نہ اس نے عذاب طلب کیا نہ خدا نے اپنے حبیب کے بچانے کے لئے کوئی ایسی صورت فراہم کی جس سے اس کا حبیب ان زحمتوں سے نجات پاتا مگر باوجود ان باتوں کے اور باوجود کفار عرب کے ایذا رسانیوں اور غلبہ کے رسول رسول ہی رہا اور اس کی وقعت و اقتدار میں نگاہ ایمان میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ خداوند عالم خود یا رسول کی دعا سے ملائکہ مدد کے لئے بھیج سکتا تھا جیسا کہ بدر میں ہوا عذاب الٰہی قوموں پر نازل کر سکتا تھا جیسا کہ اگلی امتوں کے لئے ہوا مگر کچھ بھی نہ ہوا اور رسول کو یہ تمام تکلیفیں جھیلنی پڑیں پھر بھی شجاعت اپنے مقام پر تھی اور ہمت میں کوئی فرق نہ آیا تھا صبر و استقلال کی قوتیں کار فرما تھیں اور اہل عقل کے نزدیک ممدوح تھیں۔

وَضَعُوا عَنْ	عَنْ طَرِيقِ الْمُنَافَرَةِ
اور فخر ومباہات کے تاجوں کو	منافرت کی راہ سے ہٹ کر چلو
أَفْلَحَ مَنْ	تِيجَانِ الْمُفَاخَرَةِ
مددگاروں کے ساتھ جو کسی کام کو اٹھا	سر سے اتار پھینکو

ف فرماتے ہیں کہ مخالفت ومنافرت سے دور رہو اسلام میں یہ باتیں زیبا نہیں اور فخر ومباہات کو ترک کرو کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن سے مفسدے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ "منافرت" کے معنی مخالفت کے بھی اس جگہ پر لئے جا سکتے ہیں، اور منافرت سے، حیثیت فخر ومباہات بھی مراد لی جا سکتی ہے کیونکہ عرب جاہلیت آپس میں افتخارات کیا کرتے تھے اور اس کا فیصلہ کاہن وغیرہ کرتے تھے اور اس کو بھی وہ "منافرت" سے تعبیر کرتے تھے جیسا کہ مورخین نے اس کو لکھا ہے اور صاحب بلوغ الارب نے ان منافرات کا ایک باب اپنی کتاب میں قائم کیا ہے، امیرالمومنین کا دوسرا فقرہ جو اس فقرہ سے متصل ہے، وہ اس "منافرت" کی توضیح بھی کرتا ہے۔ غالباً یہ جملے اس لئے آپ نے فرمائے کہ ابوسفیان بنی تیم و بنی عدی کا ذکر کر کے وہی جاہلیت کے افتخارات ومنافرت آپ کے سامنے پیش کر رہا تھا۔

ف آپ اپنی حالت کو ظاہر فرماتے ہیں کہ فتنوں سے بچنے کی یا فتنوں کو قابو میں لانے کی دو صورتیں ہیں یا تو انسان انصار و مددگار رکھتا ہو اور اتنی قوت رکھتا ہو کہ بڑے سے بڑے فتنہ کا سر نیچا کر دے اور یا جب باعتبار مصلحت تاب مقابلہ نہ ہو تو خاموشی سے ان واقعات کو دیکھتا رہے اور تکلیفیں سہتا رہے جیسا رسول نے کیا کہ باوجود اس کے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کا اثر کفار قریش پر کافی تھا اور آپ کے غلام وغیرہ بھی تھے حکمرانی بھی تھی مقبول الکلمہ بھی تھے مگر باوجود ان قوتوں کے بھی اور باوجود رسول کے مرتبہ کے رسول اللہ نے صبر و استقلال سے کام لیا اور جنگ نہیں فرمائی کیونکہ جنگ کا وقت نہ تھا۔

تاریخیں اس امر پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ کو عہد ابوطالب اور بعد عہد ابوطالب کیا کیا زحمتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، کبھی آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے، کبھی آپ پر طعن وتشنیع کی گئی۔ کبھی آپ کی تضحیک کی گئی، کبھی آپ پر حالت نماز میں غلیظ اور گندی چیزوں کی ہانڈیاں پھینکی گئیں کبھی آپ کو پتھر مارے گئے اور آپ مختلف مقامات پر پناہ لیتے ہوئے دکھائی دیتے تھے یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک چلتے چلتے متورم ہو گئے اور پیروں سے خون بہنے لگا۔ کبھی یہ ہوا کہ آپ کے گلے میں پھندا ڈالا گیا

بعینہ یہ وقت امیرالمومنین پر ویسا ہی تھا ہر طرح کی زحمت و مصیبت تھی مگر یہ صبر کا وقت تھا کہ اسلام کی کشتی ڈگمگا رہی تھی اور غیر مذہب والوں کی نگاہیں اسلامی اقتدار کے مٹانے کے لئے راہیں ڈھونڈھ رہی تھیں، ایسے وقت میں انھیں مصالح کی بناء پر جنگ نہ فرمائی جن مصالح کی بناء پر رسول نے گردن میں چادر کا پھندا ڈلوا لیا اور خاموش رہے عبداللہ بن الزبعری کے ہاتھوں ایذائیں سہیں اور پے در پے مگر چپ رہے اور صبر کرتے رہے یہاں تک کہ مددگار بڑھے اسلام میں ترقی نظر آنے لگی جتھا اگرچہ کم تھا مگر بازوؤں کی قوت دو بالا تھی علی کا سا جانباز ساتھ تھا کچھ اور لوگ بھی اسلام کی فوج میں داخل ہو چکے تھے اب جنگ کا وقت تھا چنانچہ جنگ کی گئی اور بدر و احد وخندق وخیبر کی لڑائیاں رونما ہوئیں، یہ معرکے کس کے ہاتھوں فتح ہوئے اس کا جواب تاریخیں دیں گی، کون ثابت قدم رہا اسے کتب سیر بتائیں گی۔ انھیں وجوہ کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ یہ موقع ومحل جنگ کا نہیں بلکہ فتنہ کے دبانے کے لئے اس وقت خاموشی ہی بہتر ہے کیونکہ وہ سچے مددگار نہیں جو اسلام حقیقی کی مدد کریں۔

نُهَضَ بِجَنَاحٍ اَوِاسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ

وہ کامیاب ہے اور (بغیر یار و مددگار) جنے کاموں کو ان کے حال پر چھوڑا اور جھگڑے فساد کے

هٰذَا مَاءٌ اٰجِنٌ وَ لُقْمَةٌ يَغُصُّ بِهَا

بجائے راحت پائی۔ یہ خلافت تو ایک گندہ پانی ہے اور وہ لقمہ ہے جس کے کھانے والے کو

اٰكِلُهَا وَ مُجْتَنِي الثَّمَرَةِ لِغَيْرِ وَقْتِ

اچھو ہو جاتا ہے اور جان پر بنتی ہے (ہاں ہاں) کچے پھلوں کو بغیر پکے ہوئے چننے والا

اِيْنَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ اَرْضِهٖ

ویسے ہی ہے جیسے کوئی دوسرے کی زمین (یا زمین ناقابل زراعت) پر کھیتی کرے

۱؎ اس وقت خلافت کی یہی حالت تھی۔ آپ کے استعارات ایک عجیب مطلب پر روشنی ڈالتے ہیں فرماتے ہیں کہ امورِ دنیا چاہے کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو مگر وہ اس قابل ہیں کہ ان سے نفرت کی جائے جیسے گندہ پانی کہ پیاسا اگرچہ پانی کا طلبگار رہتا ہے، مگر ایسے پانی کے پینے سے طبیعت اکراہ کرتی ہے اور اسے جان دینا گوارا ہوتا ہے اور جیسے وہ لقمہ جو گلے میں پھنسے کہ اس کی تکلیف سے بچنے کے لئے اہل عقل کے نزدیک گرسنہ رہنا بہتر ہے، مگر ایسے لقمہ کا کھانا اچھا نہیں۔

یہ استعارات ایک طرف تو حقیقت کے چہرہ کو نمایاں کرتے ہیں اور دوسری طرف بنی ہاشم کے لئے باعث تسکین ہیں ان الفاظ میں خلافت موجودہ کی تعبیر فرمائی ہے کہ بڑھنے والے پیچھے ہٹ جائیں اور آرزو کرنے والے دستبردار ہو جائیں اور اپنے حقوق کے چھن جانے کا غم کرنے والے مطمئن ہو جائیں اور منہ پھیر لیں۔

کس قدر لطیف استعارہ و اشارہ اس مطلب کی طرف ہے کہ جن لوگوں نے خلافت کو لیا ہے۔ اس سے خلافت الٰہیہ حقیقی مراد نہیں بلکہ وہ خلافت ان کے پیٹ بھرنے کا ذریعہ ہے اور ان کی سیر شکمی کا وسیلہ اسی پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے جیسا کہ پانی اور غذا پر انسان کی حیات منحصر ہوتی ہے بس فرق اتنا ہے کہ یہ پانی ایک گندہ پانی ہے، اور یہ لقمہ ایسا ہے جس سے اچھو ہو جایا کرے گا یعنی یہ غذا اور یہ پانی ان لوگوں کو ہضم نہیں ہو سکتا ہے بلکہ ان کی ہلاکت کا ڈر ہے اور آخر نتیجہ یہی ہو گا کہ امور سد ھر نہ سکیں گے اور یہ کام چلائے نہ چلے گا کب تک کھائیں گے اور کب تک باتیں بنائیں گے۔

ایک دن اس لقمہ کا اچھو گلا گھونٹ دے گا۔

۲؎ یہ جملہ بھی اسی مطلب کی طرف مشیر ہے کہ ہر کام کا وقت ہوا کرتا ہے، ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں ان لوگوں سے جنگ کروں اور اپنے حقوق طلب کروں اگر ایسا کروں تو یہ بات خلاف عقل ہوگی اور یہ کام بے محل ہوگا۔

فَاِنْ اَقُلْ يَقُوْلُوْا حَرَصَ عَلٰى

(اس وقت) اگر میں (خلافت کے بارے میں) کچھ کہتا ہوں تو لوگ یہی کہیں گے کہ دیکھیے علی کو

الْمُلْكِ وَاِنْ اَسْكُتْ يَقُوْلُوْا جَزِعَ

ملک و دولت کی طمع ہوئی اور اگر چپ رہتا ہوں تو یہی کہیں گے (کہ دیکھیے اپنا حق لیتے نہیں)

مِنَ الْمَوْتِ هَيْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَيَّا وَ

موت سے ڈر گئے۔ (افسوس) مجھ سے خوف موت بہت دور ہے کیونکہ میں ہر چھوٹی بڑی

الَّتِيْ وَاللهِ لَابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اٰنَسُ

سختی کو جھیل چکا ہوں (اور ہر معرکہ کو طے کر چکا ہوں جیسا کہ زمانہ آگاہ ہے) خدا کی قسم ابن ابی طالب

بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْيِ اُمِّهٖ

موت سے بہت زیادہ مانوس ہو اس سے کہیں زائد جتنا کہ دودھ پیتا بچہ اپنے ماں کے سینے سے

۱ اس وقت دو طرح کے لوگ تھے ایک وہ گروہ جو آپ سے اصرار کرتا تھا کہ خلافت آپ کا حق ہے اسے حاصل کیجئے ایک وہ گروہ جو اس خیال میں تھا کہ علیؑ کو خلافت کی طمع ہے۔ اسی بات کو آپ بیان فرماتے ہیں کہ عجب کشمکش میں ہوں اگر اپنا حق مانگتا ہوں تو لوگ حریص کہتے ہیں اور اگر اپنے حق سے درگزر کرتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ ڈر گئے۔ آپ اس الزام خوف کو اپنے سے دفع کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو میری خاموشی کو خوف کی وجہ سے سمجھتے ہیں کس قدر بے وقوف اور بے عقل ہیں بھلا مجھ پر کبھی اور کسی وقت میں بھی خوف طاری ہوا ہے یا آج ہی ہوگا، انھیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ میرا خاموش رہنا مصلحت وقت کی بنا پر ہے نہ خوف موت اور ہراس جنگ سے۔

۲ بعد اللتیا والتی یہ عرب کی ایک مثل ہے جو معصوم نے اس جگہ پر صرف فرمائی اس مثل کا واقعہ یوں ہے کہ بنی جدیس کے ایک شخص نے ایک چھوٹے قد کی عورت سے عقد کیا اس سے اس کو بڑی زحمتیں اور تکلیفیں پہونچیں آخر عاجز آکر اسے طلاق دیدی پھر ایک لمبے قد کی عورت سے عقد کیا اس سے جو تکلیفیں پہونچیں وہ پہلے سے کہیں زیادہ تھیں اس نے گھبرا کر اسے بھی طلاق دیدی اور کہا اب اس کے بعد کبھی عقد ہی نہ کروں گا بعد اللتیا والتی لا اتزوج ابداً اس دن سے یہ مثل

ہو گئی اور چھوٹی بڑی مصیبتوں کے لئے مستعمل ہونے لگی، اس جگہ پر اس مثل کا استعمال آپ نے اس لئے فرمایا ہے تاکہ اہل دنیا کا اندھا پن اور بے عقلی ظاہر ہو کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو امیر المومنین کے کارنمایاں دیکھ چکے تھے اور عرب بھر آپ کے جراتوں، ہمتوں اور استقلال کا لوہا مانے ہوئے تھا، اسلامی جنگ جتنی بھی ہوئیں وہ سب آپ کی بے ہراسی اور شجاعت کی آئینہ بردار تھیں مشکل سے مشکل مقامات پر آپ کی کوششوں کا بار آوری دنیا دیکھ چکی تھی، بڑے بڑے بہادروں کا سر آپ کی تلوار نیچا کر چکی تھی بڑے بڑے قلعے آپ کی بے جگری فتح کر چکی تھی۔ بڑے بڑے لشکروں کو آپ کی وحدت شجاعت شکست فاش دے چکی تھی غرضکہ ہر چھوٹے بڑے معرکے میں آپ نے داد جوانمردی دی اور ہر چھوٹی بڑی مصیبت کو جھیلا ان تمام واقعات کے جاننے کے بعد پھر آج وہ کون سی زبانیں ہیں جو یہ کہہ رہی ہیں کہ علی ابن ابی طالب ڈر گئے جو اپنا حق ان لوگوں سے نہیں لیتے۔

اس خیال کو آپ بایں الفاظ دفع فرماتے ہیں کہ میں وہ ہوں جسے موت اس طرح محبوب اور عزیز ہے جیسے بچے کو اپنی ماں کی آغوش اور وہ ظرف غذا جس کی طرف بچہ شوق سے جھکتا اور بڑھتا ہے یوں ہی میں موت کی طرف جھکا اور بڑھتا ہوں یہ عجب خیال ہے کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔

بَلِ انْدَمَجْتُ عَلٰى مَكْنُوْنِ عِلْمٍ
(یہ بات نہیں) بلکہ ایسے مخفی اسرار اور پوشیدہ علم کا میں رازدار ہوں (وہ راز جانتا ہوں)
لَوْ بُحْتُ بِهٖ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ
کہ اگر تمہیں اسے ظاہر کردوں تو تم یوں کانپ اٹھو جیسے
الْاَرْشِيَةِ فِي الطَّوِيِّ الْبَعِيْدَةِ ،
گہرے کنوؤں میں رسیاں کانپتی اور لرزتی ہیں

١ فرماتے ہیں یہ بات نہیں کہ میں ڈرتا ہوں جیسا تم لوگوں کا خیال ہے، بلکہ اس وجہ سے چپ ہوں کہ میں رسولؐ کی وصیتوں کو جانتا ہوں ان کے اسرار سے واقف ہوں، وقت کا مقتضا یہی ہے، مصلحت کا تقاضا یہی ہے، میں ان بھیدوں کو جانتا ہوں کہ اگر اس کا اظہار کردوں تو تم کانپ اٹھو اور تعجب و خوف سے لرز جاؤ۔

اس مقام پر علامہ ابن ابی الحدید یہ عبارت لکھتے ہیں وهذا اشارة الى الوصية التي خص بها عليه السلام انه قد كان من جملتها الامر بترك النزاع في مبدء الاختلاف عليه

اور یہ اشارہ ہے اس وصیت کی طرف جو رسولؐ نے خاص طور سے امیرالمومنین کو فرمائی تھی اور جس میں حکم تھا کہ جب اختلاف کی سرحدیں شروع ہوں تو تم نزاع نہ کرنا اور جنگ سے باز رہنا۔

درحقیقت امیرالمومنین پر یہ الزام کہ آپ نے اس وقت جنگ کیوں نہیں فرمائی بالکل غلط ہے اور اس کا مبنی جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں، یہاں تو یہ مقتضائے وقت و مصلحت و تاسی احکام وصیت رسولؐ جنگ نہیں ہوئی جیسا کہ تمام علماء قائل ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ جنگ نہ کرنا انھیں باتوں پر مبنی تھا پھر بھی اکثر افراد اسلامی اس وصیت کو ناقابل قبول سمجھتے ہیں اور عذر لنگ سے زیادہ وقیع نہیں جانتے لیکن حضرت عثمان کے بارے میں جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر "یوم دار" انھوں نے کیوں جنگ نہیں کی اور کیوں گھر میں بیٹھے رہے درآنحالیکہ وہ ماشاءاللہ صاحب اقتدار تھے لشکر و فوج ساتھ تھی امیر تھے حکمراں تھے بادشاہ تھے تو اس وقت سوا اس جواب کے کوئی دوسرا جواب دیتے نہیں بن پڑتا کہ حضرت عثمان رسولؐ کی وصیت پر عامل تھے چونکہ رسولؐ نے آپ سے وصیت کی تھی کہ اصحاب سے جنگ نہ کرنا اور اس وقت آپ کے قتل کرنے والے صرف مہاجرین و انصار و اصحاب رسولؐ ہی تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر اپنی

کتاب استیعاب کے ص۔۔۔ پر یوں تحریر فرماتے ہیں۔ عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه (وآله) وسلم ادعوا الى بعض اصحابى فقلت ابوبكر قال لا فقلت عمر قال لا فقلت ابن عمك على قال لا فقلت عثمان قال نعم فلما جاء قال لى بيده فتنحيت فجعل رسول الله صلى الله عليه (وآله) وسلم يسارّ ولون عثمان رضى الله عنه يتغير فلما كان يوم الدار و حصر قيل له الا تقاتل قال لا ان رسول الله صلى الله عليه (وآله) وسلم عهد الى عهدا و انا صابر على نفسى

حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسولؐ نے ایک روز فرمایا کہ میرے بعض اصحاب کو میرے پاس بلاؤ میں نے کہا ابوبکر کو (خدا معلوم حضرت عائشہ اکثر مقامات پر اصحاب سے انھیں حضرات کو کیوں مراد لیا کرتی تھیں حالانکہ اصحاب بھی بکثرت تھے) فرمایا نہیں، میں نے کہا عمر کو، فرمایا نہیں، میں نے عرض کی تمہارے چچازاد بھائی علیؑ کو بلاؤں فرمایا نہیں، پھر میں نے کہا عثمان کو، فرمایا ہاں، جب حضرت عثمان آئے تو رسولؐ نے مجھے ہاتھوں سے اشارہ کیا میں ہٹ گئی اور بہت دیر تک رسول اللہ عثمان سے چپکے چپکے باتیں کرتے رہے، رسول اللہ باتیں کرتے جاتے تھے اور عثمان کے چہرہ کا رنگ بدلتا جاتا تھا۔ جب "یوم دار" آیا اور عثمان محصور ہوگئے تو ان سے کہا گیا کہ ان لوگوں سے جنگ کیوں نہیں کرتے، کہا میں ان سے جنگ نہ کروں گا کیونکہ رسولؐ نے مجھ سے وصیت کی ہے اور عہد و پیمان لے لیا ہے اس وقت مجھے صبر ہی زیبا ہے۔

دسواں خطبہ

طلحہ وزبیر جب جنگِ جمل کیلئے لشکر لیکے گئے[ع۵] اور آپ نے بھی ارادۂ جنگ کیا تو آپ کو سمجھایا گیا کہ انسے جنگ نہ کیجئے، اسپر آپ نے فرمایا

وَاللّٰهِ لَا اَكُوْنُ كَالضَّبُعِ[ع۶]

خدا کی قسم (اب خاموش نہ بیٹھونگا اور) ... اس بجّو کی طرح نہ ہونگا

ط۱ شارحین نے لکھا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ بابا! اب جنگ کا ارادہ نہ فرمائیں کیونکہ آپ کے دشمن بہت ہیں، اور حق سے عداوت رکھنے والے بے حد ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ آپ کام آجائیں، ان لوگوں کو انکے حال پر چھوڑیے ان کا جو جی چاہے وہ کریں، یہ عرض کرکے آپ رونے لگے کیونکہ باپ کی حالت دیکھ کے دل بھر آیا تھا۔ جب امیرالمومنین علیہ السّلام نے یہ سنا تو آپ نے یہ خطبہ فرمایا۔

ط۲ آپ فرماتے ہیں کہ اب خدا کی قسم میں عاجز نہ ہوں گا اور ان کے فریب میں نہ آؤں گا کیونکہ ہر بار یہ لوگ مجھے میرے حقوق سے باز رکھتے ہیں اور میری خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے بجّو کے ساتھ صیاد سلوک کرتا ہے، اور وہ سلوک یہ ہوتا ہے کہ شکاری جب بجّو کے شکار کے لئے جاتا ہے تو اس کے بھٹ کے قریب پتھر یا لکڑی سے چپکے چپکے ٹھونکتا اور کھٹکھٹاتا ہے اور قریب جاکر کہتا ہے "اُطرقی امِ طریق خامری امِ عامر" جسکے معنی یہ ہوئے کہ اے ام عامر (بجّو) اپنا سر جھکا اور اپنے بھٹ میں چھپ جا اور وہاں سے نہ نکل" یہ الفاظ وہ صیاد بار بار کہتا جاتا ہے، بجّو یہ سنکر اپنے بھٹ کے بالکل آخری حصوں میں ہاتھ پاؤں سمیٹ کے بیٹھ جاتا ہے، پھر شکاری کہتا ہے "بھائی ام عامر یہاں کہاں! (یعنی بجّو) لے دیکھو بھٹ خالی پڑا ہوا ہے، اور ابن عامر (بجّو) تو سو رہا" یہ سنکر بجّو ہاتھ پاؤں پھیلا دیتا ہے اور چت لیٹ جاتا ہے، اور شکاری اسکے ہاتھ پاؤں میں رسیاں باندھ کر باہر نکال لیتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ چھپانے سے بجّو سو جاتا ہے اور یوں اسکا شکار کر لیا جاتا ہے۔ مقصود آپکا اس تمثیل سے یہ ہے کہ اب وہ وقت نہیں کہ میں ان لوگوں کے فریب میں آ جاؤں اور انکے مظالم پر سکوت کروں اور اپنے کو انکے سپرد کردوں بلکہ اب وہ وقت ہے کہ میں ان سے جنگ کروں ورنہ یہ لوگ حسب عادت مجھ سے ایسا ہی سلوک کرتے رہیں گے اور اسلام میں اپنے مرضی اور خواہش نفس کے متعلق جو چاہیں گے کرتے رہیں گے لہذا اب میں اپنے طاعتگذاروں کو لیکے اپنے نافرمانوں سے لڑونگا۔ اور برابر لڑتا جاؤنگا یہانتک کہ موت آجائے۔

ع۵ طلحہ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ، عبید اللہ طلحہ کے باپ حضرت ابوبکر کے چچازاد بھائی تھے اور طلحہ کی ماں "صعبۃ" کہلاتی تھیں جو حضرمی کی بیٹی تھیں، قبل اسکے کہ عبید اللہ ان سے اپنا عقد کریں اور یہ طلحہ کی ماں ہوں ابوسفیان نے ان سے عقد کیا تھا جب ابوسفیان نے طلاق دیدی تو عبید اللہ نے ان سے اپنا عقد کیا۔

گروہ عامہ کے نزدیک حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور انکے متعلق کہا جاتا ہے کہ رسول نے گواہی دی کہ یہ جنتی ہیں۔ حضرت عمر نے جب مجلس شوریٰ مقرر کی تو اس کے ایک ممبر آپ بھی تھے۔ آپ ہی نے مرتے وقت حضرت ابوبکر پر یہ اعتراض کیا تھا کہ انھوں نے حضرت عمر کو وصیت نامہ کے رو سے کیوں خلیفہ بنایا حالانکہ وہ بہت تندخو اور سخت مزاج ہیں جس پر حضرت ابوبکر کو غصہ آگیا تھا اور آپ نے اسی غصہ میں فرمایا تھا کہ اے طلحہ تم زمانے کے لوگوں میں بدترین شخص ہو۔ جنگ جمل کا تذکرہ رفتہ رفتہ خاص خاص مقامات پر کیا جائے گا اس جگہ یہ لکھدینا ضروری ہے کہ جنگ جمل کا قیام انتقام خونِ عثمان کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ نیز یہ بھی کہ یہ لوگ جانتے تھے کہ وہی لوگ قاتل عثمان ہیں جو لوگ بانتقام خون عثمان کے لئے اٹھے ہیں سا سس

بلکہ اسکے برخلاف جھوٹ کو سچ پر ترجیح دیگئی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں۔ فلما انتھوا الی ماء الحواب فی بعض الطریق ومعھم عائشۃ نبحھا کلاب الحواب فقالت لمحمد بن طلحۃ ای ماء ھذا قال ھذا ماء الحواب فقالت ما ارانی الا راجعۃ قال ولما قالت سمعت رسول اللہ یقول لنساءہ کانی باحدٰکن قد نبحھا کلاب الحواب وایاک ان تکونی انت یا حمیراء فقال لھا محمد بن طلحۃ تقدمی رحمک اللہ ودعی ھذا القول واتی عبداللہ بن الزبیر فحلف لھا باللہ لقد خلفتہ اول اللیل واتاھا ببینۃ زور من الاعراب فشھد وابذٰلک فزعموا انھا اول شہادۃ زور شھدت فی الاسلام (الامامۃ والسیاسۃ)

جب یہ گروہ ماء حواب پر پہونچا، جو راستہ میں پڑتا تھا اور عائشہ اس گروہ میں تھیں تو انھیں دیکھکے حواب کے کتے بھونکنے لگے۔ عائشہ نے طلحہ کے بیٹے سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے اور یہ پانی کونسا پانی ہے؟ کہا یہ ماء حواب ہے۔ عائشہ نے کہا تو میں پلٹتی ہوں آگے بڑھنے سے باز آئی۔ محمد بن طلحہ نے کہا یہ کیوں؟ کہا اس لئے کہ میں رسول سے سن چکی ہوں کہ ایک روز وہ اپنی بیویوں سے فرماتے تھے کہ تم میں سے ایک عورت وہ ہے جسپر حواب کے کتے بھونکیں گے (اور پھر فرمایا) دیکھو اے حمیرا (عائشہ) کہیں وہ عورت تمھیں نہ ہونا۔ محمد بن طلحہ نے کہا خدا آپ پر رحم کرے آگے بھی بڑھئے اور چھوڑیئے اس قول رسول کو۔ اسکے بعد عبداللہ بن زبیر آئے اور انھوں نے بحلف قسم کھائی کہ حواب کو تم چھوڑ کے آگے بڑھ آئی ہو اور وہ مقام تو اول شب ہی میں گزر گیا اور اسبات پر عربوں کی جھوٹی گواہی بھی دلوا دی (تاکہ عائشہ کو یقین آجائے) جبھی سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پہلی جھوٹی گواہی اسلام میں یہی ہوئی۔ ان تمام واقعات سے نتیجہ خود ظاہر ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسوقت کیسے کیسے لوگ تھے اور انھوں نے کیا کیا۔ علامہ طبری نے بھی صـ۱۸۱ پر ماء الحواب

تَنَامُ عَلٰی طُوْلِ الْلَدَمِ حَتّٰی

جس کا بھتّ (اسکے شکار کیلئے) کھٹکھٹایا جاتا ہے اور وہ سوجاتا ہے یہانتک کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) طلب پر ایک گواہی نہیں بلکہ ہزاروں گواہیاں ہیں چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو شریک کار خلافت تھے انھوں نے سعید بن عاص کے ہمراہ حضرت عائشہ اور انکے ساتھیوں سے راہ میں ملاقات کی جب وہ جنگ جمل کیلئے جارہی تھیں اور کہا این تریدین یا ام المومنین قالت ارید البصرۃ قال وما تصنعین بالبصرہ قالت اطلب بدم عثمان قال فھولاء قتلۃ عثمان معک ثم اقبل علی مروان فقال وانت این ترید ایضا قال البصرہ قال وما تصنع بالبصرہ قال اطلب قتلۃ عثمان قال فھولاء قتلۃ عثمان معک ان ھذین الرجلین قتلا عثمان طلحۃ والزبیر وھما یریدان الامر لانفسھما فلما غلبا علیہ قالا نغسل الدم بالدم والحوبۃ بالتوبۃ ثم قال المغیرۃ بن شعبۃ ایھا الناس ان کنتم انما خرجتم مع امکم فارجعوا بھا خیرا لکم وان کنتم غضبتم لعثمان فروساوکم قتلوا عثمان...... فابوا الا ان یعضوا بالناس فلحق سعید بن العاص بالیمن ولحق المغیرہ بالطائف فلم یشھد اشیئا من حروب الجمل ولا صفین (الامامۃ والسیاسۃ صـ)

اور کہا کہ یں ام المومنین آپ کہاں تشریف لیجاتی ہیں؟ فرمایا بصرہ جارہی ہوں۔ کہا بصرہ جا کے کیا کیجیے گا؟ فرمایا خون عثمان کا انتقام لوں گی، کہا اور یہ عثمان کے قتل کرنے والے تو آپ کے ساتھ ہی ہیں ان کو کا سیکو نہ قتل کردیجیے جنگ قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے) پھر مروان کے پاس مغیرہ گئے (جو اس لشکر میں تھے) کہا بھائی تم کہاں جاتے ہو کہا بصرہ۔ کہا بصرہ میں کیا کروگے کہا خون عثمان کا انتقام لیں گے اور قاتلان عثمان کو قتل کرینگے، کہا تو قاتلین عثمان تو تمہارے ساتھ ہی ہیں یقیناً انھیں دو آدمیوں نے یعنی طلحہ اور زبیر نے عثمان کو قتل کیا کیونکہ وہ خلافت اپنے لئے چاہتے تھے جب مغلوب ہوئے تو یوں بات بنائی کہ خون کو خون سے دھوئیں گے اور گناہ کو توبہ سے بدلینگے، پھر مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ اے گروہ مردم اگر تم اپنی ماں ام المومنین کے ساتھ نکلے ہو تو پلٹ جاؤ یہی بات تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم خون عثمان کا انتقام لینے نکلے ہو تو اسوقت جو لوگ تمہارے رئیس لشکر ہیں انھیں نے تو عثمان کو قتل کیا ہے۔

حضرت طلحہ و زبیر دونوں عشرہ مبشرہ سے ہیں یہ ساتھ تو تھے ہی اور بقول گروہ عامہ بنص حدیث رسول جنتی تھے مگر جس وقت کہ حضرت عائشہ کی سواری جنگ جمل میں جاتے ہوئے مقام حواب پر پہونچی ہے اور انھوں نے قول رسول یاد کرکے پلٹنا چاہا ہے تو کسی ایک نے بھی ان کی تائید نہ کی

حَتّٰی یَصِلَ اِلَیْھَا طَالِبُھَا

یہاں تک کہ گھات میں لگا رہنے والا اور کوڑنے والا پہونچکر اور اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ کے واقعات لکھے ہیں اور اس میں یہ بات اور اضافہ کی ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنا اونٹ یہ سنکے بٹھادیا اور رات بھر وہاں سے انھوں نے حرکت نہیں کی کیونکہ رسول کا قول یاد آگیا تھا۔ اور آگے بڑھنے نہیں دیتا تھا۔ مگر جب عبداللہ بن زبیر نے کوشش کی تو کامیاب ہو گئے اور سواری چلی علامہ طبری نے جلد پنجم صـ۱۷ پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خطبہ امیرالمومنین کا ہے اور اسوقت فرمایا ہے۔ جب امام حسن علیہ السلام نے باپ کی حالت پر گریہ کیا ہے اور جنگ کرنے سے روکا ہے۔ چنانچہ مقام ذی قار میں جب امیرالمومنین پہونچے تو آپ نے مجمع اصحاب میں فرمایا:۔ تم لوگوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے کیا کیا (یعنی طلحہ وزبیر وغیرہ) اور اس عورت (عائشہ) نے کیا کیا۔ فقام الیہ الحسن فبکی فقال لہ علی قد جئت تحن حنین الجاریۃ فقال امرتک فعصیتنی فانت الیوم تقتل لا ناصر لک امام حسن اٹھ کھڑے ہوئے اور رونے لگے۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ تم تو لڑکیوں کی طرح رونے دیتے ہو عرض کی کہ میں نے خدمت میں کچھ عرض کیا تھا آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور آج آپ بغیر یار و مددگار قتل کر دیے جائینگے (اسی پر روتا ہوں) آپ نے فرمایا اچھا ان لوگوں کے سامنے بیان کرو تم نے مجھ سے کیا کہا تھا جو میں نے نہیں مانا۔ عرض کی کہ میں نے یہ کہا تھا کہ آپ کی بیعت پر لوگ آپ کو اگرچہ بعد قتل عثمان مجبور کر رہے ہیں مگر آپ اپنا ہاتھ نہ بڑھایئے تاکہ یہ لوگ بیعت کریں اور دوسری بات یہ عرض کی تھی کہ جب یہ عورت (عائشہ) گھر سے نکلی تو میں نے کہا تھا کہ آپ مدینہ نہ چھوڑیئے اور ان کو نکل کے جانے دیجئے۔ امیرالمومنین نے فرمایا بیٹا تم سچ کہتے ہو تم نے مجھ سے یہ باتیں ضرور کہیں ولکن واللہ یا بنی ما کنت لا کون کالضبع تستمع اللدم ان النبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم قبض ما اری احد احق بھذا الامر منی فبایع الناس ابابکر الخ (طبری صـ۱۷ صفحہ ،) پر بھی بتغیر الفاظ یہ عبارت مرقوم ہے مگر خدا کی قسم بیٹا اب میں اس بجو کی طرح سادہ لوح نہ ہونگا جو صیاد کے فریب میں آجاتا ہے اور کھٹکھٹانے پر سوتا رہتا ہے۔ رسول کا انتقال ہوا اور میں تو کسی کو نہیں دیکھتا تھا کہ وہ امر خلافت کا حقدار مجھ سے زیادہ ہو۔ مگر لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کرلی وغیرہ وغیرہ۔

حضرت طلحہ وزبیر نے حضرت عثمان کے قتل کے بعد سب سے پہلے علی ابن ابطالب علیہ السلام کی بیعت کی تھی اور پھر نتیجہ ایسا ہوا کہ بیعت توڑی اور جنگ جمل قائم کی۔ چنانچہ تاریخوں میں اس کا

تذکرہ ہے اور ابن قتیبہ نے صـ۶۹ پر اسے یوں لکھا ہے۔ وان طلحۃ والزبیر کانا اول من طعن واٰخر من امر وکانا اول من بایع علیا فلما اخطاھما ما املاہ نکثا بیعتھما من غیر حدث۔ طلحہ وزبیر نے حضرت عثمان پر سب سے پہلے طعن وتشنیع کی سب سے پہلے ان کی بدگوئی کی اور سب کے بعد ان کے قتل کا حکم دیا اور سب سے پہلے ان دونوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی اور پھر بغیر کسی سبب کے بیعت توڑ دی۔

بیعت توڑنے کا سبب

اگرچہ حضرت طلحہ کی یومیہ آمدنی ایک لاکھ دینار تھی جیسا کہ آپکے حالات میں علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استیعاب میں لکھا ہے پھر بھی آپ کو ولایت وحکومت اور دولت دنیا کا شوق تھا چنانچہ نکث وشکست بیعت انھیں باتوں پر مبنی تھا۔ علامہ ابن قتیبہ صـ۵۲ پر لکھتے ہیں۔

وان الزبیر وطلحۃ اتیا علیا بعد فراغ البیعۃ فقالا ھل تدری یا علی علی ما بایعناک قال علی نعم علی السمع والطاعۃ .... فقالا لا ولکن بایعناک علی انا شریکاک فی الامر قال علی لا ولکنکما شریکان فی القول والاستقامۃ .... قال وکان الزبیر لا یشک فی ولایۃ العراق وطلحۃ فی الیمن فلما استبان لھما ان علیا غیر مولیھما شیئا اظھرا الشکایۃ فتکلم الزبیر فی ملاء من قریش فقال ھذا جزاؤنا من علی قمنا لہ فی امر عثمان حتی اثبتنا علیہ الذنب وسببنا لہ القتل وھو جالس فی بیتہ وکفی الامر فلما قام بنا ما اراد جعل دوننا غیرنا فقال طلحۃ ما اللوم الا انا کنا ثلاثۃ من اھل الشوری کرھہ احدنا وبایعناہ واعطیناہ ما فی ایدینا ومنعنا ما فی یدہ فاصبحنا قد اخطانا ما رجونا فقال فانتھی قولھما الی علی فدعا عبداللہ بن عباس وکان استوزرہ فقال لہ:

بھی واقف تھے جیسا کہ دونوں کے استخلاف کے وقت جو واقعات رونما ہوئے ان سے ظاہر ہے۔ اگر حضرت عمر طلحہ اور زبیر میں یہ قابلیت پاتے تو بزم شوریٰ کیوں منعقد ہوتی اور وہ باتیں ان لوگوں کے لئے کیوں کہتے جو کہیں اور جنکا تذکرہ اسی ترجمہ کے حواشی میں خطبۂ شقشقیہ میں گذرا۔)

وَ يَخْتِلُهَا رَاصِدُهَا ق

فریب دے کر پکڑ لیتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ٨٩) بلغلو قول ہذین الرجلین قال نعم بلغنی قولہما قال فما تری قال اری انہما احبا الولایۃ فول البصرۃ الزبیر وول طلحۃ الکوفۃ .... الخ

بیعت امیرالمومنین جب ہوچکی تو طلحہ و زبیر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ جانتے ہیں ہم نے کیوں آپ کی بیعت کی؟ آپ نے فرمایا اطاعت و فرمانبرداری کے لئے، دونوں نے کہا نہیں بلکہ اس لئے بیعت کی ہے کہ ہم امر خلافت میں آپ کے شریک کار رہیں گے (گویا تین خلیفہ ایک ساتھ کام کریں گے اگر یہ ہوتا تو حضرت عمر انصار سے یہ کیوں فرماتے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں جمع ہوسکتیں دیکھو واقعات سقیفہ) آپ نے فرمایا خلافت میں تو نہیں البتہ تم لوگ قول و [illegible] میں شریک رہ سکتے ہو۔

زبیر کو اسمیں کوئی شک نہ تھا کہ عراق کی ولایت انھیں ملے گی اور طلحہ کو یقین تھا کہ یمن کی ولایت انھیں ضرور ملے گی جب ان دونوں پر یہ بات کھل گئی کہ علی سے کچھ ملنا ملانا نہیں تو شکوہ شکایت کرنے لگے اور زبیر نے مجمع قریش میں کہا لو یہ جزا ہمیں علی سے ملی ہے، ہم انھیں کے لئے عثمان کے خلاف اٹھے اور عثمان پر ان کے گناہ ثابت کرکے چھوڑے اور ان کے قتل کے باعث ہوئے۔ اس درمیان میں علی اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، جب انھیں وہ شئے مل گئی جو وہ چاہتے تھے تو ہم پر دوسروں کو ترجیح دی۔ طلحہ نے کہا اس میں کوئی برائی نہیں ہے (خیر) ہم تین آدمی اہل شوریٰ سے تھے ایک نے انکی بیعت سے کراہت کی اور ہم دو نے انکی بیعت کی اور جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں تھا انھیں دیا اور جو انکے ہاتھ میں تھا اُسے جانے سے روکا۔ اب ہم کو جسکی امید تھی اس بارے میں ناکامیاب ہیں (اور دھوکا کھایا) جب ان دونوں کی باتیں امیرالمومنین کے گوشگذار ہوئیں تو آپ نے عبداللہ بن عباس کو بلایا کہ آپ انسے ایسے امور میں مشورہ لیا کرتے تھے، اور کہا کہ تمھیں طلحہ و زبیر کی باتیں معلوم ہوئیں۔ انھوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تو تمہاری کیا رائے ہے۔ ابن عباس نے کہا میری یہ رائے ہے کہ بصرہ کا والی زبیر کو بنا دیجئے اور کوفہ پر طلحہ کو مقرر کردیجئے۔ آپ نے انکے جواب میں فرمایا کہ میں ان کو پہچانتا ہوں۔ اگر ایسا ہوگا تو ظالم کی بن آئیگی اور بصرہ و کوفہ کے مظلومین کی کوئی نہ سنے گا۔ مجھے اگر یہ ہی کرنا ہوتا تو میں شام پر معاویہ کو برقرار رکھتا (ظاہر ہے کہ طلحہ اور زبیر کے حالات سے نہ صرف علی ابن ابیطالبؑ بلکہ حضرت عمر و ابوبکر

جب یہ لوگ ولایت سے مایوس ہوگئے تو مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کیا درانحالیکہ دل میں ایک پوشیدہ مقصد لئے ہوئے تھے (اسکا نام تقیہ ہے) اور امیرالمومنین سے آکر عرض کی۔ ثم اتی طلحۃ والزبیر الی علی فقالا یا امیرالمومنین ائذن لنا الی العمرۃ فان تقم الی انقضائہما رجعنا الیک وان تسر نتبعک فنظر الیہما وقال نعم ما العمرۃ تریدان امضیا الی شانکما الامامۃ ص ۵۲

پھر طلحہ و زبیر امیرالمومنین کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیرالمومنین ہمیں عمرہ کی اجازت دیجئے اگر آپکا قیام ختم عمرہ تک یہاں رہا تو ہم لوگ آپ کے پاس پلٹ کے آئیں گے اور اگر آپ نے کہیں سفر کیا تو آپکے ساتھ چلیں گے۔ یہ سنکر آپ نے ان دونوں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا ہاں تم دونوں عمرہ کے لئے نہیں جاتے، نہ عمرہ کا قصد رکھتے ہو اچھا جاؤ جہاں جی چاہے۔ دونوں چلے گئے

قیام جنگ جمل میں راز حصول خلافت مضمر تھا

تاریخوں کے دیکھنے اور واقعات پر نظر کرنے سے ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ درحقیقت ان دونوں حضرات کو خلافت ملنے کی ہوس بے حد تھی اور اسی کے لئے کدوکاوش بہت تھی حضرت عثمان کا قتل بھی اسی بنا پر واقع ہوا تھا اور اس قتل میں ان حضرات کی دوادوش ایک روشن دلیل ہے جو لوگ کتب سیر کو دیکھ چکے ہیں وہ اس بات سے انکار نہیں کرسکتے۔ ایک تو خود حضرت عثمان سے لوگ نالاں تھے دوسرے حضرت طلحہ و زبیر خلافت کے آرزو مند تھے اور ادھر

فقال یا امیر المومنین وقد بلغت مبلغا یذکر عمرو بن العاص اباک فقال عثمان دع ھذ اعنک من ذکرا باء الرجال ذکروا اباہ۔
عمرو نے عثمان سے کہا ایسی باتوں کو چھوڑیئے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں رسول کیوجہ سے بزرگی اور ہدایت عطا کی اور ہم نے تو اپنے باپ عاصی بن وائل اور تمہارے باپ عفان دونوں کو دیکھا ہے (جاہلیت میں) اور خدا کی قسم میرا باپ عاصی تمہارے باپ عفان سے کہیں زیادہ اشرف و افضل تھا یہ سنکر حضرت عثمان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا اچھا خیر اب ذکر جاہلیت کو کیا فائدہ۔ عمرو بن عاص تو چلے گئے اور مروان عثمان کے پاس آکے کہنے لگا کہ اب یہ نوبت پہونچی ہے کہ اے امیر المومنین عمرو بن عاص آپ کے باپ تک کو کہتا ہے۔ (واہ) حضرت عثمان نے (اپنے حلم سے کام لیکر) کہا بھائی اس قصہ کو چھوڑ دو۔ اگر کوئی شخص لوگوں کے باپ کو کہے گا تو اس کے باپ کو بھی کہا جائے گا۔

فخرج عمرو من عند عثمان وھو محتقد علیہ یاتی علیا مرۃ فیولبہ علی عثمان ویاتی طلحۃ مرۃ فیولبہ علی عثمان ویعترض للحاج فیخبرھم بما احدث عثمان۔

عمرو بن عاص اس واقعہ کے بعد حضرت عثمان سے شدید عداوت رکھنے لگے کبھی امیر المومنین کے پاس آکے انھیں عثمان کے خلاف ابھارتے اور کبھی طلحہ و زبیر کو آکے برانگیختہ کرتے اور کبھی حاجیوں کو روک روک کے عثمان کی بدگوئیاں کرتے تھے۔

ملک مصر کی طمع ان کو ہمیشہ رہی الا آخر بعد قتل عثمان انقلاب عظیم برپا ہوا اور یہ اُمید انکی برآئی وہ جسطرح بھی برآئی ہو۔ حضرت طلحہ و زبیر کا خیال بھی یہی تھا کہ ہم دونوں میں سے کوئی نہ کوئی خلیفہ بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ جب جنگ جمل کے لئے لشکر جا رہا تھا تو راہ میں ان حضرات سے سعید بن عاص نے ملاقات کی اور کہا ان ظفرتما لمن تجعلان الامر اصدقانی قال لاحدنا اینا اختارہ الناس قال بل اجعلوہ لولد عثمان فانکم خرجتم

لکنی اضرب بالمقبل

بلکہ میں حق والوں کو ساتھ لے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰) حضرت عائشہ عبداللہ بن زبیر کے لئے کوشاں تھیں اور تمام وہ مقدمات اپنے دوران سعی میں طے فرما رہی تھیں جو کسی کی خلافت کے لئے ہونے چاہئیں۔ مثلاً نماز وغیرہ پڑھوانا، امام بنانا، تیسرے اصحاب رسول خصوصاً جناب عمرو عاص اور بھی اس مطلب میں زور دے رہے تھے، چنانچہ تاریخوں میں یہ آپس کے مکالمہ اور سعی مخالفت مندرج ہے (طبری صفحہ ۱۰۸ جلد پنجم)

کان عمرو بن العاص علی مصر عاملا لعثمان فعزلہ عن الخراج واستعملہ علی الصلوٰۃ واستعمل عبد اللہ بن سعد علی الخراج ثم جمعہما لعبد اللہ بن سعد فلما قدم عمرو بن العاص المدینۃ جعل یطعن علی عثمان فارسل الیہ یوما عثمان خالیا بہ فقال یا ابن النابغۃ ما اسرع ما قمل جربان جبتک۔

عمرو بن عاص مصر کے عامل (گورنر) تھے حضرت عثمان نے انھیں ہٹا کے خراج حاصل کرنے پر ابن سعد کو مامور کر دیا اور انھیں نماز کے لئے مقرر کر دیا پھر کچھ دنوں کے بعد خراج و نماز دونوں کام عبداللہ بن سعد کے حوالہ کر دیئے اور عمرو بن عاص کو معزول کر دیا، عمرو بن عاص نے حضرت عثمان کی بدگوئیاں شروع کر دیں۔ ایک روز عثمان نے انھیں تنہائی میں بلایا اور کہا کیوں نابغہ کے بیٹے کسقدر جلد تیرے جبہ میں جوئیں پڑ گئیں۔۔۔ آپس میں گفتگو سخت ہوئی۔ یہانتک کہ عمرو عاص نے کہا کہ میں زمانہ حضرت عمر میں عامل تھا اور وہ مجھ سے راضی تھے، حضرت عثمان نے کہا۔ لو اخذتک بما اخذک عمر لاستقمت ولکن لنت علیک فاجترات علی اما واللہ لانا اعز منک فی الجاھلیۃ

عثمان نے کہا کہ اگر میں تم سے اسی طرح کے مواخذے کرتا جیسا عمر کیا کرتے تھے تو تم ٹھیک رہتے مگر چونکہ میں نرم پڑا لہذا تمھیں یہ جرأت ہوئی۔ خدا کی قسم میں جاہلیت کے زمانہ میں جتھے اور افراد کے اعتبار سے تم سے کہیں زیادہ تھا۔

فقال عمرو دع عنک ھذا فالحمد للہ الذی اکرمنا بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وھدانا بہ وقد رایت العاصی بن وائل ورایت اباک عفان فواللہ للعاص کان اشرف من ابیک قال فانکسر عثمان وقال مالنا ولذکر الجاھلیۃ وخرج عمرو ودخل مروان

إلى الحقِّ المُدبرِ عنه

(باطل پرستوں سے جو حق سے پیٹھ پھیرے ہوئے ہیں اُن سے لڑوں گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) تطلبون بدمہ فلا ندع شیوخ المھاجرین ونجعلھا لابنائہ (طبری صفحہ ۱۶۹)

اگر تم دونوں جنگ میں کامیاب ہو گئے تو خلیفہ کس کو بناؤ گے طلحہ و زبیر نے کہا ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہو گا جسے لوگ اختیار کر لیں، سعید نے کہا اگر میری رائے یہ ہے کہ عثمان کے لڑکوں میں سے کسی ایک کو بناؤ کیونکہ تم ان کے باپ کے انتقام کے لئے اُٹھے ہو۔ کہا (سبحان اللہ) شیوخ مہاجرین کو چھوڑ کے خلافت کو انکے لڑکوں میں قرار دیا جائے۔ سعید نے یہ بھی کہا کہ تو کیا یہ کوشش ہماری نہیں کہ خلافت بنی عبد مناف سے نکال لیجائے۔

اس وقت جب لڑائی کے لئے صفیں جم رہی تھیں تو زبیر امیر المومنین کے پاس آئے اور اس وقت کی گفتگو سے مراد دل کا پتہ چلتا ہے چنانچہ مورخ طبری صفحہ ۲۰۳ پر یوں رقمطراز ہیں فلما تواقفوا خرج علی علی فرسہ فدعا الزبیر فتوافقا فقال علی للزبیر ما جاء بک قال انت ولا اراک لھذا الامر اھلا ولا اولی بہ منا فقال علی لست لہ اھلا بعد عثمان وقد کنا نعدک من بنی عبد المطلب حتی بلغ ابنک ابن السوء ففرق بیننا و بینک

جب جمل میں صفیں جمیں تو امیر المومنین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کے صفوں سے باہر نکلے اور زبیر کو بلایا جب دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو آپ نے زبیر سے پوچھا۔ کہاں آئے کہا میرے آنے کا باعث آپ ہیں اور میں آپ کو اپنے سے زیادہ خلافت کا اہل نہیں پاتا اور نہ آپ مجھ سے زیادہ خلافت کے لئے اولی و افضل ہیں۔ امیر المومنین نے فرمایا بعد عثمان تم اسکے اہل نہیں۔ ہم تم کو اولاد عبد المطلب میں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ تمہارا بیٹا جو بُرا بیٹا ہے جوان ہوا اور بڑھا اور اس نے ہم کو تم سے اور تم کو ہم سے جدا کر دیا۔" (اس گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ جمل کا قیام انتقام خون عثمان کے لئے نہ تھا) اس مطلب کا اظہار کہ امیر المومنین خلافت سے ہٹیں اور پھر بزم شوریٰ قائم ہو اور جسکو لوگ چنیں اور انتخاب کریں وہی خلیفہ بنایا جائے اس گفتگو میں بھی ہوا ہے جو علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور طلحہ کے درمیان روز جنگ جمل ہوئی۔ مورخ ابن قتیبہ صفحہ ۷۶ پر یوں لکھتے ہیں:۔

قال طلحۃ انت امرت بقتلہ (عثمان) قال علی اللھم لا قال طلحۃ فاعتزل ھذا الامر ونجعلہ شوریٰ بین المسلمین فان رضوا بک دخلت فیما دخل فیہ الناس وان رضوا غیرک کنت رجلا من المسلمین قال علی او لم تبایعنی یا ابا محمد طائعا غیر مکرہ قال طلحۃ بایعتک والسیف علی عنقی قال الم تعلم انی ما کنت اکرھت احدا علی البیعۃ ولو کنت مکرھا احدا لاکرھت سعدا و ابن عمر و محمد بن مسلمۃ ابوا البیعۃ واعتزلوا فترکتھم قال طلحۃ کنا فی الشوریٰ ستۃ فمات اثنان وقد کرھناک و نحن ثلاثۃ۔

طلحہ نے امیر المومنین سے پوچھا کہ آپ نے عثمان کے قتل کا حکم دیا تھا آپ نے فرمایا خدا گواہ ہے کہ نہیں طلحہ نے کہا تو خلافت سے ہٹئے اور اسکو پھر بزم شوریٰ میں پیش کیجئے (جیسا کہ ہوا تھا) اگر اصحاب شوریٰ آپ پر راضی ہوں تو ہم بھی راضی ہونگے۔ اور اگر آپ کے سوا کسی دوسرے پر راضی ہوں تو آپ ایک مسلمان کی حیثیت رکھینگے۔ اس پر امیر المومنین نے فرمایا تو کیا تمنے میری بیعت نہیں کی بغیر جبر و اکراہ اطاعت کیا تھا۔ طلحہ نے کہا میں نے بیعت کی مگر یوں کہ تلوار میری گردن پر تھی (عجب اول تو اس جبر کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اور اگر ایسا تھا

وَ بِالسَّامِعِ الْمُطِيعِ الْعَاصِيَ

اور فرماں برداروں کے ہمراہ نافرمانوں سے

الْمُرِيبَ أَبَدًا ، حَتَّى يَأْتِيَ

جو شک میں گرفتار ہیں ہمیشہ جنگ کرتا رہونگا یہاں تک کہ

عَلَيَّ يَوْمِي ، فَوَاللهِ مَا زِلْتُ

موت آجائے (یہ آج کوئی نئی بات نہیں) بلکہ جب سے رسول اللہؐ کا

مَدْفُوعًا عَنْ حَقِّي ،

انتقال ہوا اسوقت سے آج تک میں برابر اپنے حقوق سے

مُسْتَأْثَرًا عَلَيَّ مُنْذُ قَبَضَ

ہٹایا جاتا رہا اور مجھ پر دوسروں کو فضیلت دیجاتی رہی

اللهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

(اور چڑھائی کی جاتی رہی۔)

وَسَلَّمَ حَتَّى يَوْمِ النَّاسِ

یہاں تک کہ اب یہ (قیام جنگ جمل) ہو رہا ہے

هٰذَا

اور لوگوں نے جنگ کا قصد کیا ہے

(جب یہ جبر یہ بیعت طلحہ کے نزدیک بیعت نہیں تو امیر المومنین کی جبریہ بیعت کیوں مقام استدلال بیعت میں پیش کیجاتی ہے)

امیر المومنین نے فرمایا کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں نے کسی پر بیعت کے لئے جبر نہیں کیا اور اگر میں زبردستی بیعت لیتا اور لوگوں کو مجبور کرتا تو سعد بن ابی وقاص۔ عبد اللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ سے جبراً بیعت لیتا حالانکہ تم جانتے ہو کہ ان لوگوں نے میری بیعت سے انکار کیا تو میں نے ان پر جبر نہیں کیا۔ بلکہ ان کو انکی حالت پر چھوڑ دیا۔

طلحہ نے کہا کہ ہم چھ آدمی بزم شوریٰ میں تھے دو مر گئے (عبدالرحمن اور عثمان) اور ہم تین بھی آپ کی خلافت پر راضی نہیں (اب بھی ہماری کثرت ہے) اور ہم تین آدمی باقی ہیں۔ سعد بن ابی وقاص۔ طلحہ اور زبیر (گویا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی خلافت پر ہماری کثرت رائے عدم رضا ظاہر کرتی ہے لہذا آپ خلافت کے مستحق نہیں۔ اس سے الگ ہٹیے۔ اور ہمیں خلیفہ بننے دیجئے۔)

گیارھواں خطبہ

منافقوں کی حالت کا منظر

اِتَّخَذُوا الشَّيْطَانَ لِأَمْرِهِمْ مِلَاكًا

(اپنے کام اور اپنا مطلب نکالنے کیلئے) انھوں نے شیطان کو اپنا والی بنا دیا اور اسی پر انکا دارومدار ہے

وَاتَّخَذَهُمْ لَهُ أَشْرَاكًا فَبَاضَ وَ

اور (ان کو بھی) ابلیس نے اپنا شریک کار (یا پھانسنے کیلئے) اپنا دام فریب بنا رکھا ہے

فَرَّخَ فِي صُدُورِهِمْ وَ دَبَّ وَ دَرَجَ

شیطان نے ان کے سینوں (دلوں) میں انڈے بچے (وساوس و اوہام) دیدیے (جو) انکی

فِي حُجُورِهِمْ فَنَظَرَ بِأَعْيُنِهِمْ وَ

گودیوں میں رینگنے، چلنے پھرنے بڑھے اور (جوان بھی ہوئے) یہاں تک (ایسا گھل مل گئے) کہ شیطان کی آنکھوں

نَطَقَ بِأَلْسِنَتِهِمْ فَرَكِبَ بِهِمُ

سے دیکھا (لوگوں کی آنکھیں شیطان کی آنکھیں بن گئیں) اور انکی زبان سے بولا (لوگوں کی زبان شیطان کی زبان بن گئی)

الزَّلَلَ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الْخَطَلَ فِعْلَ مَنْ

شیطان نے انکو ہر طرح کی لغزشوں (گناہ) پر آمادہ کر دیا اور بری باتوں کو ان کے لئے سنوار دیا۔ وہ ان کے

قَدْ شَرَّكَهُ الشَّيْطَانُ فِي سُلْطَانِهِ

کام ویسے ہی ہیں جیسے اس شخص کے کام جس کا شریک کار شیطان ہو

وَنَطَقَ بِالْبَاطِلِ عَلَى لِسَانِهِ

اور جس کی زبان سے وہ (شیطان) یاوہ گوئی کر رہا ہو۔

سلہ منافقین اور مبغضین امیر المومنین علیہ السلام کی حالت یہی تھی کہ وہ آخرت سے منھ پھیرے ہوئے تھے دنیا پر ٹوٹے پڑتے تھے شیطان نے ان کو اپنا آلۂ کار بنا رکھا تھا اور ان کے سبب سے اپنا شکار کرتا تھا ان لوگوں کے تمام افعال و اطوار شیطانی تھے اور انمیں اور ابلیس میں کوئی فرق نہ تھا "من تو شدم تو من شدی" کا حساب تھا اسکی تشبیہ آپنے طائر سے دی، وحشی طائر جب مانوس ہو جاتا ہے جبھی قریب رہتا ہے اور گود میں بیٹھتا ہے اور جب بہت زیادہ مانوس ہو جاتا ہے اور ایک مدت تک رہ چکتا ہے تو اس کی وحشت بالکل دور ہو جاتی ہے وہ انڈے بچے دیتا ہے جو وہیں پرورش پاتے ہیں اور پلتے ہیں بعینہ یہی مثال انس و قیام ان لوگوں کو متعلق شیطان کی تھی کہ ہر کام جو وہ کرتے تھے اس میں شیطان کی شرکت ہوتی تھی اور اسی کی پیروی ہوتی تھی۔ درحقیقت انسان کیلئے نفس امارہ وہی کام کرتا ہے جو شیطان کیا کرتا ہے کبھی اس شیطنت کا احساس دوسروں کو ہوتا ہے جیسا منافقین کے افعال دیکھ کے اور انکی باطل پرستی اور گمراہی کا خیال کر کے حضرت ؑ نے فرمایا اور کبھی اگر نفس امارہ کے ساتھ نفس لوامہ بھی کام کر رہا ہو تو اس شیطنت کا احساس خود انسان کو ہو جاتا ہے جیسا حضرت ابوبکر کو ان کے صفائے نفس نے بتایا اور انھوں نے برسر منبر فرمایا ان لی شیطانا یعترینی یعنی کبھی کبھی میرے سر شیطان سوار ہو جایا کرتا ہے۔

(دیکھو کتب تاریخ حالات بیعت و خطبہ ابوبکر)

زبیر نے کہا "ہاں" ایسا ہی ہے اور خداوند عالم کفیل ہے۔ جس وقت امیر المومنین کی بیعت ہو چکی اُس وقت آپ نے ایک خط امیر شام معاویہ کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "لوگوں نے بغیر میرے مشورہ کے عثمان کو قتل کر دیا اور اس کے بعد سب نے آپس میں مشورہ کر کے میری بیعت کر لی ہے اور اس بیعت پر اتفاق کر لیا ہے لہٰذا جب میرا یہ خط تمہیں پہنچے تو تم بھی میرے لئے بیعت لو اور قبول ہیں کے کہ تم میرے پاس آؤ۔ اشراف اہل شام کا ایک وفد بھیجو۔

جب یہ خط معاویہ کو ملا تو اس نے بنی عمیس کا ایک آدمی اپنے ایک خط کے ساتھ زبیر بن العوام کے پاس بھیجا وہ خط یہ تھا

امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کی ذہنی سیاست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لعبد اللہ الزبیر امیر المومنین من معاویۃ بن ابی سفیان سلام علیک۔ اما بعد فانی بایعت لک اهل الشام فاجابوا واستوسقوا کما یستوسق الحلب فدونک الکوفۃ و البصرۃ لا یسبقک الیہا ابن ابی طالب فانہ لا شیٔ بعد ھذین المصرین و قد بایعت لطلحۃ بن عبید اللہ من بعدک فاظھرا الطلب بدم عثمان وادعوا الناس الی ذلک ولیکن منکما الجد والتشمیر اظفرکما اللہ و خذل معادیکما۔

یہ خط معاویہ بن سفیان کا امیر المومنین زبیر کے لئے ہے۔ بعد سلام معلوم ہو میں نے تمہارے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے اور اُنھوں نے اس دعوت پر لبیک کہی اور سب مطیع کی حیثیت میں جمع ہو گئے، جیسے دودھ ایک جگہ (مختلف تھنوں سے) جمع کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا کوفہ و بصرہ سے ہوشیار کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں علی پہونچ جائیں اور ان کا قبضہ ہو جائے اور جب یہ دونوں شہر ل گئے (کوفہ و بصرہ) تو اس کے بعد پھر کیا باقی رہا (اور کچھ نہیں) بلکہ میں نے (آج ہی سے) تمہارے بعد، طلحہ کیلئے

بارھواں خطبہ

جس میں بمقتضائے حال روئے سخن زبیر[1] کی طرف ہے

يَزْعَمُ أَنَّهُ قَدْ بَايَعَ

زبیر یہ خیال کرتے ہیں، (اس خیال میں پڑے ہوئے ہیں) کہ اُنھوں نے

[1] زبیر کا سلسلہ نسبی یوں ہے۔ ابو عبداللہ زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی ان کی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں جو ہاشم بن عبد مناف کے بیٹے تھے یعنی ان کی ماں گویا رسول اللہ کی پھوپھی تھیں۔

یہ بعد بیعت امیر المومنین کہا کرتے تھے کہ میں نے بیعت علی میں تقیہ اور توریہ سے کام لیا ہے اور ہاتھ سے بیعت کی ہے، مگر دل سے نہیں کی اسی کے متعلق امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنے اس قول پر کہ تم نے توریہ کیا دلیل لاؤ کیونکہ دعوائے بے دلیل غیر مسموع ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر پر کوئی دلیل لائی نہیں جا سکتی کیونکہ توریہ کا تعلق قلبی حالت سے ہے اور قلبی حالات مشاہدہ میں نہیں رہ سکتے اور کوئی ان پر گواہی نہیں دے سکتا۔

اس کلام میں جو زبیر نے کیا بیعت کا صریحی اقرار ہے اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ رہ گیا کلام کا دوسرا حصہ یعنی توریہ" اس پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی اور بغیر دلیل قابل قبول نہیں۔

جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے، جس وقت کہ زبیر علی ابن ابیطالب علیہما السلام کی بیعت کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا تھا کہ زبیر میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بیعت توڑ دو، زبیر نے جواب دیا کہ آپ ہرگز نہ ڈریے مجھ سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ کی بیعت کر کے توڑ دوں۔ امیر المومنین نے کہا تو خدا تمہارے اس قول پر شاہد اور کفیل ہے

اور دولت ہے اور طلحہ و زبیر کی دلی حالت سے آپ خوب واقف ہیں، میں تو ان کی حرکتوں سے مامون نہیں ہوں اگر یہ کچھ جا کے وہاں ضرور انقلاب پیدا کریں گے، لہٰذا کوفہ و بصرہ انھیں نہ سپرد کیجیے۔ امیرالمومنین نے ابن عباس کی رائے کو پسند کیا اور انھیں بالکل مایوس کر دیا۔ جب یاس بڑھی تو اب امید کی جھلک معاویہ کی طرف نظر آئی تھی فوراً ان دونوں نے عمرہ کی اجازت امیرالمومنین سے چاہی، آپ نے فرمایا تم دونوں کا ارادہ کچھ اور ہے عمرہ کا قصد نہیں ان دونوں نے قسم کھائی کہ نہیں عمرہ ہی کے لئے ہم جاتے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا عمرہ ہرگز مقصود نہیں بلکہ تم غدر اور شکست بیعت کے لئے جا رہے ہو، پھر ان دونوں نے حلف لیا اور قسم کھائی کہ ایسا نہیں تب آپ نے کہا اچھا اپنی بیعت مکرر کر دو۔ چنانچہ دونوں نے پھر سے بیعت کی اور قسم و حلف سے اس بیعت کو پہلی بیعت سے کہیں زیادہ مضبوط کر دیا۔

آپ نے انھیں عمرہ کی اجازت دی اور وہ گئے۔ جب چلے گئے تو آپ نے جو لوگ پاس تھے اُن سے کہا کہ خدا کی قسم یہ دونوں فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں اور بغیر جنگ کئے نہیں رہتے، لوگوں نے کہا تو پھر حکم دیجیے یہ پلٹا لئے جائیں۔ کہا نہیں جو خدا کی مشیت میں ہے وہ ہو کے رہیگا

جب یہ دونوں مدینہ سے مکہ جانے لگے تو راہ میں جو بھی ملا اس سے یہ کہتے جاتے تھے کہ علی کی بیعت کا قلادہ اب ہماری گردن میں نہیں اور ہم نے تو ان کی بیعت مجبوراً کر لی تھی، یہ خبر جب امیرالمومنین کو پہونچی تو فرمایا، خدا انھیں اور ان کے گھروں کو دور رکھے، میں تو جانتا ہی تھا کہ وہ لڑیں گے اور جنگ کریں گے اور وہ اپنے نفس کو بُری طرح قتل کریں گے اور بدترین روز انھیں دیکھنا نصیب ہوگا۔ میں تو یقین

بِیَدِہٖ وَلَمْ یُبَایِعْ بِقَلْبِہٖ

ہاتھوں سے بیعت کی ہے اور دل سے نہیں کی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵) بیعت سے رکھی ہے۔ لہٰذا انتقام خون عثمان کا چرچا کرتے رہو اور لوگوں کو اس کے لئے بلاتے رہو، جی توڑ کے اس معاملہ میں کوشش کرو۔ خدا تم دونوں کو ظفریاب کرے اور تمھارے دشمنوں کو مغلوب اور بے مدد چھوڑے۔

یہ خط جب زبیر کو ملا تو خوشی کے مارے عجب حال ہوا فوراً طلحہ کو جا کے سنایا اور دونوں کے دونوں علی کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے، اور معاویہ کی باتوں پر یقین کر لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد دونوں امیرالمومنین کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے تو اے امیرالمومنین خود ہی ملاحظہ کر لیا ہے کہ ہم پر عہد عثمان میں کیا کیا تکلیفیں اور جفائیں رہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہمیشہ عثمان اپنے کنبہ قبیلہ (بنی امیہ) کا خیال کرتے رہے، اب خدا نے وہ دن دکھایا ہے کہ آپ خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہمارا بھی خیال کیجیے اور بعض مقامات کا گورنر ہمیں بھی بنا دیجیے، آپ نے فرمایا مقدرات پر راضی رہو اور مجھے اس معاملہ میں سوچنے کا موقع دو۔ مگر یہ جان لو کہ میں امانت میں اس کو نہیں شریک کرتا جس کے دین و امانت داری پر مجھے پورا پورا اعتماد و اعتبار نہ ہو اور اس کو بھی نہیں شریک کرتا۔ جس کے دل میں کھوٹ دیکھتا ہوں" یہ جواب سُن کر یہ لوگ ایک حد تک مایوس ہو گئے اور امیرالمومنین سے "عمرہ" کی اجازت لے کے مدینہ سے باہر جانا چاہا (ظاہر ہے کہ یہ گفتگو اسی خط معاویہ کی بنا پر ہوئی تھی اور دونوں کوفہ و بصرہ کے خواہاں تھے اور انھیں دونوں مقامات کے لئے معاویہ نے لکھا بھی تھا، جب امیرالمومنین کی طرف سے بالکل ناامیدی ہو گئی تو ان لوگوں نے "عمرہ" کا بہانہ کیا اور اب فوراً بصرہ پہونچے جہاں جنگ جمل قائم ہوئی)

امیرالمومنین نے ان دونوں کی التجا کے متعلق مغیرہ بن شعبہ سے رائے لی تھی اور اُس نے بھی رائے دی تھی کہ جب تک آپ کی اساس خلافت اچھی طرح مستحکم نہ ہو جاوے یہ ضرور کیجیے اور ایک کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ دیدیجیے

مگر اس کے بعد جب آپ نے ابن عباس سے اس معاملہ میں رائے لی تو انھوں نے مخالفت کی اور کہا کہ بصرہ و کوفہ ہی دو جگہیں تو پایگاہ خلافت اور سرچشمہ خلافت ہیں وہاں خزانے ہیں

فَقَدْ أَقَرَّ بِالْبَيْعَةِ

(کیا خوب ! اچھا تو اس کہنے سے) انھوں نے بعیت کا تو اقرار کرہی لیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) کئے ہوئے تھا کہ وہ عمرہ کے لئے نہیں جاتے ، اب اُن سے اور مجھ سے آج کے بعد ایک بڑے لشکر میں ملاقات ہوگی ہلاکی اور دوری ان کے لئے ہو اور بس۔

ایک وہ خطبہ جو آپ کے علم امامت و غیب پر روشنی ڈالتا ہے

ابو مخنف نے کتاب جمل میں لکھا ہے اور ابن ابی الحدید نے اسے نقل کیا ہے کہ جب طلحہ و زبیر حضرت عائشہ کے ہمراہ مکہ سے بصرہ کا قصد کرکے چلے تو آپ نے منبر پر بلند ہوکے یہ خطبہ ارشاد فرمایا جسمیں امامت اور فیض علم ربانی کے جلوے نظر آتے ہیں۔

ایہا الناس ان عائشۃ سارت الی البصرۃ ومعہا طلحۃ والزبیر وکل منہما یری الامر لہ دون صاحبہ اما طلحۃ فابن عمہا واما الزبیر فختنہا واللہ لو ظفروا بما ارادوا ولن ینالوا ذلک ابدا لیضربن احدہما عنق صاحبہ بعد تنازع منہما شدید واللہ ان راکبۃ الجمل الاحمر ما تقطع عقبۃ ولا تحل عقدۃ الا فی معصیۃ اللہ و سخطہ حتی تورد نفسہا ومن معہا موارد الہلکۃ ای واللہ لتقتلن ثلثہم ولیہربن ثلثہم ولیتوبن ثلثہم وانہا التی تنبحہا کلاب الحوأب وانہما لیعلمان انہما مخطیان ورب عالم قتلہ جہلہ ومعہ علمہ لا ینفعہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل فقد قامت الفتنۃ فیہا الفئۃ الباغیۃ این المحتسبون این المومنون مالی ولقریش اما واللہ لقد قتلتہم کافرین ولا قتلنہم مفتونین ومالنا الی عائشۃ ذنب الا انا ادخلناہا فی خیرنا واللہ لا بقرن الباطل حتی یظہر الحق من خاصرتہ " فقل لقریش فلتضج ضجیجہا "

گروہ مردم ! عائشہ بصرہ روانہ ہوئیں اور ان کے ہمراہ طلحہ و زبیر بھی ہیں ، اور انہیں سے ہر شخص خلافت کا آرزومند و شیدا ہے ، طلحہ تو ، وہ عائشہ کے ابن عم ہیں۔ رہ گئے زبیر سو وہ ان کے بہنوئی ہیں (اس لئے کہ اسماء بنت ابوبکر زبیر کی زوجہ تھیں) خدا کی قسم اگر یہ لوگ نحیاب ہوئے (اور کبھی بھی فتحیاب نہ ہونگے اور نہ اپنی مراد دل

یعنی خلافت پائیں گے) (یہ امیر المومنین کی پہلی پیشین گوئی ہے۔ ہنوز جنگ جمل نہیں ہوئی اور ایسا ہی ہوا کہ یہ دونوں مقتول ہوگئے نہ جنگ فتح ہوئی اور نہ خلافت ملی) تو ایک دوسرے کو شدید جھگڑے کے بعد قتل کردے گا (اگر خلافت ملتی تو کیا ہوتا) اور خدا کی قسم یہ سرخ اونٹ پر چڑھنے والی عورت یعنی عائشہ (یہ دوسری پیشین گوئی ہو ابھی اونٹ خریدا نہیں گیا۔ اور امیر المومنین کی نگاہوں سے یہ واقعات دور ہیں ، مگر پھر بھی جو آپ نے فرمایا وہی ہوا) کوئی منزل طے نہیں کرسکتی اور نہ کوئی عقدہ حل کرے گی مگر یہ کہ یہ کام اس کے اللہ کی نافرمانیوں میں ہونگے اور خدا کی مرضی کے خلاف ہونگے یہاں تک کہ یہ عورت اپنے اور اپنے ساتھیوں کو ہلاکت کے مقام میں ڈالدیگی (یہ تیسری پیشینگوئی ہے ایسا ہی ہوا) خدا کی قسم ایک ثلث اس لشکر کے قتل ہوں گے ایک ثلث بھاگ جائیں گے اور ایک ثلث اپنے کیے پر توبہ کرینگے (یہ چوتھی ، پانچویں اور چھٹی پیشینگوئی ہے) اور یقیناً یہی وہ عورت ہے جس پر مقام حواب کے کتے بھونکیں گے (جیسا کہ رسول نے فرمایا تھا) (یہ ساتویں پیشنگوئی ہے ایسا ہی ہوا) اور یہ دونوں طلحہ و زبیر خوب جانتے ہیں کہ وہ اس معاملہ میں خطا کار ہیں۔ (یہ آٹھویں پیشینگوئی ہے۔ کیونکہ دونوں کا دل اس بات پر گواہ تھا چاہے منھ سے نہ کہیں) اور بہت سے ایسے عالم ہیں کہ جن کو ان کا جہل مار ڈالتا ہے اور علم سے انھیں کوئی نفع نہیں ہوتا ، خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے ، یقیناً فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس میں گروہ باغی ہے (جس کی خبر رسول نے دی تھی) حساب کرنے والے کہاں ہیں ایمان والے کہاں ہیں آئیں اور حق کی مدد کریں) یہ قریش کو مجھ سے کیا ہو گیا ہے ، خدا کی قسم میں نے

CamScanner

نکال پھینکی، اور بغیر سنان کے نیزے سے علی کے لشکر پر حملہ کرنے لگا، امیرالمومنین نے لشکر کو آواز دی کہ روکنا نہیں زبیر کو راہ دیدو یہ نکل جائے گا زبیر حملہ کر کے پھر اپنے لشکر میں واپس گئے اور پھر پلٹ کے دوسرا حملہ کیا اور پھر تیسرا حملہ کیا اور پھر اپنے بیٹے سے کہا، دلے ہو تجھ پر میرے حملے دیکھے کیا نامردی اور بودا پن اسی کا نام ہے، یہ کہکے زبیر نے کچھ اشعار پڑھے جنکا مفہوم یہ تھا کہ علی نے مجھ کو وہ واقعہ یاد دلایا جسکو یاد کر کے میں ان سے جنگ نہیں کر سکتا۔ در حقیقت ابوالحسنؑ نے انصاف سے کام لیا اور وہ بات کہی جس نے مجھے اس لغزش سے جو آج ہر خیال تھی بچایا میرے لئے دو چیزیں تھیں یا عار و ننگ کہ بغیر لڑے ہوئے میدان سے واپس جاؤں یا جہنم کی آگ سو میں نے عار کو نار پر ترجیح دی اور مٹی کا بنا ہوا آدمی جہنم کی آنچ کب سہہ سکتا ہے۔

امیرالمومنین کی امامت پر یہ امر بھی ایک تیز روشنی ڈال رہا ہے کہ آپنے جب زبیر کو میدان جنگ میں پکارا تھا تو زبیر اسلحہ میں سجے ہوئے تھے اور امیرالمومنین نے بغیر اسلحہ کے کرتہ پہنے ہوئے ملاقات کی لوگوں نے پوچھا جب آپ پلٹ کے آئے کہ زبیر سے بہادر کے مقابلہ میں آپ یوں کیسے چلے گئے اور جو وہ آپ کو قتل کر دیتے، آپ نے مسکرا کے فرمایا ایسا ناممکن تھا میرا قاتل تو ایک گمنام کمینہ اور بدنسب آدمی ہے میں ان معرکوں میں نہیں قتل ہونگا۔ میرا قاتل تو شقی ترین مردم ہے جیسا کہ ناقہ صالح کا ذبح کرنے والا تھا۔ یہ پیشگوئیاں بھی آپ کی امامت کی دلیل ہیں)

صاحب اصابہ، واستیعاب نے اور دیگر مورخین نے بھی اس واقعہ بازگشت زبیر کو اپنی اپنی جگہ پر لکھا ہے۔ میدان جنگ جمل میں زبیر کی یہ عملی گواہی امیرالمومنین کے حق کو ثابت کئے دیتی ہے۔

۹۸

وَ ادَّعَى الْوَلِيجَةَ فَلْيَاْتِ
اور دلی کھوٹ (چھپی ہوئی مخالفت) کا دعویٰ کیا لہٰذا اب انھیں چاہیئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷) انھیں اس حالت میں بھی قتل کیا جب وہ کافر تھے (بدر واحد و خندق وغیرہ میں) اور اس حال میں بھی قتل کرونگا جب کہ وہ فتنوں میں پڑ گئے ہیں۔ اور عائشہ کے بارے میں تو ہم سے کوئی خطا نہیں ہوئی مگر یہی کہ ہمنے انھیں نیکیوں میں شریک کیا اور انسے نیکی اور اچھائی کی خدا کی قسم یقیناً میں باطل کا پیٹ پھاڑ کے رہونگا یہاں تک کہ حق اس کی کوکھ سے نکل پڑے۔ "قریش سے کہدو کہ چیخے چلائے جائیں"

زبیر کا اعتراف ظلم اور صف جنگ سے پلٹنا

جب جنگ جمل میں صفیں بندھ چکیں تھیں تو اس وقت امیرالمومنین نے زبیر کو کئی دفعہ پکارا چنانچہ زبیر صف سے نکل کے علی سے اتنے قریب ہوئے کہ دونوں شہسواروں کے گھوڑوں کی گردنیں ایک دوسرے سے مل گئیں، امیرالمومنین نے زبیر سے کہا کیوں زبیر! وہ وقت یاد ہے، جب تم مجھ سے ایک روز گلے مل رہے تھے اور رسول نے تم سے پوچھا کہ کیوں زبیر کیا تم علی سے محبت رکھتے ہو تو تم نے جواب دیا کہ کیوں نہیں وہ میرے بھائی اور پھوپھا کے لڑکے ہیں تو رسول نے فرمایا تھا کہ زبیر تم ایک روز جنگ کروگے اور علی سے لڑوگے اور یقیناً تم اسوقت ظالم ہوگے (ابن ابی الحدید، ابن قتیبہ، استیعاب، اصابہ، حال زبیر، طبری وغیرہ وغیرہ)

یہ سننا تھا کہ زبیر کو وہ واقعہ یاد آگیا اور فوراً لجام فرس پھیری، عبداللہ بن زبیر نے پلٹنے کا سبب پوچھا تو کہا علی نے مجھے ایک واقعہ اور رسول کی حدیث یاد دلادی، جسے مجھے زمانہ نے بھلا دیا تھا، اور میں تو پلٹا جاتا ہوں اور تم لوگوں کے ہمراہ علی سے جنگ نہ کرونگا۔ عبداللہ نے کہا یہ کچھ بھی نہیں نہ صرف یہ ہو کہ تم اولاد عبدالمطلب کی تلواروں سے ڈر گئے اس لیے پلٹے جاتے ہو، زبیر نے کہا تجھ پر وائے ہو تو مجھے جوش شجاعت دلاتا ہے اور جنگ کے لئے ابھارتا ہو حالانکہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ علی سے جنگ نہ کروں گا، عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ اپنی قسم کا کفارہ دیدو اور لڑو کہیں قریش کی عورتیں تمھیں بودے پن کا الزام نہ دیں حالانکہ تم بودے نہیں ہو، زبیر نے کہا میرا غلام مکحول آج سے آزاد ہے اور یہی میری قسم کا کفارہ ہے۔ اس کے بعد نیزہ کی سنان

قتل کیا ہے۔ اُس نے کہا ہاں میں ہی نے قتل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم صفیہ کا بیٹا نہ بودا تھا نہ بخیل مگر یہ ہوکہ برا وقت آگیا تھا اور موت پہونچ گئی تھی۔ پھر آپ نے زبیر کی تلوار لی اور اس کو ہلاکے کہا اس تلوار نے اکثر مقامات جنگ میں رسول کی مدد کی ہے۔

ابن جرموز نے کہا میں نے اتنا بڑا کام کیا ہے کچھ انعام تو دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ زبیر کا قاتل جہنمی ہے۔ یہی تیرا انعام ہے۔ ابن جرموز مایوس ہوکے چلا گیا اور کچھ اشعار پڑھتا جاتا تھا جنکا مفہوم یہ تھا کہ اور سنو میں تو زبیر کا سر علی کے پاس لے گیا اور سمجھتا تھا کہ مقرب ہونگا اور جائزہ ملیگا مگر انھیں نے اُلٹے مجھے جہنم کی بشارت دی کتنی بُری یہ بشارت ہے اور کتنا بُرا یہ تحفہ ہے،

یہی ابن جرموز مقام نہروان میں خوارج کی طرف سے امیرالمومنین سے لڑا اور رسول و علی علیہما السلام دونوں کی پیشگوئیاں اس کے جہنمی ہونے کی صحیح ثابت ہوئیں مخالفت علی سبب جہنم

ان حضرات (عائشہ طلحہ اور زبیر) نے علی کی بعیت کی اور دوسروں کو بھی اسکا حکم دیا۔ پھر پلٹ گئے

قال الاحنف لقيت طلحة والزبير فقلت من تامراني به وترضيانه لي فاني لا ارى هذا الرجل الا مقتولا قالا علي قلت اتامراني به وترضيانه لي قالا نعم فانطلقت حتى قدمت مكة فبينا نحن بها اذ اتانا قتل عثمان رضي الله عنه وبها عائشة ام المومنين رضي الله عنها فلقيتها فقلت من تامريني ان نبايع قالت علي قلت تامريني به وترضينه لي قالت نعم فمررت على علي بالمدينة فبايعته ثم رجعت الى البصرة ولا ارى الامر الا قد استقام فقال فبينا انا كذلك اذا اتاني ات فقال هذه عائشة وطلحة والزبير قد نزلوا جانب الخريبة فقلت ما جاء بهم قالوا

عَلَيْهَا بِأَمْرٍ يُعْرَفُ

کہ وہ اپنے دعوے پر کوئی (ظاہر بظاہر) کھلی ہوئی دلیل لائیں

واقعہ قتل زبیر

بقیہ حاشیہ صفحہ (۹۸) جب زبیر جنگ جمل سے نکل کے پلٹے تو "وادی السباع" میں ان کا گذر ہوا وہاں احنف بن قیس بنی تمیم کے ایک گروہ کے ساتھ موجود تھے اور یہ جنگ جمل میں کسی ایک طرف بھی شریک نہیں ہوئے تھے۔ احنف کو خبر دی گئی کہ زبیر وادی سباع سے گذر رہے ہیں تو احنف نے بلند آواز سے کہا' زبیر نے بھی کیا کیا ناگفتہ بہ کام کئے' جنگ جمل قائم کی اور جب تلواریں مسلمانوں کا خون پینے لگیں تو انھیں معرکہ جنگ میں چھوڑ کے بھاگ نکلے یقیناً زبیر اس قابل ہیں کہ قتل کر دیے جائیں خدا انھیں قتل کرے۔

احنف کا یہ کلام سن کے عمرو بن جرموز نے زبیر کا پیچھا کیا اور یہ بڑا لڑنت سا ونت تھا جب زبیر کے قریب پہونچا تو زبیر نے کہا کیا مطلب ہے۔ کہا۔ میں تم سے پوچھنے آیا ہوں کہ جنگ جمل میں لوگ کیا کر رہے ہیں' زبیر نے کہا کر کیا رہے ہیں سب کے سب صفیں باندھے کھڑے ہوئے ہیں اور تلواریں سر اڑا رہی ہیں۔ ابن جرموز زبیر کے ساتھ ساتھ ہولیا' اور ہر ایک' ایک دوسرے کے گھات سے راستہ میں بچتا جاتا تھا۔ جب چلتے چلتے نماز کا وقت آیا تو زبیر نے کہا میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں ابن جرموز نے کہا میں بھی نماز پڑھنا چاہتا ہوں زبیر نے کہا تو میں تم کو امان دیتا ہوں تم مجھ کو امان دو کہ ہم تم نماز سے فارغ ہوجائیں' ابن جرموز راضی ہوا' زبیر نے وضو کیا جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ابن جرموز نے موقع پاکے وار کیا اور زبیر کو قتل کر دیا اور انکا سر' تلوار اور انگوٹھی لیلی تھوڑی سی مٹی اٹھا کے انکی لاش پہ ڈالدی اور چلا گیا۔

احنف کے پاس پلٹ کے آیا' تو احنف نے کہا یہ تم نے بہت بُرا کیا اور مجھے نہیں معلوم کہ تم نے بُرا کیا یا اچھا کیا۔ علی کے پاس جاؤ اور اُن سے پوچھو' ابن جرموز امیرالمومنین کے پاس آیا' اجازت لیکے اندر گیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ سر' انگوٹھی اور تلوار تینوں چیزیں تھیں اور اکثر نے یہ لکھا ہے کہ صرف تلوار ساتھ تھی' امیرالمومنین نے پوچھا تو نے زبیر کو

آکے کرلی پھر بصرہ لیٹ کے آیا اور مجھے یقین تھا کہ علی کی بیعت محکم و مضبوط ہوگئی اور سب کام درست ہوگیا۔ ابھی میں اسی حال میں تھا کہ ایک آنے والے نے مجھ سے آکے کہا کہ "یہ لو عائشہ و زبیر و طلحہ مقام خریبہ میں اترے ہوئے ہیں" میں نے کہا یہ لوگ یہاں کیونکر آئے۔ کہا کہ تمھارے پاس انھوں نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم انکی مدد انتقام خون عثمان میں کرو۔ غضب، یہ وہ آفت تھی اور ایسی خوفناک مصیبت تھی کہ مجھ پر کبھی ایسا وقت آیا ہی نہ تھا" میں نے (اپنے دل سے) کہا کہ ان لوگوں کی مدد کرنا بھی مجھ پر بہت سخت ہے کیونکہ یہ ام المومنین عائشہ اور حواری رسول زبیر وغیرہ ہیں اور علی سے جنگ کرنا بھی مجھ پر دشوار ہے کیونکہ وہ ابن عم رسول ہیں اور اس کے اسوا ان لوگوں نے مجھے ان کی بیعت کا بھی حکم دیا اور میں انکی بیعت کر بھی چکا ہوں۔

خیر میں ان لوگوں کے پاس آیا (جب مجھے دیکھا) تو کہا کہ تم ہماری مدد انتقام خون عثمان میں کرنے آئے ہو جو مظلوم قتل ہوئے میں نے کہا اے ام المومنین آپ کو قسم ہے خدا کی یہ تو بتایئے کیا میں نے آپ سے نہیں پوچھا تھا کہ آپ کس کی بیعت کا مجھے حکم کرتی ہیں اور کس کی بیعت سے راضی ہیں تو آپ نے کہا تھا کہ علی کی بیعت کرو" حضرت عائشہ نے کہا ہاں یہ تو ہوا تھا۔ مگر علی کچھ بدل گئے (اور وہ نہیں رہے جو پہلے تھے) پھر میں طلحہ و زبیر کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی کہا کہ تم لوگوں سے میں نے پوچھا اور تم نے علی کی بیعت پر رضا بھی ظاہر کی اور مجھے ان کی بیعت کا حکم بھی دیا، تمھیں قسم ہے بتاؤ کیا ایسا نہیں ہوا تھا؟ دونوں نے اقرار کیا اور کہا ہاں ایسا ہی ہوا تھا مگر علی کچھ بدل گئے اور اب وہ، وہ نہیں جو پہلے تھے۔ (کیا بدلے اے ارباب بصیرت جلنے ہیں کہ ان دونوں کو امر خلافت میں شریک

وَ اِلاَّ فَلْيَدْخُلْ فِيْمَا

ورنہ جس چیز سے الگ ہوئے اور نکلے ہیں (حلقہ)

بقیہ حاشیہ صفحہ (٩٩) ارسلوا الیک یدعونک یستنصرونک علی دم عثمان رضی اللہ عنہ فاتانی افظع امر اتانی قط فقلت ان خذلانی ہؤلاء ومعہم ام المومنین عائشۃ وحواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم لشدید وان قتالی رجلا ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم قد امرونی ببیعتہ لشدید فلما اتیتہم قالوا جئنا لنستنصر علی دم عثمان قتل مظلوما فقلت یا ام المومنین انشدک باللہ اقلت لک من تامرینی بہ فقلت علی فقلت اتامرینی بہ وترضینہ لی قلت نعم قالت نعم ولکنہ بدل فقلت یا زبیر یا حواری رسول اللہ ویا طلحۃ انشدکما اللہ اقلت لکما ما تامرانی فقلتما علی فقلت اتامرانی بہ وترضیانہ لی قلتما نعم قالا نعم ولکنہ بدل فقلت واللہ لا اقاتلکم ومعکم ام المومنین وحواری رسول اللہ ولا اقاتل رجلا ابن عم رسول اللہ امرتمونی ببیعتہ الخ (طبری صفحہ ١٩٥ جلد پنجم)

(جس وقت حضرت عثمان محصور تھے اور مدینہ میں اصحاب و مہاجرین و انصار قتل حضرت عثمان پر تلے ہوئے تھے اس وقت) احنف کہتے ہیں کہ میں طلحہ و زبیر سے ملا اور میں نے کہا کہ تم دونوں مجھے کس شخص کی بیعت کا حکم دیتے ہو، اور کس کی بیعت پر تم راضی ہو (بتاؤ) کیونکہ مجھے یقین ہے کہ عثمان ضرور قتل کر دیے جائیں گے، طلحہ و زبیر نے کہا کہ علی کی بیعت کرنا، احنف نے کہا تو تم مجھے ان کی بیعت کا حکم دیتے ہو اور اس پر راضی ہو، دونوں نے کہا ہاں ہم راضی ہیں، میں یہ سنکر وہاں سے چلا گیا اور مکہ پہونچا اور یہاں آکے سنا کہ حضرت عثمان قتل ہوگئے، اس وقت مکہ میں حضرت عائشہ بھی موجود تھیں، (آپ نے اسی وقت سے مدینہ چھوڑ دیا تھا جب سے وہاں یہ فتنہ و فساد و ہنگامہ برپا تھا اور حضرت عثمان کے قتل کی فکر میں انصار و مہاجرین تھے) میں حضرت عائشہ سے ملا اور عرض کی کہ آپ کسکی بیعت کا حکم مجھے دیتی ہیں، انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ "علی ابن ابیطالب کی بیعت کرو" میں نے پھر عرض کی، تو آپ مجھے بخوشی یہ حکم دیتی ہیں؟ اور آپ اس بیعت سے راضی ہیں؟ فرمایا ہاں ہاں" (احنف کہتے ہیں) اب میں مدینہ آیا اور علی ابن ابیطالب کی بیعت

طلحہ و زبیر اور "علی کی بیعت" واقعات ذیل دیکھئے بہت سے مطالب بےنقاب ہوجاتے ہیں. جب حضرت عثمان کا قتل واقع ہوچکا تو زبیر مجمع میں کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہنا شروع کیا قال ایھا الناس ان اللہ قد رضی لکم الشوریٰ وقد تشاورنا فرضینا علیاً فبایعوہ واما قتل عثمان فانا نقول فیہ ان امرہ الی اللہ وقد احدث احداث فقام الناس فاتوا علیاً فی دارہ فقالوا نبایعک فمد یدک لابد من امیر فانت احق بہا

(ابن قتیبہ صفحہ ۴۴)

زبیر نے کہا اے لوگو! اللہ تم سے شوریٰ کے متعلق راضی ہوا اور ہم نے آپس میں مشورہ کرلیا ہے. لہذا تم لوگ علی کی بیعت کرو. رہ گیا قتل عثمان تو اسکے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ان کی بات خدا پر محول ہے ہاں یقیناً انھوں نے (دین میں) کچھ بدعتیں کیں۔ پس سب لوگ کھڑے ہوگئے اور علی ابن ابیطالب کے پاس ان کے گھر پر آئے اور کہا کہ ہاتھ بڑھایئے ہم لوگ آپ کی بیعت کریں گے، کیونکہ کوئی نہ کوئی امیر اور خلیفہ ہونا ضروری ہے اور آپ اس خلافت کے لئے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

وکلم بعضھم بعضاً فقالوا بعض قتل عثمان فی الآفاق والبلاد فیسمعون بقتلہ ولا یسمعون انہ بویع لاحد بعدہ فیثور کل رجل منھم فی ناحیۃ فلانا من ان یکون فی ذلک الفساد فارجعوا الی علی ولا تترکوہ حتی یبایع فیسیر مع قتل عثمان بیعۃ علی فیطمئن الناس (صفحہ ۴۴ ابن قتیبہ) (پہلے جو لوگ امیر المومنین کے پاس بیعت کے لئے گئے ان سے آپ نے صاف انکار کیا) تب لوگوں نے آپس میں گفتگو شروع کی اور کہا کہ خبر قتل عثمان تمام آفاق میں پھیلے گی اور لوگ اس خبر کو سنیں گے مگر یہ نہ سنیں گے کہ کسی کی بیعت بھی ہوئی

خَرَجَ مِنہُ

بیعت سے) اسمیں پھر داخل ہوں

بقیہ حاشیہ (صفحہ ۱۰۰) نہیں کیا تھا جیسا کہ انکی خواہش تھی اور یمن و بصرہ جب ان دونوں کے سپرد نہیں کیا گیا تھا پھر ادھر امیر شام نے انھیں بھڑکا دی اور بصرہ و کوفہ کی ولایت کی نوید سنائی اور یہ کہ دونوں کی بیعت شام والوں نے پہلے ہی سے کرلی ہے۔ سے بھلا اب اپنے ارادے پر یہ کیسے قائم رہ سکتے تھے جیسا کہ مفصل اوپر گذرا (مترجم)

پس کسی نے کہا کہ خدا کی قسم نہ تو میں تم لوگوں سے جنگ کرونگا اور نہ علی سے کیونکہ تم میں ام المومنین عائشہ اور حواری رسول زبیر ہیں اور ادھر علی ابن ابیطالب ابن عم رسول ہیں جنکی بیعت کا حکم تمھیں لوگوں نے مجھے دیا تھا۔ (چنانچہ احنف اس جنگ میں مع اپنے قبیلہ کے نہیں شریک ہوئے اور بصرہ سے دو فرسخ پر مقام جلحاء میں جاکے بیٹھ رہے) اور چونکہ امیر المومنین کی بیعت کر چکے تھے لہذا امیر المومنین کی خدمت میں یہ عریضہ بھیجا جس میں اپنی حالت بیان کرتے ہیں اور الگ رہنے کی خواہش کرتے ہیں۔

وبعث الاحنف بن قیس الی علی ان شئت اتیتک فی مائتی رجل من اھل بیتی وان شئت کففت عنک اربعۃ الاف سیف فارسل الیہ علی کف عنی اربعۃ الاف سیف وکفیٰ بذلک ناصراً (ابن قتیبہ صفحہ ۵۳)

احنف نے امیر المومنین سے کہلا بھیجا کہ کہئے تو میں اپنے دو سو گھر والوں سمیت آپ کی مدد کے لئے آؤں اور کہئے تو چار ہزار تلواریں آپ سے روک دوں۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں تم میرے ساتھ لڑنے نہ آؤ اور چار ہزار تلواروں کو روک دو یہ تمھاری بہترین مدد میرے لئے ہوگی چنانچہ احنف نے بنو تمیم کے قبیلہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور وہ لوگ رک گئے اور کسی طرف سے جنگ میں شریک نہیں ہوئے فکف بنو تمیم ولم یخرجوا الی احد الفریقین (صفحہ ۵۴)

مگر احنف چونکہ حق کو جانتے تھے لہذا وہ ہمیشہ اپنی اس عدم شرکت جنگ پر افسوس کیا کئے اور غمگین رہے کہ کیوں علی کے ساتھ جہاد نہ کیا اور بہت شرمندہ تھے جیسا کہ تاریخ ابن قتیبہ کا یہ فقرہ ہے وقد ندم الاحنف علی خذلہ علیاً (احنف علی کے ساتھ جنگ نہ کرنے سے شرمندہ تھے (ابن قتیبہ صفحہ ۵۹)

للخذل وقد بایع الناس
علیا بمعشر عامتہ والناس
لاہو کما غدا فما تقولان
(ابن قتیبہ صفحہ ۶۳)

عبد اللہ بن خلف نے طلحہ وزبیر
سے کہا کہ تم دونوں نے قتل عثمان
کے لئے جس طرح لوگوں کو ابھارا
ہے وہ انکار سے نہیں دفع ہو سکتا
اور نہ ہمیں تمہارا کوئی عذر ہی قبول
ہو سکے گا وہ شخص جو تمہیں صرف مدد
نہ کرنے کا الزام دیتا ہے اور قتل
عثمان کا ملزم نہیں قرار دیتا وہ بڑا
احسان تمہارے ساتھ کرتا ہے،
اور تمام لوگوں نے علی کی بیعت
کر لی ہے اور کل تم ہمارا قتل عثمان
میں ہاتھ بٹا رہے تھے ایسی
صورت میں اگر جنگ جو کرو گے تو
دنیا تمہیں کیا کہے گی ؟)
یہی وہ بیعت جسکا مختصر تذکرہ
یہاں اثبات مطلب کے لئے کیا گیا
اور جس سے آج زبیر انکار کر رہے
ہیں اور تقیہ سے کام لے رہے ہیں
اور امیر المومنینؑ ان کے اسی عہد
پر دلیل مانگ رہے ہیں۔
تفصیلات کے لئے دیکھو کتب سیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) اور اسوقت ہر طرف طوائف الملوکی کی سی صورت پیدا ہو گئی اور ہر جانب حملے شروع ہو جائیں گے اور فتنہ و فساد بڑھیگا لہذا تم لوگ پلٹ کے جاؤ اور بغیر بیعت کئے ہوئے علی کو نہ چھوڑنا تا کہ قتل عثمان اور بیعت علی یہ دونوں خبریں ساتھ ساتھ منتشر ہوں (راوی یہی) وکان اول من صعد المنبر طلحۃ فبایعہ بیدہ وکانت اصابعہ شلاء فتطیر منہ علی فقال ما اخلقہا ان تنکث ثم بایعہ الزبیر وسعد واصحاب النبی جمیعاً (ابن قتیبہ صفحہ ۴۳)
سب سے پہلے جو شخص منبر پر گیا اور جس نے علی کی بیعت کی وہ طلحہ تھے چونکہ انکی انگلیاں شلول تھیں لہذا امیر المومنین نے انکی بیعت کو پہلے پہل بدشگونی خیال کیا اور فراست امامت سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہاتھ کس قدر اس امر کے لائق ہیں کہ بیعت توڑ دیں پھر آپ کی بیعت زبیر اور سعد نے کی اور پھر تمام اصحاب نبی نے۔
اسوقت جبکہ طلحہ و زبیر نے عمائد اہل بصرہ کو علی سے جنگ کرنے کے لئے خطوط لکھے ہیں تو کعب بن سور اور احنف بن قیس وغیرہ نے اسکے جوابات دیے ہیں۔ اس جگہ پر ابن قتیبہ کی صفحہ ۶۳ پر یہ عبارت ہے جو ان لوگوں کی بیعت پر گواہ ہے۔
فلما وصلت کتبہما الی القوم قام زیاد بن مضر والنعمان بن شوال فقالوا مالنا ولہذا الحی من قریش ایریدون ان یخرجونا من الاسلام بعد ان دخلنا فیہ ویدخلونا فی الشرک بعد ان خرجنا منہ قتلوا عثمان وبایعوا علیا لہم مالہم وعلیہم ما علیہم۔
جب طلحہ و زبیر کے خطوط ان لوگوں کو پہونچے تو زیاد بن مضر اور نعمان وغیرہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمیں اور اس قبیلہ قریش کو کیا ہو گیا ہے کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں اسلام سے داخل ہونے کے بعد خارج کر دیں اور شرک سے نکلنے کے بعد پھر اس میں شامل کریں، انھوں نے عثمان کو قتل کیا اور علی کی بیعت کی۔ انکا نفع و نقصان ان کے ساتھ ہے۔
عبد اللہ بن خلف جو جمل میں حضرت عائشہ ہی کی طرف سے لڑ کے قتل ہو گئے انھوں نے بھی طلحہ و زبیر کو یوں مخاطب کیا ہے۔
وقد کان منکما فی عثمان من التخلیب والتالیب مالا یدفعہ جحودکما ولا ینفعکما فیہ عذر واحسن الناس فیکما قولا من ازال عنکما القتل والزمکما

تیرھواں خطبہ

"اصحاب جمل" دشمنوں کی دھمکیاں اور لاف و گزاف

وَ قَدْ اَرْعَدُوْا وَ اَبْرَقُوْا

یہ لوگ (خوب) گرجے[1] اور (خوب) چمکے

وَ مَعَ هٰذَيْنِ الْاَمْرَيْنِ الْفَشَلَ

(مگر) باوجود اس گرج اور چمک کے (وہی) بوداپن اور بزولی سامنے آئی

[1] ابن ابی الحدید کے کلام کا خلاصہ بعبارت الفاظ یہ ہے "گرجنے اور برسنے" سے اسوقت استعارہ کرتے ہیں جب وعید اور دھمکی کا اظہار مد نظر ہوتا ہے، گویا اصحاب جمل نے قبل اسکے کہ لڑیں اور اپنی شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھائیں بڑے لاف و گزاف اور شیخیوں سے کام لیا جو اہل شجاعت کے لئے زیبا نہیں، جو لوگ کہ شجاع ہوتے ہیں وہ ہلڑ اور ہنگامہ نہیں مچاتے بلکہ خاموشی سے داد جبر و ضرب دیتے ہیں برخلاف بودوں کے کہ وہ شور بہت مچاتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں دکھاتے، یہی حالت بعینہ اہل جمل کی تھی۔
میں کہتا ہوں کہ نہ صرف زبان عرب میں بلکہ زبان اردو میں بھی اس قسم کے استعارات مستعمل ہوتے ہیں اور وہی معنی دیتے ہیں ایک مرثیہ کی بیت اس مطلب کو ادا کرتی ہے اور محل وہی ہے کہ ایک پہلوان حسینی مجاہد کے سامنے لاف و گزاف سے کام لے رہا ہے اس مقام پر پہونچکر شاعر نے یہ بیت نظم کی ہے اور اس خیال کو ظاہر کیا ہے کہ

باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۴ پر ملاحظہ ہو

وَلَسْنَا نُنْزِعُهُ حَتّٰی

اور ہم تو جب تک جی بھر کے لڑ نہیں لیتے گرجتے نہیں (دعویٰ شجاعت و

نُوْقِعَ وَلَا نُسِيْلُ حَتّٰی

فتح کرتے نہیں جیسا کہ دشمنوں نے کیا) اور جب تک برس نہیں چکتے بہتے

نُمْطِرُ

نہیں (بخلاف جمل والوں کے کہ بڑے شور اور بڑے زور تھے مگر سوا شکست
اور بزدلی کے کچھ نظر نہ آیا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳)

کالے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جتنے ابر برستے نہیں کبھی

اگرچہ شاعر کے پہلے مصرعہ میں کچھ ایسے الفاظ کی کمی ہے جو مراد و دل شاعر کی توضیح کریں مگر دوسرا مصرعہ اپنے معنی ایک حد تک ادا کرتا ہے اور اس دھمکی اور لاف و گزاف کی طرف جو دشمن سے ظاہر ہوئی مشیر ہے۔

اصحاب جمل کی کیفیت جو بزدلی کو ظاہر کرتی تھی بیان فرما کے اپنے گروہ کی حالت بیان کرتے ہیں اور شجاعوں کی عادت بیان فرماتے ہیں کہ ہم تو بغیر برسے ہوئے بہتے نہیں، ظاہر ہے کہ جو اسکے خلاف دعویٰ کرے (جیسا جمل والوں نے کیا) وہ غلط ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ پانی کے برسنے کے بعد سیل آتی ہے نہ یہ کہ سیل پہلے آجائے اور پانی بعد کو برسے۔

پھر فرماتے ہیں کہ باوجود ان باطل دعووں کے بھی وہی بزدلی اور بودا پن ظاہر ہوا اور قول کی مطابقت فعل سے نہ ہو سکی۔

درحقیقت لشکر کے غل و شور و ہنگامہ کو شجاع ہمیشہ بزدلی سے تعبیر کیا کئے۔

جمل کا جب حضرت عائشہ
کا لشکر بے قرار ہوکر
دوات وغیرہ لیکر چلا
ہے تیس ہزار دس
آدمی تھے اور بڑا شور
مچا ہوا تھا تو یوسف ابن
سابرع نے جو حریف
مقدمہ تھا اپنے
بعض ساتھیوں سے
پوچھا کہ یہ شور و غل
کیسا ہے تو جواب دیا گیا
کہ کچھ نہیں بزدلی ہے
یہ بودا پن کا شور و غل ہے
انھیں معنیں کا لفظ
کہتے ہیں عرب کی
ایک مثل بھی ہے کہ
"الفشل تبغیہ الشفاعة"
لا وعید سے جانا ہے
(حقیقت) وعید =
دھمکی ہے

چودھواں خطبہ

معاویہ اور اسکے لشکر کی حالت اور اپنی بصیرت دینی کا "تذکرہ

اَلَا وَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ قَدْ جَمَعَ حِزْبَہٗ

(حق والو!) ہوشیار ہو جاؤ شیطان نے اپنی گروہ بندی کر لی (اور اپنا

وَ اسْتَجْلَبَ خَیْلَہٗ وَ رَجِلَہٗ

جتھا تیار کر لیا اور اسنے اپنے سوار اور پیدلوں کو اکٹھا کر لیا

وَ اِنَّ مَعِیْ لَبَصِیْرَتِیْ

اور میرے ساتھ (تو) یقیناً میری بصیرت (دینی) ہے (اس سے میں خوب پہچان لیتا ہوں خوب پرکھ

مَا لَبَّسْتُ عَلٰی نَفْسِیْ وَ

لیتا ہوں) کبھی مجھے میرے نفس نے شبہ میں نہیں ڈالا اور (نہ دھوکا دیا) اور

لہ یہ خطبہ آپنے اسوقت ارشاد فرمایا ہو جب طلحہ و زبیر نے بیعت توڑ دی اور اپنی راہ لگے آپ کی روشن ضمیری نے آپ کو مطلع کر دیا کہ یہ تمام باتیں معاویہ کر رہا ہے اور حقیقت میں بھی ایسا ہی تھا، طلحہ و زبیر نے معاویہ کے اس خط سے جو ایکے دی ابنی عیس کا لیکے آیا تھا اور جس کا تذکرہ اس سے پہلے ایک خطبہ کے ضمن میں ہو چکا ہے بیعت توڑی کی اور بصرہ کو روانہ ہوئے۔

ٹہ اسی مطلب کی طرف آپکا اشارہ ہے کہ گویا شیطان اپنے لشکر کو رفتہ رفتہ جمع کر رہا ہو اور اس نے جمع کر لیا، ابن ابی الحدید نے لکھا ہو کہ شیطان سے مراد اگر آپنے معاویہ کو لیا ہے جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے تو لفظ کا استعمال حقیقت پر مبنی ہو اور اگر شیطان سے مراد ابلیس حقیقی ہو تو حقیقۃ ہے، اور چونکہ شیطان ہی انسانی دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہو لہٰذا ان وساوس سے نہ متاثر ہونے کا اظہار آپ ان الفاظ فرما رہے ہیں۔

ٹہ کہ میرے ساتھ میری وہی بصیرت دینی ہو جسکے آئینہ پر رسول جلا کر چکا ہے اور جو بطور تنیس رسول اور زیر تربیت رسول رہ چکی ہو لہٰذا اس پر کسی قسم کا اثر ان وساوس اور باطل پرستیوں کا نہیں ہو سکتا، گمراہی کی یہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ خود نفس امارہ نفس مطمئنہ پر غلبہ حاصل کر کے گمراہ کر دے اور یا دوسرے گمراہ کر دیں یہاں یہ دونوں صورتیں مفقود ہیں نہ آپکا نفس امارہ غالب تھا نہ کسی دوسرے کا اضلال دخل کام دے سکتا تھا خواہ وہ کسی قسم کا شیطان کیوں نہ ہو

اس بنا پر ایک اشارہ اس کلام میں اس بات کا بھی ہو کہ اگر کوئی ہستی قابل اقتدا و اتباع ہو تو وہ علی کا نفس مطمئنہ ہو جس پر کسی گمراہی کا اثر آج تک ہوا نہ آئندہ ہونے والا ہے اب ظاہر ہے کہ جو اس نفس حق کے مقابلہ میں آئیگا وہ باطل ٹھہریگا یوں حق و باطل میں امتیاز تام پیدا ہو گیا و قد اسفر الصبح لذی عینین "آنکھ والوں کیلئے صبح روشن ہو گیا اور چمک اٹھی"

لَا لُبْسَ عَلَيَّ وَ آيْمُ اللّٰهِ

نہ (کسی اور طریقہ سے) میں شبہ و اشتباہ میں پڑا اور خدا کی قسم میں (معاویہ

لَاُفْرِطَنَّ لَهُمْ حَوْضًا اَنَا مَا تِحُهٗ

والوں کیلئے جنگ کا) ایک ایسا حوض (بھر کے) چھلکاؤں گا کہ میں ہی

لَا يُصْدِرُوْنَ عَنْهُ وَلَا يَعُوْدُوْنَ

(اسکا) اُلچھنے والا (بھی) ہونگا کہ (یہ لوگ) نہ اس سے (سیراب ہوکے) نکل سکینگے

اِلَيْهِ

اور نہ (نکل سکے) اسکی طرف پلٹ سکینگے

لہ آپ فرماتے ہیں کہ خیر طلحہ بھی جائیں زبیر بھی جائیں اور معاویہ اپنا سارا لشکر جمع کرلے مگر یہ یاد رہے کہ میں ایک ایسا حوض جنگ کا تیار کروں گا یعنی ایسا لشکر تیار کروں گا جس کی سرداری میرے ہاتھ میں ہوگی جو اس میں آگیا وہ اس لشکر عظیم سے نکل نہیں سکتا قتل ہوجائیگا اور جو بچ کے نکل گیا اسے پھر کبھی حوصلہ نہ ہوگا کہ وہ جنگ کرے اور اس حوض میں اُترے

چونکہ عرب لشکر کو "بحر" سے تعبیر کرتے ہیں اور بحر میں پانی ہوتا ہے لہذا اسی کی مناسبت سے آپ نے تمام الفاظ صرف فرمائے ہیں، حوض کو لشکر سے تعبیر کی ہے، اور اُلچھنے والا اور پانی پلانے والا اپنے کو بتایا ہے کیونکہ لشکر آپ کے زیر حکومت و حکم تھا، صدور کلام عرب میں اس حالت کو کہتے ہیں جب گلے پانی پی کے نکلتے ہیں اور ورود جب پانی پینے آتے ہیں یہاں ورود کی جگہ پر آپ نے "عود" کا صرف فرمایا ہے تاکہ جنگ سے نکلنے کے بعد پلٹنے کی معنی کو ادا کرے۔

11

پندرھواں خطبہ

جنگ جمل میں محمد ابن حنفیہ کو لشکر کا علم دے کے

آداب حرب کی تعلیم

تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَ لَا تَزُلْ عَضَّ

(بیٹا! دیکھو) پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں مگر (میدان جنگ سے) تم نہ ہٹنا (جمے کھڑے رہنا)

عَلٰى نَاجِذِكَ اَعِرِ اللّٰهَ جُمْجُمَتَكَ

اور دانت پر دانت جما کے (لڑنا) اپنے کاسۂ سر کو خدا کی راہ میں عاریت دیدینا

سلہ پہلے قدم جما کے لڑنے کی ہدایت فرمائی اور یہ فرمایا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائیں مگر تمہاری ثابت قدمی میں فرق نہ آئے، پھر یہ فرمایا کہ دانتوں کو دانتوں پر جما کے لڑنا۔ اسمیں کئی باتیں ہیں، اوّل تو یہ کہ اس کی وجہ سے دل مضبوط ہوگا اور خوف لشکر نہ طاری ہو سکے گا جیسا کہ عادتاً ہوا کرتا ہے کہ سردی یا خوف کے وقت جب جسم انسان میں کپکپی پڑجاتی ہے تو وہ اگر دانت پر دانت خوب زور سے بجھالے تو کپکپی دفع ہوجاتی ہے اور کوئی اثر باقی نہیں رہتا دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں اگر کوئی تلوار کا وار سر پر کرتا ہے تو تلوار اچٹ جاتی ہے کیونکہ ایک قسم کی سختی اعصاب وعروق سر میں پیدا ہوجاتی ہے، اس مطلب کو توضیحی حیثیت سے آپ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ "وعضوا للنواجذ فانہ انبا للسیوف" دانتوں کو بھینچ لو کیونکہ اگر ایسا کروگے تو تلوار سر سے اچٹ جائیگی تیسرے یہ کہ اس حالت میں اعصاب انسانی میں ایک قسم کا کھنچاؤ اور تناؤ پیدا ہوتا ہے اور وار بھرپور پڑتا ہے کیونکہ قوت دوگنی ہوجاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے، نیز یہ کہ

غیظ وغضب اور انتقام کے محل پر بولتے ہیں جیسا ہمارے اردو میں دانت پیسنا استعمال ہوتا ہے۔

سلہ یہ اس لئے فرمایا تاکہ الفاظ کے معنی سے لڑنیوالے کا دل بڑھا رہے کیونکہ کاسہ سر خدا کو عاریت دیدینے میں ایک قسم کی پوشیدہ بشارت حیات کی ہے اسلئے کہ جو شئے کسی کو عاریت دیجاتی ہے وہ اُسے بعینہٖ واپس کرتا ہے ان باتوں کا لحاظ خطابت میں کیا جاتا ہے جو جائے کہ خالق کو نہیں اور یہ وہ بات تھی جس سے محمد کے دل میں ایک قسم کی خاص قوت پیدا ہوگئی ہوگی

نیچی کئے رہو۔ درحقیقت ان دونوں ہدایتوں میں ضدیت نہیں اسلئے کہ آداب حرب میں یہ بات ہے کہ انسان جب لڑنے کے لئے جائے تو وہ کرے تیور دشمنوں پر ڈالے اور فوج کو بھی طرح دیکھے اس سے ایک خاص اثر قلب پر پڑتا ہے، پہلی ہدایت سے آپکی یہی مراد ہے کہ اسطرح میدان جنگ میں سپاہی کے لشکر پر نہ نگاہ کرنا جیسے دل کے کمزور نگاہ کرتے ہیں کہ انکی پلک جھپکتی ہی نہیں یہ امر شجاعت کے خلاف ہے اور دوسری ہدایت سے آپ کی یہ مراد ہے کہ تلواروں اور اسلحہ جنگ کی چمک سے نگاہ کو محفوظ رکھنا اور آنکھوں کو بچائے رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ خیرگی پیدا ہو اور کوئی وار کرجائے کیونکہ اسوقت تمہاری نظر جھپک جائیگی۔ لہذا جب حملے پر آؤ تو پھر آنکھ بند کرکے لڑو (محاورۃً یہ جملہ یہاں صرف کیا گیا ہے جو عربی جملے کے پورے معنی بھی ادا کئے دیتا ہے) اور کچھ پرواہ کرو جو بھی سامنے آئے اُسے قتل کردو عرب کے اور کنایات ہیں جو وہ شجاع کے لئے استعمال کرتے ہیں اور جن سے انکی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص جوش شجاعت میں کچھ نہیں دیکھتا اور نہ اُسے جنگ کے وقت کچھ سجھائی دیتا ہے جیسے فلان مغامر، فلان غشمشم یعنی لڑتے وقت وہ کچھ نہیں دیکھتا کہ اس کے سامنے کیا ہے اور کون ہے، اسی اعتبار سے آپ نے بیٹے کو نصیحت فرمائی ہے کہ غض بصرك آنکھ بند کرکے لڑو اسی اعتبار سے کہ بے دھڑک لڑنے والا جوش شجاعت و دلیری میں کچھ نہیں دیکھتا، وحشی کو قتل جناب حمزہ میں مدد ملی تھی۔ چنانچہ احد میں جبیر بن مطعم بن عدی بن عبد مناف نے اپنے غلام وحشی سے کہا تھا کہ علی نے بدر کی لڑائی میں میرے چچا طعیمہ جو سید تجار تھے انھیں قتل کرڈالا ہے اگر آج تو انکے عوض میں علی کو قتل کردے تو تجھے آزاد کردونگا۔ یا رسول اور حمزہ کو قتل کردے تب بھی تجھے

تِدْ فِی الْاَرْضِ ؎۱ قَدَمَكَ
زمین میں اپنے قدم (میخ کی طرح) گاڑ دینا
اِرْمِ ؎۲ بِبَصَرِكَ اَقْصَى الْقَوْمِ
اپنی نگاہوں کا نشانہ (لشکر کی) آخری صف کو بنانا (انکے حرکات سکنات دیکھتے رہنا)

؎۱ یہ نہیں قدم کو زمین میں جمادینے کی ہدایت جو قوت قلب اور اثبات عزم کی دلیل ہے اور جس سے دشمنوں پر خوف طاری ہوجاتا ہے اور حملے کے بعد نہ سرکنے والے قدم کا ثبات دیکھ کے حملہ کرنیوالوں کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور ان کے قدم خود بخود اکھڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن نے ایسے شخص کے لئے جو میدان جنگ سے سرک جائے الٰہی غضب تجویز کیا ہے اور عظیم گناہ بتایا ہے اس سے یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے دل بڑھجاتے ہیں اور اپنی فوج پر ہراس طاری ہوجاتا ہے اور چونکہ جان دینے کا معاملہ ہوتا ہے لہذا ایک دوسرے کی پیروی اس پاؤں اکھڑنے میں کرنے لگتا ہے گر سارا الزام اور سارا گناہ اسی کے سر ہے جس نے پہلے پہل یہ حرکت کی ہو۔

؎۲ اس ہدایت میں بھی چند فوائد ہیں ایک تو یہ کہ آخری صف جو دور رہتی ہے اس پر نگاہیں جمانے سے اثر رعب وہاں تک پہونچتا ہے اور پہلی صفیں چونکہ قریب ہوتی ہیں لہذا وہ شجاع سے پہلے ہی مرعوب ہوجاتی ہیں دوسرے یہ کہ چونکہ اگلی صفیں سامنے ہوتی ہیں اور پچھلی صفوں کا آڑ کئے ہوئے ہوتی ہیں لہذا اگلی صفوں کے کرتوت تو معلوم ہوتے رہتے ہیں گر پچھلی صفوں کے حالات پوشیدہ رہتے ہیں لہذا نگاہ ان پر پڑنی چاہئے۔ تیسرے یہ کہ جب پچھلی صفوں پر حملے کا ارادہ ہوگا اور اس قصد سے انسان بڑھیگا تو لامحالہ درمیان کی صفیں بیچ میں پڑکے پامال ہونگی اور لڑنیوالے کو انھیں، مانع ہونیکی وجہ سے ہٹانا پڑے گا۔ خواہ بھگاکے ہٹائے یا قتل کرکے، جب پچھلی صفوں تک پہونچیگا برخلاف اس کے اگر اگلی ہی صفوں کا ارادہ کرے گا تو پچھلی صفوں کے قتل میں دقت پڑے گی۔ کیونکہ ارادہ محدود ہوجائیگا اور مجاہد کی ہمت اولین میں ضعف پیدا ہوگا۔

آپ نے دو متضاد کلام ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک جگہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "ارم ببصرك" (پچھلی صفوں کو) دیکھتے رہو، دوسری جگہ اسی کے بعد ارشاد ہوتا ہے وغض بصرك آنکھیں

وَغُضَّ بَصَرَكَ وَاعْلَمْ اَنَّ

نظر جمائے رہنا اور اپنی نگاہوں کو خیرگی سے بچانا) اور نظر جھکائے رہنا ۔ اور یہ یقین کیے رہو کہ

آزاد کر دونگا ۔ تو اس نے جواب دیا کہ رسول تک تو رسائی ناممکن ہے کیونکہ اصحاب انھیں گھیرے رہتے ہیں رہ گئے علی ان پر وار کرنا محال ہے کیونکہ انکی نگاہ دشمن پر جمی رہتی ہے اور چاروں طرف کی خبر رکھتے ہیں ۔ ہاں حمزہ کو قتل کر دونگا کیونکہ وہ جوش شجاعت میں اندھے ہوکے لڑتے ہیں اور آگے پیچھے کی کچھ خبر انھیں نہیں ہوتی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وحشی نے جناب حمزہ کو موقع پاکے قتل کر دیا ۔

جناب محمد بن حنفیہ

آپکی والدہ گرامی کا سلسلہ نسب یوں ہے خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ بن علبید بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن الدول بن حلیفہ بن لجم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ گرامی کے ورود میں اور عقد میں اختلاف ہے مگر محققین یہ کہتے ہیں کہ بنی اسد نے زمانہ خلیفہ اول میں جنگ کی اور اس میں آپ اسیر ہو کے آئیں اور امیر المومنین نے آپ کو مول لیا (قبیلہ بنی حنیفہ بھی مالک بن نویرہ کے قبیلہ کی طرح بعد وفات رسول مرتد سمجھا گیا تھا کیوں اسکی وجہ گذشتہ صفحوں میں لکھی جا چکی) جب اس مول لینے کی خبر قوم بنی حنیفہ کو پہونچی تو وہ لوگ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی شرافت نسبی اور قومیت کا اظہار کیا اور اپنے مراتب کو بتایا اور التجا کی کہ یہ کنیزی کا دھبہ اگر ہمارے دامن سے مٹ جائے تو آپکا احسان ہوگا ۔ آپ نے فوراً ان کو آزاد کر دیا اور مہر دے کے اپنا عقد ان سے فرمایا ۔ (رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ اسطرح کی عورت سے اگر تمھارے کوئی لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر رکھنا چنانچہ امیر المومنین نے بیٹے کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی) ۔ احمد بن یحییٰ بلاذری نے ان واقعات کو تصدیق کرتے ہوئے اس کتاب میں ، جس کا نام تاریخ اشراف ہے لکھا ہے کہ جب محمد لڑتے لڑتے تھک گئے اور عذر کیا اور کئی بار فوج پر حملہ کیا تو علم لشکر لیکے علی بن ابی طالبؑ نے حملہ کیا اور ایسا حملہ کہ سارا لشکر جمل ہل گیا اور پس گیا ، آپ نے واپس ہوکر جناب محمد کو علم دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور یوں لڑو کہ میری لڑائی اور میرا حملہ لوگ بھول جائیں اور یہ گروہ انصار تمھارے ساتھ ہے ، چنانچہ جناب خزیمہ ذوالشہادتین اور

دیگر انصار رسول جو بدر میں رہ چکے تھے وہ ہمراہ گئے اور جناب محمد نے خوب جنگ فرمائی ۔ جناب خزیمہ نے جناب امیر سے عرض کی اگر آج محمد بن حنفیہ کی جگہ کوئی اور لڑتا تو بری طرح شکست کھاتا اور بڑی بدنامی ہوتی اگر آپ نے ان کو آداب حرب تعلیم کیے تو یہ کوئی نئی بات نہیں آپ نے اکثروں کو بتایا ہے مگر نہ یوں کوئی سیکھا اور نہ یوں کوئی لڑا ۔

انصار نے آکر عرض کی مولا ! وہ داد شجاعت آج آپکے بیٹے نے دی ہے کہ اگر آپ کے بچے حسن و حسین نہ ہوتے تو ہم کہتے کہ محمد کا نظیر شجاعت و حرب میں عرب بھر میں کوئی نہیں ،

امیر المومنین نے فرمایا یہ تم لوگ کیا کہتے ہو کہاں حسن و حسین اور کہاں محمد بن حنفیہ کہاں ستارے اور کہاں آفتاب بس یہ کہو کہ محمد خوب اور اچھا لڑے اور انکے فضل کے لئے یہی کافی ہے ۔

انصار نے عرض کیا اے امیر المومنین ہم حسن حسین کا مقابلہ تھوڑی ہی ان سے کرتے ہیں مگر یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ بڑی بے جگری سے لڑے اور انکا اسوقت کوئی نظیر نہیں ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۰ پر)

فاطعنهم صدر الكمي برمحه ۔ واكساهم للهام عضبا مهندا (قریش وعرب میں) آپ سب سے زیادہ نیزہ باز اور سب سے بڑے تلوار چلانے والے ہیں اور وہ نیزہ جو بہادر کے دل میں اتر جائے اور وہ تلوار (جسکا زخم) سروں کو ڈھانک لے،

النَّصرُ مِنْ عِندِ اللهِ سُبحانَهٗ

مدد خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) آپ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے مگر کہاں میرا بیٹا محمد اور کہاں رسول کے بیٹے حسن وحسین، انکا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

اسکے بعد جناب خزیمہ بن ثابت ذو الشہادتین نے جناب محمد کی مدح فرمانی شروع کی ہے اور یہ اشعار ارشاد کیے :-

محمد ما في عودك اليوم وصمة ۔ ولا كنت في حرب الضروس معردا

اے محمد بن حنفیہ آپ کے جنگ سے پلٹنے میں آج کے دن کوئی عیب نہ تھا اور نہ آپ اس جنگ میں جو دانت کھٹے کر دینے والی اور سخت تھی، پریشان ہوئے

ابوك الذي لم يركب الخيل مثله ۔ علي وسماك النبي محمدا

آپکا باپ وہ ہے جس کا نام نامی علی ہے ایسا شہسوار کہ آج تک کوئی فارس ایسا نہیں ہوا اور آپ وہ ہیں کہ آپ کا نام رسول نے محمد رکھا۔

فلو كان حقا من ابيك خليفة ۔ لكنت ولكن ذاك ما لا يرى بدا

اگر آپ کے باپ کی طرف سے خلافت وجانشینی ہوتی تو آپ ہی کو ملتی (مگر یہ تو خدا کے ہاتھوں میں ہے) اور آپ ہی خلیفہ بدرجہ ہوتے مگر اس میں کوئی چارہ کار نہیں۔

وانت بحمد الله اطول غالب ۔ لسانا وانداها بما ملكت يدا

آپ میں ماشاء اللہ تمام صفات حسنہ موجود ہیں اور آپ بحمد اللہ زور وشجاعت غلبہ و خطابت اور جود وسخا کے مالک ہیں۔

واقربها من كل خير تريده ۔ قريش واوفاها بما قال موعدا

آپ ہر نیکی اور خیر سے بہت قریب ہیں اور ہر اس صفت حسنہ سے قریب ہیں جسے قریش کا قبیلہ (خلافت کے لئے لازمی سمجھتا ہے) اور ماشاء اللہ صادق الوعد بھی ہیں۔

سوی اخويك السيدين كلاهما

امام الورى والداعيان الى الهدى

(عرب میں آپ سب سے زیادہ بہادر ہیں) صرف آپ کے دونوں بھائی حسن وحسین علیہم السلام کا استثنا اس معاملہ شجاعت میں کیا جاتا ہے جو امام خلق اور راہبر ہدایت ہیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے روز جمل اپنے بیٹے کو علم لشکر دیا اور کہا بیٹا بڑھو جناب محمد بن حنفیہ کچھ ٹھٹکے پھر آپ نے فرمایا بڑھو تو عرض کیا بابا آپ دیکھتے نہیں کہ تیروں کی بارش مینھ کی طرح ہو رہی ہے۔ یہ سننا تھا کہ آپ نے محمد کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا یہ کمی تم میں تمہاری ماں کی طرف سے ہے۔ پھر آپ نے خود علم لشکر لیا اور اسے زور سے ہلایا اور پھر آگے بڑھ کے حملہ کیا۔ ایسا شدید حملہ تھا کہ سارا لشکر جمل پسپا ہو گیا۔ اور پلٹ کے فرمایا بیٹا دیکھو یوں راہ خدا میں لڑتے ہیں۔ لوگوں نے جناب محمد سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ امیرالمومنین اکثر آپ کو جنگ کے لئے بھیجتے ہیں اور حسن وحسین کو نہیں بھیجتے۔ آپ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میں باپ کیلئے ہاتھوں کی حیثیت رکھتا ہوں اور امام حسن وحسین آنکھوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آنکھیں ہاتھوں سے بچائی جاتی ہیں۔ نیز ایک وجہ سے یہی بات تھی کہ آپ خوفناک مقامات میں جناب محمد بن حنفیہ کو بھیجتے تھے اور امام حسن، امام حسین کو جانے نہ دیتے تھے۔ جنگ صفین میں جب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی تو آپ پکار پکار کے فرما رہے تھے کہ املكوا عني هذين الفتيين اخاف ان ينقطع بهما نسل رسول الله ان دونوں بچوں کو روکے رہنا اور ان سے خبردار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے قتل ہونے سے) رسول کی نسل منقطع ہو جائے۔

معنی بتا چکے ہیں..... مترجم) حضرت ابوبکر کی رائے یہ بھی ہوئی کہ چونکہ یہ لوگ مرتد ہیں لہٰذا ان سے کفار کا برتاؤ کیا جائے اور انکی ذریت اور عورتیں کنیز بنائی جائیں اور اسیر ہوں، اکثر صحابہ نے رائے ابوبکر کی تائید کی، چنانچہ جناب حنفیہ یعنی خولہ بنت جعفر اسیر ہو کے آئیں وہاں سے امیرالمومنین نے عقد فرمایا اور جناب محمد بن حنفیہ کی ولادت ہوئی (جیسا کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے) ابھی صحابہ کا عہد ختم نہ تھا کہ سب کی رائے یہ ہوئی کہ نہیں یہ عورتیں لونڈیاں نہیں بنائی جا سکتیں اور نہ ان سے کفار کا سلوک کیا جا سکتا ہے اور اب اسی مطلب پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا (چنانچہ آپ کی والدہ گرامی کنیز کی حیثیت نہ رکھتی تھیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کی رایوں میں ضرور تغیر و اختلاف ہوا کرتا تھا اور اس کی وجہ ارباب نظر سے مخفی نہیں، یہ بھی اس فعل سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا ارتداد وہ ارتداد نہ تھا جو حقیقی ہوتا ہے ورنہ حقیقی مرتدوں کا سلوک ان کے ساتھ بھی کیا جانا چاہیے تھا مگر افسوس ہے کہ یہ معما اس وقت اصحاب نبی سے حل ہو سکا جب بہت سے بیگناہ قتل ہو گئے اور اسلام کے دامن پر بہت سے دھبے لگ چکے۔ مترجم)

آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی جس کی اجازت رسولؐ نے دی تھی اور آپ نے فرمایا تھا کہ اے علی تمھارے یہاں میرے بعد ایک لڑکا پیدا ہوگا میں نے اسکو اپنا نام اور اپنی کنیت عطا کی تم اس کا نام میرے نام پر اور اسکی کنیت میری کنیت پر رکھنا، اسکے ماسوا میری امت میں کسی دوسرے پر کنیت اور میرا نام حرام ہے حلال نہیں (خدا معلوم سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبد اللہ حضرت ابوبکر، عبدالرحمن بن عوف

بعض حالات محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ

ام الحنفیہ خولۃ بنت جعفر بن قیس بن سلمۃ بن ثعلبۃ بن یربوع بن ثعلبۃ بن الدول بن حنیفۃ بن لجیم ویقال بل کانت من سبی الیمامۃ وصارت الی علی رضی اللہ عنہ وذکر البغوی فی کتاب شرح السنۃ فی باب قتال مانعی الزکاۃ ان طائفۃ ارتدوا وانکروا الشرائع وعادوا الی ما کانوا علیہ من الجاھلیۃ واتفقت الصحابۃ علی قتالھم وقتلھم ورای ابوبکر سبی ذراریھم ونساءھم وساعدہ علی ذلک اکثر الصحابۃ واستولد علی بجاریۃ من سبی بنی حنیفۃ فولدت لہ محمد بن علی الذی یدعی محمد بن الحنفیۃ ثم لم ینقرض عصر الصحابۃ حتی اجمعوا علی ان المرتد لا یسبی واما کنیتہ بابی القاسم فیقال انھا رخصۃ من رسول اللہ صلعم وانہ قال لعلی سیولد لک بعدی غلام وقد نحلتہ اسمی وکنیتی ولا تحل لاحد من امتی بعدہ وممن سمی محمدا وتکنی ابا القاسم محمد بن ابی بکر ومحمد بن طلحۃ ومحمد بن سعد بن ابی وقاص ومحمد بن عبد الرحمن بن عوف ومحمد بن جعفر بن ابی طالب ومحمد بن حاطب بن ابی بلتعۃ ومحمد بن اشعث بن قیس وکان محمد المذکور کثیر العلم والورع وقد ذکرہ الشیخ ابو اسحٰق الشیرازی فی طبقات الفقھاء وکان شدید القوۃ (وفیات جلد اول ص ۴۲۳ مصر)

آپ کی والدہ گرامی کا نام حنفیہ تھا، اور سلسلۂ نسب مادری یوں تھا، خولہ بنت جعفر بن قیس بن سلمہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن دول بن حنیفہ بن لجیم، بعضوں نے لکھا ہے کہ آپ ان اسیروں میں آئیں جو یمامہ سے آئے تھے اور امیرالمومنین علیہ السلام نے انکو لے لیا، بغوی نے کتاب شرح سنہ میں باب قتال مرتدین جو قائم کیا ہے اسمیں لکھا ہے کہ بعد وفات رسول جب عرب مرتد ہو گئے (بقول ان کے) اور زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو صحابہ نے متفق ہو کر ان کے ارتداد کا فتوی دیا اور ان سے جنگ کی ٹھانی، چنانچہ انھیں قتل کیا گیا (اس ارتداد کی تصریح ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور اس نام نہاد ارتداد کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱) وغیرہ جو عشرہ مبشرہ میں تھے، حاطب بن ابی بلتعہ اور اشعث بن قیس نے اپنے اپنے بیٹوں کا نام محمد کیوں رکھا درانحالیکہ رسول نے سوا اپنے گھرانے کے دوسروں کے لئے ممنوع قرار دیا تھا۔ مترجم)

جناب محمد بن حنفیہ بہت بڑے عالم اور متقی و پرہیز گار تھے۔ ابو اسحاق شیرازی نے آپ کا نام طبقات فقہا میں ذکر کیا ہے۔ آپ بہت زیادہ طاقتور اور شجاع تھے آپ کے زور قوت کے بہت سے واقعے ہیں چنانچہ کامل میں مبرد نے لکھا ہے کہ امیرالمومنین کے پاس ایک زرہ تھی جو ذرا لانبی تھی، آپ نے بیٹے سے فرمایا کہ اسکا دامن اتنے حلقوں سے کم کر دو چنانچہ جناب محمد نے ایک ہاتھ سے وہ حصہ مضبوط پکڑا جہاں سے زرہ کا کم کرنا مقصود تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس زیادہ حصہ کو زور سے کھینچا اور زرہ کا دامن وہیں سے الگ ہوا جہاں سے امیرالمومنین چاہتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر بھی چونکہ قوت دار مشہور تھے لہذا جب جناب محمد بن حنفیہ کی قوت کا کوئی قصہ سنتے تھے تو ان کو غصہ آتا تھا اور وہ کانپنے لگتے تھے کیونکہ عبداللہ کو جناب محمد کی قوت پر بہت حسد تھا۔

وکان عبد اللہ بن الزبیر اذا حدث بھذا الحدیث غضب واعتراہ افکل وھو الرعدۃ لانہ کان یحسد علی قوتہ (وفیات ص ۴۴۹ جلد اول)

اسی طرح سے مبرد نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ بھی درج کیا ہے کہ بادشاہ روم نے معاویہ کے پاس دو آدمی بھیجے ایک بہت طویل القامت تھا اور دوسرا بہت قوی۔ معاویہ نے عمرو بن عاص سے کہا کہ ہمارے یہاں (عرب میں) اس طویل کا جوڑ تو ہے جو روم کے طویل القامت انسان کو اپنے طول قد سے مغلوب کر دے مگر اس قوی شخص کے لئے کون تجویز کیا جائے، عمرو بن عاص نے کہا کہ اسوقت عرب میں دو شخص قوت دار سمجھے جاتے ہیں اور وہ حقیقۃً ایسے ہیں بھی ایک محمد بن حنفیہ اور دوسرے عبداللہ بن زبیر مگر دقت یہ ہے کہ ان دونوں سے آپ عداوت رکھتے ہیں۔ معاویہ نے کہا خیر جو ہم سے زیادہ تر

قریب ہو اسکا بلوانا ضروری ہے۔ جب ملک روم کے دونوں آدمی دربار میں آئے تو معاویہ نے قیس بن سعد سے کہلوا بھیجا، جناب قیس تشریف لائے اور اس طویل القامت آدمی کو دیکھ کے اپنا پاجامہ اُسے پہننے کو دیا جب اس نے پہنا تو ناف سے کہیں اوپر سو بچا اور بڑھ گیا۔ یہ رومی قیس کی طول قد سے بہت شرمندہ ہوا کیونکہ سب سے زیادہ طویل القامت منتخب کر کے بھیجا گیا تھا۔ لوگوں نے قیس سے کہنا شروع کیا کہ آپ نے کوئی دوسرا پاجامہ کیوں نہ دیا اور وہی پاجامہ کیوں اُسے پہنایا جو آپ پہنے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا؟

اردت لکیما یعلم الناس انھا سراویل قیس والوفود شھود وان لایقولوا غاب قیس وانہ سراویل عادی نمتہ ثمود

میں نے چاہا کہ لوگ جان لیں کہ یہ پاجامہ قیس ہی کا ہے اسوقت جبکہ وفد بھی حاضر تھا اور وہ لوگ یہ نہ کہیں کہ قیس تو غائب تھے اور قوم عاد کے کسی شخص کا پاجامہ تھا (عاد کے قوم کے لوگ بہت جسیم اور طویل القامت تھے۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲)

اسکے بعد معاویہ جناب محمد بن حنفیہ کی طرف متوجہ ہوا اور جس مطلب کے لئے بلایا تھا اسے خدمت اقدس میں بیان کیا، آپنے فرمایا کہ اس قوت دار رومی سے کہو کہ یا تو یہ زمین پر بیٹھے اور مجھے اپنا ہاتھ دے کہ میں اسے اٹھا دوں اور یا وہ مجھے اپنی طاقت سے بٹھا دے، اور اگر چاہے تو وہ کھڑا ہو میں بیٹھتا ہوں اور مجھ سے یہی سلوک کرے۔ رومی نے بیٹھنا ہی پسند کیا، جناب محمد حنفیہ تشریف لائے اور ہاتھ پکڑ کے ایک ہی جھٹکے میں اسے اُٹھا دیا، رومی نے لاکھ لاکھ کوشش بٹھانے کی کی مگر آپ نہ بیٹھے پھر اُسنے جناب محمد سے کہا کہ آپ بیٹھئے میں آپ کو اٹھاؤں گا۔ چنانچہ آپ بیٹھے اور باوجود سعی بلیغ وہ آپ کو آپ کی جگہ سے جنبش نہ دے سکا۔ یہ دونوں رومی مغلوب و شرمندہ ہو کے ملک روم کے پاس واپس گئے۔ یہ تھی آپ کی طاقت کی حالت اور زور کا حال۔

روز جنگ جمل علم لشکر آپ کے ہاتھ میں تھا اور ایسی داد شجاعت دی کہ آجتک تاریخیں ان حملوں کو محفوظ کئے ہوئے ہیں، آپ سے جب کوئی پوچھتا تھا کہ علی بن ابیطالب لڑنے کے لئے کیوں بار بار آپ ہی کو بھیجتے تھے۔ امام حسن و امام حسین کو کیوں نہیں بھیجتے تھے تو آپ فرماتے تھے کہ انھما کانا عینیہ و کنت یدیہ فکان یقی عینیہ بیدیہ، اس لئے کہ وہ دونوں میرے باپ کی آنکھوں کی حیثیت رکھتے تھے اور میں ان کا ہاتھ تھا لہذا آنکھوں کو ہاتھ سے بچاتے تھے (وفیات صفحہ ۵۴ جلد اول)

جب عبداللہ بن زبیر کی بیعت اہل حجاز نے کی اور وہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے عبداللہ بن عباس اور جناب محمد بن حنفیہ سے بھی بیعت چاہی مگر ان دونوں نے انکار کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچانی شروع کیں اور ان کو محصور کر دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر بیعت نہ کروگے تو تم دونوں کو آگ سے جلوا دونگا (یہ عنوان بیعت بھی خشت اول بیعت کا پتہ دیتا ہے ع تا ثریا می رود دیوار کج "

حضرت عمر کی خلافت کے دو سال باقی تھے جب آپکی ولادت ہوئی اور پہلی محرم ۸۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپکی وہ قوت جس سے زرہ پھاڑتے تھے اسپر ایک عورت کی ایسی نظر لگی کہ ہاتھ زخمی ہوگیا اور پھر زخم زندگی بھر نہ بھرا۔ سید الشہدا کے قتل کے بعد ایسے دل شکستہ ہوئے کہ پھر گھر سے نہ نکلے۔ آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے اور بعضوں نے کہا ہے کہ آپ عبداللہ بن زبیر کے مظالم سے بھاگ گئے اور طائف میں یا ایلہ میں انتقال کیا۔ آپ کے ایک صاحبزادے بھی تھے مگر وہ سحر میں مبتلا تھے اور اسی حالت میں انتقال کیا۔

CamScanner

کیوں نہ ہو گر بباطن جو ہجرت مقصود مہاجر ہے اسکی اعتبار سے اس کی سزا و جزا ہوگی، اگر ہجرت خدا کیطرف ہو تو آگہی راستہ ہے اسکا کیا کہنا اور اگر ہجرت مال و منال کے لئے ہے تو اسکی جزا و سزا بھی ویسی ہی ہے۔ یونہیں بقول گروہ عامہ باوجود عدم شرکت بعض صحابہ حروب میں رسول اللہ نے ان کا حصہ اور انکا حق لگایا اور انھیں دیا گویا وہ شریک ہی تھے حالانکہ حقیقت میں وہ شریک جنگ نہ تھے جیسے حضرت عثمان کیلئے رسول نے بقول گروہ عامہ فرمایا لَقَد کنت شاھدا و ان کنت غائبا لك اجرك وسھمك " تم اگرچہ جنگ بدر سے غائب تھے مگر گویا کہ تم شریک تھے۔ لہٰذا تمہارا حصہ اور اجر تمہارے لئے موجود ہے۔ اسی طرح سے یہاں آپ نے اس صحابی کے بھائی کے متعلق فرمایا ہے جب جنگ جمل مفتوح ہوئی تو امیر المومنین نے بعض سلوک ان لوگوں سے وہی کئے جو رسول نے کفار قریش سے کئے تھے یعنی نہایت ہی فراخدلی اور شرافت سے کام لیا گیا چنانچہ کلبی کہتے ہیں کہ میں نے ابو صالح سے پوچھا کہ آخر امیر المومنین نے جمل والوں کو بعد فتح تہ تیغ کیوں نہ کر دیا اور ان بچے ہوئے لوگوں کو زندہ کیوں رہنے دیا تو انھوں نے فرمایا کہ علی نے عفو و احسان سے کام لیا بالکل اسیطرح جس طرح رسولؐ اللہ نے یوم فتح مکہ اہل مکہ سے سلوک کیا تھا۔ قطر بن خلیفہ کہتے ہیں کہ میں ولید کے ان گھروں میں جب گیا جسمیں دھوبی آباد تھے اور کپڑا دھوتے وقت ان کی آوازیں جو خاص ہوتی ہیں سنیں تو مرگو مجھے جنگ جمل کو یاد دلاتا تھا کیونکہ تلواریں اس زور سے چل رہی تھیں کہ

سولھواں خطبہ[۱۶]

جب جنگ جمل میں آپ کو فتح نصیب ہوئی[۱] تو آپ کے ایک صحابی نے آپ سے کہا کہ کاش میرا فلاں بھائی بھی اسوقت ہوتا تو آپ کی اس فتحیابی کو جو دشمنوں پر من جانب اللہ ہوئی دیکھتا تو آپ نے فرمایا

أَهَوَى أَخِيكَ مَعَنَا،

کیا تیرے بھائی کو ہم سے محبت ہے اور اسکا رجحان طبیعت ہماری طرف ہے

فَقَالَ نَعَمْ قَالَ فَقَدْ شَهِدَنَا

اسنے عرض کیا ہاں (ایسا ہی ہے) فرمایا (تو سمجھ لے) کہ وہ ہم میں موجود تھا۔

[۱] بعد فتح جنگ جمل واقعہ مذکورہ پیش آیا اور آپ نے اس شخص غیر موجود کو اس مقام ثواب میں شریک بتایا۔ خدا نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور "الاعمال بالنیات" سے مراد بھی یہی ہے۔ یوم ندعوا کل اناس بامامھم جس دن ہم ہر شخص کو اسکے راہبر کے ساتھ طلب کرینگے، کا صریح اشارہ اسی مطلب کی طرف ہے، صحیح بخاری میں ہجرت کے متعلق جو حدیث ہے اس سے بھی یہ مطلب ظاہر ہوتا ہے کہ جس چیز کی طرف ہجرت ہو اس میں مہاجر کی نیت کے اعتبار سے اس پر حکم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہجرت ظاہری کسی اور ہی طرف

فِیْ عَسْکَرِنَا ھٰذَا اَقْوَامٌ

(اور ایک وہ کیا) ہمارے اس لشکر میں تو وہ لوگ بھی موجود تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳) بعینہ ایسی ہی آواز پیدا ہوتی۔

حرب بن جیہان جعفی راوی ہیں کہ روز جمل اسقدر کثرت سے نیزے بلند ہو گئے تھے اور لوگوں کے سینوں میں در آئے تھے کہ اگر کوئی چاہتا کہ ان پر دور تک چلا جائے تو جا سکتا تھا برابر نیزوں نے سینوں میں گڑ گڑ کر ایک راستہ پیدا کر دیا تھا۔

جب اہل بصرہ بھاگ گئے تو امیر المومنین علیہ السلام رسول کی خاص سواری پر "بغلۂ شہباء" جو سپید رنگ کا تھا سوار ہوئے اور مقتولین جمل میں ہو کے گذرے سب سے پہلے کعب بن سور جو قاضی بصرہ تھے ان کی لاش پر پہونچے اور آپ نے فرمایا انھیں اٹھا کے بٹھا دو لوگوں نے ایسا کیا تو آپ نے فرمایا تیری ماں پر افسوس اے کعب بن سور تم علم رکھتے تھے کاش تمھیں یہ علم فائدہ دیتا لیکن یہ کہ شیطان نے تمھیں گمراہ و ذلیل کر دیا اور جلدی سے تمھیں جہنم میں پہونچا دیا۔ پھر طلحہ بن عبید اللہ کی طرف گئے اور ان کا لاشہ بھی یونہیں بحکم امام اٹھایا گیا۔ آپ نے ان کی ضلالت پر بھی افسوس کیا اور فرمایا کہ افسوس تمہاری قدامت اسلامی نے کچھ کام نہ دیا اور شیطان نے تمھیں بہکا کے گمراہ کر دیا اور جہنم میں پہونچا دیا۔

ابن ابی الحدید یہ واقعہ لکھ کے لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ جب آپ طلحہ کے لاشے پر پہونچے تو آپ نے فرمایا کہ اے ابو محمد مجھے یہ بہت شاق ہے کہ تمھیں اس وادی میں کھلے ہوئے آسمان کے نیچے مقتول دیکھوں، بعد جہاد فی سبیل اللہ اور بعد امداد رسول اللہ (آج تمھیں یہ کیا ہو گیا تھا کہ تم نے حق و باطل میں تمیز نہ کی) اتنا ہی آپ کہنے پائے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے امیر المومنین جس وقت ان کے تیر لگا ہے (جو مروان نے مارا تھا) اس وقت میں انکے پاس سے ہو کے گذرا، یہ لوٹ رہے تھے۔ مجھ سے کہا کہ تو کون ہے میں نے کہا میں اصحاب علی سے ہوں تو طلحہ نے کہا کہ ہاتھ پھیلاؤ تاکہ میں تمہارے ہاتھوں پر علی کی بیعت کر لوں۔ میں نے ہاتھ بڑھا دیا اور انھوں نے آپ کی بیعت میرے ہاتھوں پر کی (الآن وقد عصیت الخ)

امیر المومنین علیہ السلام کے علم غیب کی ایک اور مثال

جب بعد جنگ جمل اونٹ ہیں کل شہیا یعنی شکست ہوئی اور علی کی فتح ہوئی اور ایک حد تک امن و امان قائم ہو گیا تو آپ بیت المال بصرہ میں تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین و انصار کا ایک گروہ تھا، ابو الاسود دوئلی کہتے ہیں کہ میں بھی اسوقت ہمراہ رکاب ظفر انتساب تھا جب آپ نے مال دنیا کی کثرت دیکھی تو فرمایا "کسی اور کو دھوکا دے۔ کسی اور کو اپنے دام میں لا" یہ کئی بار فرمایا پھر ایک مرتبہ مال پر نظر ڈالی اور اسے نگاہ سے جانچا اور کہا پانچ پانچ سو درہم ہر شخص کو تقسیم کر دو۔ چنانچہ تقسیم کامل ہوئی اور بارہ ہزار روپیوں پر وہ مال جو ساٹھ لاکھ درہم تھا پورا پورا تقسیم ہو گیا۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:۔

"فوالذی بعث محمدا بالحق ما نقص درھما ولا زاد درھما کانہ کان یعرف مبلغہ ومقدارہ"

اس ذات کی قسم جس نے رسول کو بحق مبعوث برسالت کیا نہ کوئی درہم کم ہوا اور نہ زیادہ ہوا گویا آپ مقدار مال کو جانتے تھے کہ کتنی ہے۔ جتنا جتنا لوگوں کو تقسیم کیا گیا اسی قدر آپ نے بھی لیا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے

فِيْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَ اَرْحَامِ النِّسَاءِ

جو ابھی مردوں کے صلب اور عورتوں کے رحم میں ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ١١٥) عرض کی کہ اے امیرالمومنین اگرچہ میں جنگ میں شریک نہ تھا مگر خدا عالم ہے کہ میرا دل آپ کے ساتھ تھا اور میں قلبی حیثیت سے شریک تھا لہذا میرا حصہ بھی مجھے دیجئے آپ نے وہی پانچسو درہم جو خود لئے تھے اُسے دیدیئے المرء مع من احب آدمی اُسیکے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے اور اسی اعتبار سے معصوم کی حدیث ہے جس میں یہ ذیل دیا ہے، کان معنا فی درجتنا یوم القیامۃ سید الشہدا پر گریہ و زاری کرنے والے ہمارے ساتھ ہونگے اور ہمارے درجے میں ہونگے۔

جتنا بھی مال و اسلحہ و ملوک وغیرہ لشکر جمل میں غنیمت کی حیثیت سے ملا وہ سب آپ نے اپنے اصحاب سرفروش میں تقسیم کر دیا، اس بات پر مورخین کا اجماع ہے، لوگوں نے عرض کی کہ ساکنین بصرہ کو بھی ہم پر تقسیم کر دیجئے تاکہ ہم انھیں غلام بنائیں آپ نے فرمایا نہیں جو کچھ تم نے میدان جنگ میں حاصل کیا ہے وہ تمہارا حق ہے اور جو شہر بصرہ میں دروازوں کے اندر محدود ہے وہ انھیں کا ہے جن کے وہ گھر ہیں جب لوگوں نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ ان کے ساتھ کفار کا سا سلوک ہونا چاہیے تو آپنے فرمایا اچھا سب سے پہلے قرعہ اندازی کر و، دیکھو عائشہ جس کے حصہ میں پڑیں اُسے دو، اب لوگ سمجھے اور عرض کی نہیں اے امیرالمومنین یہ کیونکر ممکن ہے۔ (اسی عدم امکان کو آپ پہلے بھی سمجھا رہے تھے مگر اس طرح سمجھ میں نہ آتا تھا۔)

بعد فتح دشمنوں کیساتھ علیؑ ابن ابیطالبؑ کا اخلاق

ودخل علی البصرۃ یوم الاثنین فانتھی الی المسجد فصلی فیہ ثم دخل البصرۃ فاتاہ الناس ثم راح الی عائشۃ علی بغلتہ فلما انتھی الی دار عبد اللہ بن خلف وھی اعظم دار با لبصرۃ وجد النساء یبکین علی عبد اللہ وعثمان ابنی خلف مع عائشۃ وصفیہ ابنۃ الحارث مختمرۃ تبکی فلما راتہ قالت یا علی یا قاتل الاحبۃ یا مفرق الجمع ایتم اللہ بنیك منك کما ایتمت ولد عبد اللہ منہ فلم یرد علیھا شیئا و لم یزل علی حالہ حتی دخل علی عائشۃ فسلم علیھا و قعد عندھا .... فلما خرج علی اقبلت (صفیۃ) علیہ فاعادت علیہ الکلام فکف بغلتہ وقال اما لھممت و اشار الی الابواب من الدار ان افتح ھذا الباب واقتل من فیہ ثم ھذا فاقتل من فیہ ثم ھذا فاقتل من فیہ وکان اناس من الجرحی قد لجاوا الی عائشۃ فاخبر علی بمکانھم عندھا فتغافل عنھم فسکت فخرج علی فقال رجل من الازد واللہ لا تفلتنا ھذہ المراۃ فغضب وقال صہ لا تھتکن سترا ولا تدخلن دارا ولا تھیجن امراۃ باذی وان شتمن اعراضکم وسفھن امراءکم وصلحاءکم فانھن ضعاف ولقد کنا نومر بالکف عنھن وانھن لمشرکات .... ومضی علی فلحق بہ رجل فقال یا امیرالمومنین قام رجلان ممن لقیت علی الباب فتناولا من ھو امض لك شتیمۃ من صفیۃ قال ویحك لعلھا عائشۃ قال نعم قام رجلان منھم علی باب الدار فقال احدھما جزیت عنا امنا عقوقا وقال الاخر یا امنا توبی فقد خطئت (طبری جلد پنجم صفحہ ٢٢٢)

نیک لوگوں کی توہین بھی کریں، کیونکہ عورتیں بہت کمزور ہوتی ہیں (ہر اعتبار سے) اور ہمیں تو ایسی باتوں کی ممانعت مشرکین کی عورتوں کے لئے بھی کیگئی ہے چہ جائیکہ یہ عورتیں۔ امیرالمومنین یہ فرماکے آگے بڑھے ایک شخص نے اطلاع دی کہ دو آدمی ایک ذات کو بہت کچھ بُرا بھلا کہہ رہے ہیں، اس سے بھی زیادہ جتنا کہ صفیہ نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔

آپ نے فرمایا ہو نہو عائشہ کے لئے کہتے ہونگے۔ اُس نے کہا ان ایک تو یہ کہہ رہا ہے

جزیت عنا امنا عقوقا

اے والدہ گرامی (عائشہ) ہم لوگوں کی نافرمانیاں اور عاق ہونا آپ کو جزا میں دیا گیا ہے۔ اور دوسرا کہہ رہا ہے

یا امنا توبی فقد خطئت

مادر گرامی (عائشہ) توبہ کیجیے آپ نے بڑی خطا کی ہے۔ ان لوگوں کو سزائیں دی گئی ہیں اور سو سو کوڑے ان پر لگائے گئے۔

یونہیں وہ واقعہ بھی آپکے خلق عظیم کو ثابت کرتا ہے کہ آپ نے بعد فتح جنگ جمل حضرت عائشہ کو کس عزت سے لوگوں کی حفاظت میں جو مسلح تھے اور جو درحقیقت عورتیں تھیں، روانہ کیا اور بخیر و خوبی ان کے گھر تک پہونچایا۔

درحقیقت فاتحین دشمنوں سے یہ سلوک نہیں کیا کرتے مگر کیا ذات والا صفات تھی کہ باوجود اس کے کہ یہ لوگ بغض و عناد رکھتے تھے اور آپ سے ناحق برد آزما ہوئے پھر بھی آپ نے اپنے لشکر کو انکے ساتھ روانہ کیا اور کوئی ایسا سلوک نہیں کرنے دیا جو حضرت عائشہ یا اونکے پیروؤں کے لئے ایذا رساں ہوتا۔

سَيَرْعُفُ بِهِمُ الزَّمَانُ وَ يَقْوٰى

جنھیں عنقریب زمانہ پیدا کرے گا اور

بِهِمُ الْاِيْمَانُ

جن سے ایمان کا زور بڑھے گا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶) آپ فاتح کی حیثیت سے دوشنبہ کے دن مسجد میں جاتے ہیں اور وہاں نماز پڑھ کے بصرہ میں داخل ہوتے ہیں لوگ آپ سے آکے ملے پھر آپ اپنی سواری پر سوار عائشہ کے پاس گئے جب عبداللہ بن خلف کے مکان کے پاس پہونچے جو بصرہ میں سب سے بڑا گھر تھا تو دیکھا کہ عورتیں عبداللہ اور عثمان خلف کے دونوں بیٹوں پر رو رہی ہیں اور عائشہ بھی روتی ہیں اور صفیہ بنت حارث اوڑھنی سے منہ ڈھانکے ہوئے گریہ وزاری کر رہی ہیں۔ جب صفیہ نے امیرالمومنین کو دیکھا تو کہا اے علی اے دوستوں کے قاتل اے جماعتوں کو الگ کرنیوالے خدا تمہارے بچوں کو بھی یونہیں یتیم کردے جس طرح تم نے عبداللہ کے بچوں کو یتیم کیا ہے (یہ بددعا اصولی حیثیت سے حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کے لئے ہونی چاہیئے تھی کیونکہ بقول امیر شام معاذ اللہ قاتل عمار امیرالمومنین تھے لہذا اس اعتبار سے عبداللہ کے بچوں کو یتیم کرنے والے عائشہ و طلحہ و زبیر و عبداللہ بن زبیر تھے) آپنے صفیہ کا کوسنا سُنا اور کوئی جواب نہ دیا پھر عائشہ کے پاس آئے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ جب وہاں سے اُٹھے تو پھر صفیہ نے کوسنا شروع کیا آپ نے اپنی سواری روکی اور کہا (دروازوں کی طرف اشارہ کرکے) کہ میں نے قصد کیا ہے کہ ان دروازوں کو کھولکے جو لوگ اس میں ہیں انھیں قتل کردوں اسکے اندر کچھ مجروح لوگ پناہ گزین تھے انکو عائشہ نے پناہ دی تھی، ان لوگوں کی اطلاع امیرالمومنین کو پہلے ہی پہونچ چکی تھی، مگر آپ نے ان لوگوں کی طرف سے تغافل اور بے اعتنائی سے کام لیا اور کوئی توجہ نہیں فرمائی تھی اسوقت اسکا اظہار کیا تو صفیہ سنکے خاموش ہوئی آپ آگے بڑھے تو ایک شخص نے جو قبیلہ ازد سے تھا اور صفیہ کی بدکلامی سن چکا تھا، پکار کے کہا: دیکھو خدا کی قسم یہ عورت (صفیہ) بچ کے جانے نہ پائے۔ امیرالمومنین کو یہ الفاظ اس شخص کے سنکر بہت غصہ آیا اور فرمایا چپ رہ، خبردار کوئی عیب گوئی نہ کیجائے اور پڑے ہوئے پردے چاک نہ کئے جائیں اور کسی گھر میں درانہ داخل نہ ہوجائے اور کسی عورت کو غضبناک (برا بھلا کہکے) نہ کیا جائے چاہے وہ عورتیں تم لوگوں کو گالیاں بھی دیں اور تمہاری بے عزتی بھی کریں اور تمہارے امیروں کو بُرا بھی کہیں اور تمہارے

سترھواں خطبہ ۱۳

بصرہ والوں کی مذمت

كُنْتُمْ جُنْدَ الْمَرْأَةِ ؛

بصرہ[1] والو! تم (تو ایک) عورت (عائشہ[3]) کا لشکر

[1] یہ خطبہ آپ نے فتح جنگ جمل کے بعد بیان فرمایا ہے۔ جب آپ کو دشمنوں پر فتح و ظفر نصیب ہوئی تو آپ کی طرف سے منادی ہوئی کہ اے اہل بصرہ کل سے تین دن تک برابر نماز جماعت ہوگی سب کو آکے شریک ہونا لازم و واجب ہے مگر وہ شخص جو کوئی عذر معقول و مقبول رکھتا ہو اور شرکت سے معذور ہو۔ دوسرے روز لوگ جمع ہوئے اور آپنے نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیوار قبلہ سے ٹیک لگا کے آپ کھڑے ہوئے جو مصلے سے داہنے جانب تھی اور آپ نے بعد حمد و صلوٰۃ و ثنائے الٰہی یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

[2] علامہ ابن میثم علیہ الرحمہ نے اس خطبہ کی ابتدا یوں بیان کی ہے۔

یا اهل البصرة یا اهل المؤتفكة ائتفكت باهلها ثلثا وعلى الله تمام الرابعة یا جند المراة واعوان البهیمة الخ (اے بصرہ کے رہنے والو۔ اے مؤتفکہ کے بسنے والو وہ مؤتفکہ (بصرہ) جو اپنے باشندوں سمیت تین دفعہ اُلٹ گیا اور خدا اسے یقیناً چوتھی دفعہ بھی برباد کرے گا، اے عورت کے لشکر اور چوپایہ کے مدد کرنے والو۔) نہج البلاغہ میں اتنی عبارت نہیں ہے جو یہاں ابن میثم سے نقل کی گئی ابن ابی الحدید اور محمد بن عبدہ شارحین نہج نے بھی ان جملوں کا تذکرہ نہیں کیا مگر علامہ بن میثم نے اپنی شرح میں اسے درج کیا ہے اور الفاظ کی جزالت و ہیبت بتاتی ہے کہ یہ جملے اسی دہن عصمت سے نکلے ہیں

"بصرہ" سفید نرم کنکریوں کو کہتے ہیں اور چونکہ اسطرح کے پتھر اس مقام پر بہت پائے جاتے تھے لہذا اس شہر کا نام ہی بصرہ ہوگیا۔ "مؤتفکہ" بصرہ کا پرانا نام ہے اور غالباً جملے مشکول میں امیرالمومنین علیہ السلام نے اسکی قہر کا لحاظ کرتے ہوئے والمؤتفكة اهوی سے اسی جانب اشارہ کیا ہو،

[3] حضرت عائشہ کا تعارف تحصیل حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ رسول کی زوجہ تھیں حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور آپ کی فضیلت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ رسول کی ایک بی بی بھی سوا حضرت عائشہ کے کنواری نہ تھی۔ آپکا نکاح رسول اللہ سے اسوقت ہوا جب آپ بچی تھیں یعنی چھ برس کا سن تھا اور زفاف اسوقت ہوا جب اس چھ پر تین کا اضافہ ہوا۔ یعنی آپ نو برس کی تھیں بعض مورخین گروہ عامہ اسکے بھی قائل ہیں کہ آپ کے ایک بچہ بھی پیدا ہوا تھا جو جاتا رہا اور بعض کہتے ہیں کہ اسقاط حمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹ پر ملاحظہ ہو)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸)

ہوا تھا (روض الانف) اور اسی زمانہ حمل میں اس بچہ کا نام عبداللہ رکھ دیا گیا تھا اور اسی سے لیے آپ کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر سے بہت مانوس تھیں اور آپ نے ان کی خلافت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ زبیر کو جو انکے باپ تھے عبداللہ (اپنے بیٹے۔ کے پیچھے نماز پڑھنی پڑی)، یہ اس لئے کہ نماز ہی کا پڑھانا اسوقت خلافت کے حصول کے لئے ایک رکن عظیم تھا (دیکھو ابن قتیبہ کی الامامۃ والسیاسۃ) انھیں عبداللہ کی طرف آپکی کنیت منسوب تھی اور ام عبداللہ کہلاتی تھیں۔ آپ فقیہہ بھی تھیں۔ فاضلہ بھی عالمہ تھی، سیاست میں بھی آپ کو ملکہ تھا اور طبابت و شاعری میں بھی آپ یدطولی رکھتی تھیں۔ آپ کے بھانجے عروہ بن زبیر نے آپ کے شاعری کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا وہ کہتے تھے کہ حضرت عائشہ کی شاعری اور حافظہ سے میں تو پناہ مانگ گیا۔ کوئی واقعہ جو کوئی بات ہو وہ اس کے متعلق کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھتی ہیں جو مناسب مقام معلوم ہوتا ہے جواب میں رسول اللہ نے قبل نکاح آپکی تصویر شریف دیکھی اور ملک نے ہتھیلی پر دکھائی تھی جس کا اعتراف خود حضرت عائشہ کو ہے چنانچہ آپ اس مطلب کی خود ہی راوی ہیں۔ فرماتی ہیں اور رائے صائب کے ساتھ فرماتی ہیں:-

عن عائشۃ قالت اعطیت خلالا ما اعطیھا امراۃ ملکنی رسول اللہ وانا بنت سبع واتاہ الملاک بصورتی فی کفہ لینظر الیھا وبنی بی لتسع ورایت جبرائیل و کنت احب نسائہ الیہ ومرضتہ فقبض ولم یشھدہ غیری والملئکۃ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بعض صفات مجھے وہ دیے گئے جو رسول کی کسی بی بی میں موجود نہ تھے اور میرے لئے مخصوص یہ فضیلتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں سات برس کے سن میں بیاہی گئی دوسرے یہ کہ میری تصویر ملک ہتھیلی پر لئے ہوئے تھا جو رسول کو دکھائی۔ تیسری یہ کہ نویں برس رسول میرے پاس رہے۔ چوتھے یہ کہ جبریل کو میں نے دیکھا۔ پانچویں یہ کہ میں بی بیوں میں سب سے زیادہ رسول کو محبوب تھی۔ چھٹے یہ کہ میں نے حالت مرض میں رسول کی تیمارداری کی اور انکا جب انتقال ہوا تو سوا میرے اور ملائکہ کے اسوقت اور کوئی نہ تھا۔

یہی مفہوم روایت ایک دوسرے پیرایہ میں یوں ادا کیا گیا ہے:- قالت عائشۃ

فضلت بعشر فذکرت مجیء جبرئیل بصورتھا قالت و لم ینکح بکرا غیری ولا امراۃ ابواھا مھاجران غیری و انزل اللہ براءتی من السماء وکان ینزل علیہ الوحی وھو معی وکنت اغسل انا و ھو من اناء واحد فکان یصلی وانا معترضۃ بین یدیہ وقبض بین سحری ونحری فی بیتی وفی لیلتی ودفن فی بیتی (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۱ طبع مصر)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے دس طرح کی فضیلت رسول کی اور بی بیوں پر حاصل تھی، ایک تو یہ کہ میری تصویر جبریل لائے۔ دوسرے یہ کہ میرے سوا کسی کنواری سے رسول نے نکاح نہیں کیا۔ تیسرے یہ کہ کوئی زوجہ رسول کی ایسی نہ تھی جسکے ماں باپ مہاجر رہے ہوں چوتھے یہ کہ میری برات خدا نے آسمان سے نازل کی (بات یہ ہے کہ واقعہ افک میں آپ پر بعض اصحاب نبی نے بہت عظیم افترا و بہتان کیا تھا اس میں حسان بن ثابت وغیرہ بھی شامل تھے اسکی برات خدا نے فرمائی۔ درحقیقت رسول کی

سعید بن عاص کو ہٹا کے ابو موسیٰ
کا تقرر کیا۔ ان کے واقعات
قابل ذکر بہت ہیں کسی مقام پر
آئیں گے۔

حضرت عائشہ کے متعلق
رسول نے جنگ جمل کی پیشینگوئی
فرمائی تھی جس سے تمام کتب
تواریخ مملو ہیں اور یہ بھی کہدیا
تھا کہ تم علی کے مقابلہ میں باطل
پر ہوگی اور ظالمہ ہوگی اور یہ بھی
فرما دیا تھا کہ تم پر حواب کے
کتے بھونکیں گے۔ یہی وجہ تھی
کہ آپ راہ جنگ سے پلٹنا چاہتی
تھیں گر لوگوں نے کذب و فریب
سے کام لیا اور آپ نے بھی
رسول کے اقوال کو کچھ ایسا اہم
نہیں سمجھا کہ آپ اپنا قصد و ارادہ
اسکی وجہ سے ملتوی کر دیں،

صاحب استیعاب نے جلد چہارم
صفحہ ۱۸۱ پر روایت لکھی ہے۔

قال قال رسول اللہ ایتکن
صاحبۃ الجمل الادبب
تقتل حولها قتلی کثیر۔

اپنی بی بیوں سے رسول
نے خطاب فرمایا کہ تم میں سے
کون عورت گھنے ہوئے بالوں والے
اونٹ پر سوار ہونے والی ہے جس
کے گرد کشتوں کا انبار ہوگا۔ اس
روایت کے ذیل میں۔ کید و کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹)

اور رسول ایک جگہ ہوتے تھے تو وحی اترتی تھی چھٹے یہ کہ ہم اور رسول ایک برتن میں نہاتے اور غسل کرتے تھے۔ ساتویں یہ کہ رسول اللہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تھے تو میں لمبی لمبی ان کے آگے حالت نماز میں لیٹ جایا کرتی تھی۔ آٹھویں یہ کہ رسول کا انتقال میرے سینہ پر ہوا نویں یہ کہ میرے گھر اور میری رات میں ہوا۔ دسویں یہ کہ وہ میرے ہی گھر میں دفن ہوئے۔

یہ فضائل بہت مشہور ہیں اور تمام عالم ان کو جانتا ہے گر صاحب اصابہ سے جید عالم اور امام فن نے ایک بات ایسی لکھدی ہے کہ ساری عمارت فضائل گری جاتی ہے اور نیو تک کی اینٹیں ہل جاتی ہیں، اس نقد کے ذمہ دار وہ خود ہیں چنانچہ وہ اس روایت کو لکھتے ہوئے لکھتے ہیں وفیہ عیسی بن میمون وھو واہ۔ اس روایت کے راویوں میں عیسی بن میمون ہیں جو واہی ہیں (یعنی انکی بیان کی ہوئی روایت قابل قبول نہیں) آپکی فضیلت میں ابو موسیٰ اشعری صحابی رسول اور حکم جنگ صفین کی بھی ایک روایت ہے فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر یوں ہے جیسے "ثرید" کی فضیلت کھانوں پر۔ عرب میں جو اس وقت کھانے ہوتے رہے ہوں یا جو اب ہوتے ہیں جنکو عراق جانے والے خوب جانتے ہیں اور جنکے مزے اور ذائقہ سے خوب واقف ہیں۔ ان پر "ثرید" کو ترجیح دیگئی ہے اور اس اعتبار سے حضرت عائشہ کی تشبیہ فضیلت تمام عورتوں پر دیگئی ہے "ثرید" کلام عرب میں اس روٹی کو کہتے ہیں جو شوربے میں کوٹ کے بھگوئی جاوے اور کھائی جائے، گویا ایک قسم کا لقمۂ تر ہوجاتا ہے۔ عجب تشبیہ ہے جس میں کھانے پینے کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ہوں یا عروہ بن الزبیر ہوں اور یا مسروق ہوں یا اور روات ہوں انکی حالت ارباب بصیرت سے مخفی نہیں، ابو موسیٰ اشعری کے متعلق امیر المومنین بہت کچھ فرما چکے ہیں اور وہ تُو تُو مَیں مَیں جو عمرو بن عاص اور ابو موسیٰ سے روز تحکیم جنگ صفین میں ہوئی وہ انکی شخصیت کو کافی نمایاں کرتی ہے۔ ابن ابی الحدید نے جو فہرست کہ دشمنان علی کی گنوائی ہے اور کتب تاریخ سے لکھی ہے ان میں ان تمام راویوں کا نام ہے۔

ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمر نے مغیرہ کے ہٹانے کے بعد بصرہ کا والی مقرر کیا تھا۔ (اصابہ) اور حضرت عثمان نے انکو انکی جگہ سے ہٹایا اور عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا اور پھر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰

عورت کی طرف بھی اشارہ منع ہے۔ اس حدیث کو لکھنے کے بعد صاحب استیعاب لکھتے ہیں۔ وھذا الحدیث من اعلام نبوتہ صلی اللہ علیہ (والہ) وسلم و عاصم بن قدامۃ ثقۃ وسائر الاسناد اشہر من ان یحتاج لذکرہ۔ اور یہ حدیث نبوتِ رسول اور علم غیب نبی کو واضح کر رہی ہے اور اس کے راوی عاصم بن قدامۃ موثق راوی ہیں اور تمام سندیں اس روایت کی بہت مشہور و مستند ہیں جن کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

وہ وظیفہ جو ازواج نبی کو ملا کرتا تھا حضرت عمر نے اس پر دو ہزار کی زیادتی صرف حضرت عائشہ کے لئے اسوجہ سے کی کہ آپ رسول اللہ کو بہت محبوب تھیں (مگر اس محبت کا خیال غالباً حضرت عائشہ ہی تک محدود تھا یا حضرت عمر کے نزدیک محبت خاص کو ترجیح رہی ہو۔ مترجم) آپ کا انتقال ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ہوا۔ کیونکر ہوا اس کے بیان کا یہ محل نہیں آئندہ پھر کبھی۔

حضرت عائشہ کو نہ معلوم کیا تھا کہ وہ امیر المومنین کا نام لینا بھی گوارا نہ کرتی تھیں اور نہ انکا ذکر خیر کبھی انھیں اچھا معلوم ہوا۔ چنانچہ مرض رسول میں جو واقعہ پیش آیا وہ اس بات کا شاہد ہے۔ اسے بخاری نے بھی اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور دیگر مورخین نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں اسکا تذکرہ کیا ہے، مورخ ابن جریر طبری اس واقعہ کو بایں الفاظ اپنے کتاب کے صـ ۱۹۱ جلد سوم پر لکھتے ہیں۔

عن عائشۃ زوج النبی صلعم قالت رجع رسول اللہ صلعم من البقیع فوجدنی وانا اجد صداعا فی راسی وانا اقول وارأساہ قال بل انا واللہ یا عائشۃ وارأساہ ثم قال ما ضرک لو مت قبلی فقمت علیک وکفنتک وصلیت علیک ودفنتک فقلت واللہ لکأنی بک لو فعلت ذلک رجعت الی بیتی فاعرست ببعض نسائک قالت فتبسم رسول اللہ صلعم وتتام بہ وجعہ وھو یدور علی نسائہ حتی استعز بہ وھو فی بیت میمونۃ فدعا نساءہ فاستأذنھن ان یمرض فی بیتی فاذن لہ فخرج رسول اللہ صلعم بین رجلین من اھلہ احدھما الفضل بن العباس ورجل اخر تخط قدماہ

الارض عاصبا راسہ حتی دخل بیتی۔ قال عبید اللہ فحدثت ھذا الحدیث عنھا عبد اللہ بن عباس فقال ھل تدری من الرجل قلت لا قال علی ابن ابیطالب و لکنھا کانت لا تقدر علی ان تذکرہ بخیر وھی تستطیع۔

کامل بن اثیر میں بھی یہ واقعہ مندرج ہے۔ مگر اسمیں مورخ نے حق محبت حضرت عائشہ ادا کیا ہے اور اس "نام تک نہ لینے کے" الزام کو انہوں نے یوں دور کیا ہے کہ علی کا نام حضرت عائشہ کی طرف سے خود ظاہر کر دیا ہے۔ مگر ہمیں معلوم ہے کہ اگر کامل کا غلبہ طبری پر اعتقاد گروہ عامہ کے اعتبار سے ہو سکتا ہے تو صحیح بخاری جو بعد کتاب باری ہے اس کے سامنے تمام بیانات مقدوح ہیں اور تمام وہ روایات علمائے گروہ عامہ کے نزدیک غیر مستند ہیں جو صحیح بخاری کی عبارتوں سے ٹکرائیں۔ لہذا صحیح بخاری کی عبارت اس جگہ درج کی جاتی ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ صحیح وہی ہے جو طبری اور دیگر مورخین نے بیان کیا ہے نہ وہ جو صاحب کامل نے اپنی طرف سے اضافہ کر کے دادِ محبت عائشہ دی ہے۔

تھی اتنی کسی اور سے نہ تھی اس کے متعلق سیکڑوں ایسی حدیثیں ہیں جو رسول کیطرف منسوب ہیں سیکڑوں ایسے افعالِ رسولؐ بیان کئے جاتے ہیں جن سے اس مدعا پر دلیل لائی جاتی ہے مگر طبری کی روایت کی ابتدا کچھ ایسی ہے جو اس ادعائے محبت کے تار و پود کو الگ الگ کئے دیتی ہے یقینی دنیا میں خصوصاً دنیائے محبت میں کوئی ایسا دوست نہیں جو اپنے دلی دوست کی موت چاہے کوئی ایسا شخص نہیں جو اپنے محبوب کی اپنے ہاتھوں سے تکفین و تدفین کا خواہشمند ہو اور کوئی ایسا عاشق نہیں جسکو اپنے محبوب کی زندگی دوبھر ہو اور وہ اسکے مرنے کا متمنی ہو بخلاف اس مقام کے جہاں رسولؐ سا محبت کرنے والا حضرت عائشہ سے یہ کہہ رہا ہو کہ کیا برا تھا اگر تم میرے سامنے مرجاتیں اور میں تمہارا دفن و کفن کرتا (مترجم)

چنانچہ کوئی دوسرا نہیں بلکہ خود اس طبری کی روایت میں حضرت عائشہ ناقل ہیں کہ رسول اللہ جنت البقیع سے پلٹے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱

(بخاری صـ٦٣ جلد۲) عن عبید الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود ان عائشة زوج النبی قالت لما ثقل رسول الله واشتد به وجعه استاذن ازواجه ان یمرض فی بیتی فاذن له فخرج وهو بین رجلین تخط رجلاه فی الارض بین العباس بن عبد المطلب وبین رجل اخر قال عبید الله فاخبرت عبد الله بن العباس بالذی قالت عائشه فقال لی عبد الله بن عباس هل تدری من الرجل الآخر الذی لم تسم عائشة قال قلت لا قال ابن عباس هو علی ابن ابیطالب ؑ

ان دونوں روایتوں کا جو طبری اور بخاری سے نقل کیگئیں یہ مطلب ہوا کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسولؐ کا مرض بڑھا اور آپ پر بیماری کی زیادتی ہوئی تو آپ نے اپنی دوسری بی بیوں سے یہ اجازت چاہی کہ آپ بیماری کے دن حضرت عائشہ کے گھر میں بسر کریں اور وہیں آپ کی تیمارداری ہو چنانچہ سب بی بیوں نے بخوشی اجازت دیدی (آپ اسوقت میمونہ کے گھر میں تھے) جب اجازت ملگئی تو آپ وہاں سے نکلے مگر چونکہ شدت مرض تھی لہذا دو آدمیوں کے سہارے سے نکلے ایک تو عباس بن عبد المطلب تھے (طبری نے فضل ابن عباس کو لکھا ہے) اور دوسرا ایک اور شخص تھا" (یہ بیان حضرت عائشہ کا ہے اور وہی اپنے الفاظ کی ذمہ دار ہیں) عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ کے اس بیان کی خبر عبد اللہ بن عباس کو پہونچائی تو انھوں نے کہا جانتے ہو یہ دوسرا آدمی کون تھا جسکا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا اور چھپایا، میں نے کہا نہیں میں تو نہیں جانتا عبد اللہ بن عباس نے کہا یہ علی ابن ابی طالب تھے

جب ایک ایسا واقعہ جسمیں ایک تھوڑی سی فضیلت امیر المومنین کی ظاہر ہوتی تھی اس کے بیان میں آپ کا نام نامی نہ لیا گیا اور حضرت عائشہ نے بخل سے کام لیا تو ان مدارج، فضائل اور مناقب کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے جو دشمن شکن اور باطل شکن تھے۔ (مترجم)

ایک عالم اس بات کا دعویدار ہے کہ بی بیوں میں جتنی محبت رسول کو عائشہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲

(آپ وہاں روزانہ اہل بقیع کے لئے استغفار کرنے تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہ کام آپ کا مرتے دم تک جاری رہا) تو مجھے اس حال میں پایا کہ میں درد سر میں مبتلا تھی، اور (ہائے میرا سر اُڑا جاتا ہے، کے) نعرے بلند تھے۔ رسول نے کہا خدا کی قسم اے عائشہ میرے سر کی بھی یہی حالت ہے۔ پھر فرمایا کیوں عائشہ تمہارا کیا نقصان ہے اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ اور میں تمہاری تکفین کروں اور تمہارے جنازے کی نماز پڑھاؤں اور تمہیں دفن کروں، میں نے کہا (عائشہ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ ہو تو گویا میں دیکھ رہی ہوں کہ میرے مرنے کے بعد تم میرے ہی گھر میں اپنی بعض بی بیوں کو لے کے رہتے ہو یہ سن کر رسول اللہ ہنس دیئے۔

اس واقعہ کے بیان سے سوتاپے کی شعلہ سامانی ضرور نظر آتی ہے۔ مگر اس دامن محبت میں آگ لگی جاتی ہے جس کا دعا رسول کے لئے کیا جاتا ہے (مترجم)

یہ تھی حضرت عائشہ کی مختصر سوانح عمری جو ہدیہ ناظرین کی گئی۔ اب جنگ جمل کی ابتدا پر نظر کیجئے کہ کیونکر حضرت عثمان کا قتل ہوا اور کیونکر جناب عائشہ اسمیں شریک ہوئیں۔ اور کیونکر بعد قتل انتقام خون عثمان کے لئے لشکر تیار کیا اور کیونکر امیر المومنین سے جنگ کی اور کیونکر آپ کو شکست فاش نصیب ہوئی۔

حضرت عثمان کے خلاف حضرت عائشہ کی کوششیں

علامہ ابن عبدہ شارح نہج البلاغہ، امیر المومنین علیہ السلام کے ایک نامہ نامی کی شرح میں لکھتے ہیں:۔ قیل ان ام المومنین اخرجت نعلی رسول اللہ صلعم و قمیصہ من تحت ستارھا وعثمان رض علے المنبر وقالت ھذان نعلا رسول اللہ وقمیصہ لم تبل وقد بدلت من دینہ وغیرت من سنتہ وجری بینھما کلام المخاشنۃ فقالت اقتلوا نعثلا۔ تشبیہ برجل معروف۔

حضرت عائشہ نے جبکہ حضرت عثمان منبر پر تھے رسول کی نعلین اور قمیص نکالی اور پکار کے کہا کہ یہ دونوں رسول کی جوتیاں اور انکی قمیص ہے جو ابھی پرانی نہیں ہوئی اور تم نے اے عثمان رسول کے دین کو (اس تھوڑی ہی مدت میں) بدل دیا اور انکی

سنت کو تغیر کر دیا۔ حضرت عثمان اور عائشہ میں اسوقت بہت زیادہ سخت کلامی ہوئی۔ آخر حضرت عائشہ نے کہا کہ اس "نعثل" کو قتل بھی کر ڈالو۔ "نعثل" کہہ کے حضرت عائشہ نے جناب عثمان کو ایک معروف و مشہور شخص سے تشبیہ دی ہے۔ اور اسی لفظ نعثل کے ماتحت نہایہ میں ابن اثیر نے اس کی توضیح و تائید کی ہے۔ نعثل "بڈھے، بیوقوف اور نر بجو کو کلام عرب میں کہتے ہیں" حضرت عائشہ کی اس تشبیہ کے بعد، امیر المومنین علیہ السلام کا وہ خطبہ دیکھا جائے جس کی ابتدا "واللہ لا اکون کالضبع" سے ہے تو کلام امام میں وہ معنویت پیدا ہوتی ہے اور ایسے نکات سامنے آتے ہیں جو حیطہ بیان سے باہر ہیں۔ یہ لقب "نعثل" جو حضرت عائشہ نے خلیفہ ثالث کو عنایت کیا تھا اسدرجہ زبان زد خلائق ہوا کہ مرتے دم تک حضرت عثمان اسی لقب سے مخاطب کئے گئے۔ چنانچہ واقعات قتل میں جناب محمد بن ابی بکر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا "یا نعثل ما اغنی عنك معاویہ" اے نعثل اب اسوقت معاویہ نے

کہ عبید بن ابی سلمہ جو ام کلاب کہلاتا تھا اس سے ملاقات ہوئی حالات پوچھے اس نے کہا کہ حضرت عثمان قتل ہوگئے اور آٹھ روز تک بغیر خلیفہ کے اہل مدینہ رہے، عائشہ نے پوچھا پھر کیا ہوا کہا مدینہ والوں نے اجماع کر کے علی کی بیعت کرلی اور اب انھیں لوگوں کی حکمرانی اور غلبہ مدینہ پر ہے۔ فرجعت الی مکۃ وھی لا تقول شیئاً۔ یہ سنا تھا کہ فوراً حضرت عائشہ خاموشی کے ساتھ مکہ واپس ہوئیں اور مدینہ کا ارادہ فسخ کر دیا (طبری صہ ۱۲۵ جلد ۵) اور مکہ میں ایک پرجوش تقریر انتقام عثمان پر آمادہ کرنے کے لئے فرمائی جسکو اسی صفحہ پر طبری نے لکھا ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے جس شخص نے حضرت عائشہ کی آواز پر لبیک کہی وہ عبداللہ بن عامر حضرمی تھا۔ جو عثمان کی طرف سے مکہ کا گورنر تھا۔ اُن کے ہمراہ تمام بنی امیہ ہو لئے اُدھر یمن سے یعلی ابن امیہ اور مدینہ سے طلحہ و زبیر آ کے جمع ہوئے اور جنگ کے لئے لشکر جمع ہونے لگا ایک دوسری روایت میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳

کوئی مدد نہ کرلی۔ ایک دوسرے شخص نے کہا علی ای ملۃ انت یا نعثل " اے نعثل تیرا کیا مذہب ہے۔ (الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ صہ ۴۶ و ۴۷) جناب محمد بن ابی بکر نے یہ بھی کہا کہ قد اخزاک اللہ یا نعثل " اے نعثل خدا نے تجھے کیسا ذلیل کیا ہے (طبری صہ ۱۳۲) جناب جہجاہ غفاری جو صحابی رسول تھے انھوں نے بھی اسی لفظ سے خطاب کیا اور کہا۔ قم یا نعثل فانزل عن ھذا المنبر اے نعثل اٹھ اور اس منبر سے اُتر (طبری صہ ۱۱۴) جب جنگ جمل میں یہ رجز پڑھا جا رہا تھا نحن بنو ضبۃ اصحاب الجمل " (ہم بنی ضبہ ہیں جو اصحاب جمل ہیں) تو ایک شخص نے جو اس جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا اور کوفہ میں تھا اس نے جواباً کہا۔ ابت شیوخ مذحج وھمدان ؛ ان لا یردوا نعثلا کما کان خلقا جدیدا بعد خلق الرحمن (طبری صہ ۲۱۴ جلد ۵) یہ اشعار ان شعروں کے جواب میں ہیں جو بنی ضبہ رجز کی حیثیت سے پڑھ رہے تھے اور جنکا آخری مصرع یہ تھا ردوا علینا شیخنا ثم بجل ہماری طرف ہمارے شیخ (حضرت عثمان کو لٹا دو اور بس اب جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ شیوخ قبیلہ مذحج و ہمدان نے اس بات سے قطعاً انکار کیا ہے کہ وہ اس نعثل کو اس حال میں نہ لٹائیں جس حال میں کہ وہ تھا، ایک نئی خلقت کے بھیس میں بعد اس کے کہ وہ مخلوق خدا تھا۔

یہ لقب عطا کردہ حضرت عائشہ اتنا عام ہوا کہ جب حضرت عثمان کا جنازہ اٹھا اور دفن کرنے کے لئے لوگ لیجانے لگے تو تمام لوگوں نے (اصحاب نبی وغیرہ) پتھر پھینکنا چاہے وقالوا نعثل نعثل " اور لوگوں نے نعثل نعثل کے نعرے لگائے (طبری صہ ۱۴۳ جلد ۵) غرضکہ ایسی سیکڑوں ہی مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لقب حضرت عائشہ کا دیا ہوا بعید عام ہوگیا تھا۔ بہر حال حضرت عائشہ نے قتل حضرت عثمان پر لوگوں کو ابھارا اور طلحہ و زبیر نے اس آگ کے شعلوں کو اپنی کوششوں سے خوب بھڑکا یا جسکی تفصیل بخوف طول کلام نہیں کیجاتی صرف بعض بیانات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

جب اصحاب نبی، مہاجرین و انصار قتل حضرت عثمان پر آمادہ ہوگئے تو حضرت عائشہ مکہ کو روانہ ہوگئیں۔ جب انکی غیبت عمدی میں یہ قتل واقع ہو چکا اور اتنی مدت ان کے نزدیک گزر چکی تو وہ مکہ سے روانہ ہوئیں ابھی مقام سرف میں پہونچی تھیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴

جسے کامل وطبری دونوں نے نقل کیا اور کتاب الامامۃ والسیاستہ میں ابن قتیبہ نے بھی لکھا ہے، یہ ہے کہ آپ حضرت عثمان کو محصور چھوڑ کر مدینہ سے راہی ہوئیں اور باوجود اس کے کہ مروان بن حکم نے یہ کہہ کے روکا کہ اگر آپ نہ سفر کریں تو شاید عثمان کی جان بچ جائے مگر پھر بھی آپ نہ رکیں۔ جب اتنی مدت ہوئی کہ عثمان قتل ہو گئے تو آپ پھر مدینہ کو چلیں اور راستہ میں ام کلاب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے امیر المومنین کی بیعت اور تمام واقعات کا تذکرہ کیا تو اس جگہ یہ عبارت مورخ طبری صہ ۱۷۲ پر لکھتا ہے۔

فقالت واللہ لیت ان ھذہ انطبقت علی ھذہ ان تم الامر لصاحبک ردونی ردونی فانصرفت الی مکۃ وھی تقول قتل واللہ عثمان مظلوما واللہ لاطلبن بدمہ فقال ام کلاب ولم فواللہ ان اول من امال حرفہ لانت ولقد کنت تقولین اقتلوا نعثلا فقد کفر قالت انھم استتابوہ ثم قتلوہ وقد قلت وقالوا وقولی الاخیر خیر من قولی الاول فقال لھا ام کلاب۔

منک البداء ومنک الغیر	ومنک الریاح ومنک المطر
وانت امرت بقتل الامام	وقلت لنا انہ قد کفر
فھبنا[ع] اطعناک فی قتلہ	وقاتلہ عندنا من امر
ولم یسقط السقف من فوقنا	ولم ینکسف شمسنا والقمر
وقد بایع الناس ذا تدراء	یزیل الشبا ویقیم الصعر
ویلبس للحرب اثوابھا	وما من وفی مثل من قد غدر

جب حضرت عائشہ نے علی کی بیعت کو سنا تو کہا (ارے یہ ہو گیا) کاش آسمان زمین پر پھٹ پڑتا۔ اگر ایسا ہوا کہ تمھارے آدمی یعنی امیر المومنین علیؑ کی بیعت ہو گئی۔ اچھا مجھے کو پلٹاؤ کہ پلٹا دو (اپنے آدمیوں سے فرمایا) اور آپ یہ کہتی جاتی تھیں کہ عثمان مظلوم قتل ہو گئے اور خدا کی قسم میں انکا انتقام ضرور لونگی۔

ام کلاب نے کہا۔ کیوں انتقام کیوں لیجئے گا۔ کیونکہ سب سے پہلے جس نے عثمان

کے خلاف پروپگینڈا کیا وہ آپ ہی ہیں اور آپ یہ کہتی تھیں کہ اس نعثل کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ان سے توبہ بھی چاہی اور بعد توبہ قتل بھی کر ڈالا، ہاں ہاں میں بھی عثمان کو نعثل کہتی تھی اور دوسرے لوگ بھی انھیں نعثل کہتے تھے لیکن جو کچھ میں اب کہہ رہی ہوں (یعنی عثمان مظلوم قتل ہوے اور میں انکا بدلہ لونگی) وہ میرے پہلے قول سے بہتر ہے۔

یہ سن کے ام کلاب نے وہ شعر پڑھے جنکا ذکر اوپر ہوا اور جن کا ترجمہ یہ ہے۔

آپ ہی کی طرف سے ابتداء (فتنہ وفساد) ہوئی اور آپ ہی کی طرف سے پہلے ارادے میں تبدیلی بھی ہوئی آپ ہی سے (مخالفت کی) ہوائیں بھی چلیں اور آپ ہی کیطرف سے (خون کی) بارش بھی ہوئی ع (اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست) آپ ہی نے عثمان کے قتل کا حکم دیا اور ہم سب سے یہ کہا کہ عثمان کافر ہو گئے ہیں، اچھا ہم نے آپ کے حکم سے ڈر کے انھیں قتل کیا

ع فھبنا بالفتح اگر پڑھا جاے تو معنی "ہمنے مانا" کے ہونگے مگر بالکسر پڑھنا اس جگہ زیادہ معنی خیز ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵

اور آپکی اطاعت کی مگر ہمارے نزدیک تو اصلی قاتل وہی ہے جس نے اُن کے قتل کا فرمان نافذ کیا (اسی بنا پر یزید قاتل سید الشہدا علیہ السلام کہا جاتا ہے مترجم)۔ (آپ اسوقت علی کی بیعت سنکر یہ فرماتی ہیں کہ کاش آسمان زمین پر پھٹ پڑتا، حالانکہ حضرت عثمان کا قتل آپ کے حکم سے ہوا اور نہ تم پر چھت گری (آسمان) اور نہ شمس و قمر گہنائے۔ لوگوں نے اس شخص کی بیعت کر لی جو صاحب عزت اور صاحب جنگ و دفاع ہے۔ جو تلوار کی باڑھ کو اپنے سے دور کرتا ہے اور کجی، گمراہی کو ٹھیک کر دیتا ہے۔ وہ شخص جو لڑائی کے کپڑے پہن کر (میدان جنگ میں) آجاتا ہے (بے دھڑک بے خوف) اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ وفا کرنے والا غدر کرنے والے کے برابر نہیں۔

بہر حال ان مختصر بیانات سے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ جنگ جمل کے قیام میں کیا کیا پیچ کھلے اور کیا کیا داؤں پیچ کام میں لائے گئے اور وہ کیونکر قائم ہوئی اور ایک عورت نے کیا سے کیا کر دیا۔ انھیں باتوں پر نگاہ فرماتے ہوئے امیر المومنین بصرہ والوں کی مذمت یوں فرما رہے ہیں کہ تم لوگ عورت کے مطیع فرمان رہے اور اس سے بڑھ کر ذلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ مردوں کی قوی رائیں عورتوں کے ضعیف ارادوں اور سست رایوں کے زیر اثر ہو جائیں۔

گروہ عرب اور عقلا، عورتوں کی راے اور ان کے ارادوں کو ہمیشہ ذلیل سمجھتے رہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ ناقص العقل سمجھی جاتی ہیں، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ عورتیں "ناقص العقل، ناقص الدین اور ناقص النصیب ہوا کرتی ہیں"۔

اما نقصان دینہن فلان احدیھن تقعد فی بیتہا شطر دھرھا اے فی ایام حیضھا لا تصوم ولا تصلی واما نقصان حظہن فلان میراثہن علی النصف من میراث الرجال واما نقصان عقولہن فلان شہادۃ ثنتین منہن لبشہادۃ رجل واحد۔

ان کے دین کی کمی تو اسی سے ظاہر ہے کہ ایک وقت وہ ہوتا ہے جب وہ نہ روزہ رکھ سکتی ہیں اور نہ نمازیں پڑھ سکتی ہیں۔ اور انکے حصہ کی کمی اس بات سے ظاہر ہے کہ میراث میں انکا حصہ آدھا ہے اور مردوں کا دُہرا۔ رہی انکی عقلوں کی کمی وہ اس امر سے معلوم ہوتی ہے کہ مرد کی ایک گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی ہوتی ہے۔

جب عورتوں میں اس طرح کے نقصانات فطرت اور شرع کی جانب سے ہیں تو ان مردوں کو کیا کہئے جو عورتوں کا اتباع کرتے ہوں اور اُن کی پیروی دینی اور دنیوی معاملات میں کرتے ہوں۔ اس اتباع سے ظاہر ہوا کہ وہ اپنے متبوع سے بھی زیادہ کم عقل ہیں اور یہ بات مرد کے تذلیل کے لئے کافی ہے۔

"جند المراۃ" عورت کا لشکر آپ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ یہ تذلیل عورت سے مردوں کی طرف منجر ہو عرب ان لوگوں سے مشورہ نہیں لیتے تھے جو عورتوں کے ساتھ زیادہ رہتے ہوں اہتمامی

صد ۳۹ جلد ۲

وَ اَتْبَاعَ الْبَهِيْمَةِ ٭ رَغَا

اور (ایک) چوپائے کے (عائشہ کا اونٹ) پیرو تھے (وہ) چوپایہ بلبلایا تو تم نے

سلہ اتباع البھیمہ، اس سے وہ اونٹ مراد لیا ہے جس پر سوار ہو کر جناب عائشہ میدان جنگ میں تشریف لائی تھیں۔ مقام ذلت و مذمت میں یہ حالت پہلے حال سے کہیں زیادہ بدتر ہے، پہلے انسانیت تو تھی، اگرچہ وہ عورت کے لباس میں رہی ہو مگر اب تو اتباع حیوانیت ہے اور "رغا" بلبلانے سے وہ دعوت مراد ہے جو اس جنگ میں حضرت عائشہ کی طرف سے لوگوں کو لڑنے کے لئے دی گئی۔

جنگ جمل کیلئے حضرت عائشہ کیواسطے ایک اونٹ کی خریداری

حدثنی العرنی صاحب الجمل قال بینما انا اسیر علی جمل اذ عرض لی راکب فقال یا صاحب الجمل تبیع جملك قلت نعم قال بکم قلت بالف درهم قال مجنون انت جمل یباع بالف درهم قال قلت نعم جملی هذا قال و مم ذالك قلت ما طلبت علیه احدا قط الا ادرکته ولا طلبنی وانا علیه احد قط الا فته قال لو تعلم لمن نریده لاحسنت بیعنا قال قلت ولمن تریده قال لامك قلت لقد ترکت امی فی بیتها قاعدة ما ترید براحا قال انما اریده لام المومنین عایشة قلت فهولك فخذه بغیر ثمن قال لا ولکن ارجع معنا الی الرحل فلنعطك ناقة مهریة و نزیدك دراهم قال فرجعت فاعطونی ناقة مهریة وزادونی اربعمائة او ستمائة درهم فقال لی یا اخا عرینة هل لك دلالة بالطریق قال قلت نعم انا من ادرك الناس قال فسر معنا فسرت معهم فلا امر علی واد ولا ماء الا سالونی عنه حتی طرقنا ماء الحواب فنبحتنا کلابها قالوا ای ماء هذا قلت ماء الحواب قال فصرخت عائشه باعلی صوتها ثم ضربت عضد بعیرها فاناخته ثم قالت انا والله صاحبة کلاب الحواب طروقا ردونی تقول ذلك ثلاثا فاناخت واناخوا حولها وهم علی ذلك وهی تابی حتی کانت الساعة التی اناخوا فیها من الغد قال فجاءها ابن الزبیر فقال النجاء النجاء فقد ادرککم والله علی ابن ابیطالب قال فارتحلوا و شتمونی الخ (ص۱۲۹ طبری)

راوی بیان کرتا ہے کہ خود اونٹ والے نے یوں بیان کیا کہ میں راہ میں مع اپنے اونٹ کے چلا جا رہا تھا کہ ایک شخص سامنے آیا اور اس نے کہا کیوں اے اونٹ والے یہ اپنا اونٹ بیچے گا میں نے کہا ہاں بیچونگا کیوں نہیں کہا کتنے کو؟ میں نے کہا ایکہزار درہم کو، اس نے کہا تو پاگل ہو گیا ہے ارے بھائی اونٹ کی اور اتنی قیمت؟ میں نے کہا ہاں میرا اونٹ تو اتنے ہی کو بکتا ہے اور اس کی اتنی ہی قیمت ہوگی۔ اس نے کہا آخر اس کی وجہ؟ کہا وجہ یہ ہے کہ یہ وہ اونٹ ہے کہ آجتک میں نے اس پر سوار ہو کے کسی کا پیچھا نہیں کیا مگر یہ کہ اسکو پکڑ لیا اور کبھی میرا تعاقب کیا گیا اور میں اس اونٹ پر ہوا تو طلب کرنے والا مجھے پا نہیں سکا اور میں کوسوں نکل گیا۔ اس نے کہا اگر تو یہ جان لے کہ کس کے لئے یہ اونٹ خرید ا جا رہا ہے تو تو بخوشی

فَاَجَبْتُمْ ٭ وَعُقِرَ فَهَرَبْتُمْ

اسکی آواز پر لبیک کہی ۔ اور جب پاؤں کاٹ ڈالے گئے تو تم (سب کے سب) بھاگ نکلے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷

بیچ ڈالے، میں نے پوچھا کہو آخر کس کے لئے مول لیتے ہو، اس نے جواب دیا کہ تمھاری ماں کے لئے، میں نے کہا سبحان اللہ، میں اپنی ماں کو اسی کے گھر میں بیٹھا ہوا چھوڑ آیا ہوں وہ مرنے سے بیٹھی ہوئی ہے (اچھی تعریض ہے اگر سمجھ میں آئے ۔ مترجم) اس ملنے والے نے کہا ارے بھائی تو تو سمجھتا نہیں یہ اونٹ ام المومنین عائشہ کے لئے خریدا جا رہا ہے ۔ میں نے جب یہ سنا تو کہا یہ یوہیں حاضر ہے لیجاؤ قیمت کی کیا ضرورت ہے ۔ اس نے کہا نہیں تو میرے ساتھ چل ہم تجھے ایک اونٹنی بچہ دار دینگے اور کچھ درہم ۔ میں پلٹا اور اس نے مجھے ایک اونٹنی دی اور چار سو یا چھ سو درہم اس پر زیادہ دیئے ۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ کیوں تو راستے سے بھی واقف ہے ؟ میں نے کہا مجھ سے بڑھ کے کون ان راہوں سے واقف ہوگا، کہا تو اچھا پھر ہمارے ساتھ چل میں ان لوگوں کے ساتھ چل کھڑا ہوا، جب کسی وادی یا پانی پر میں پہونچتا تھا تو یہ لوگ مجھ سے ضرور پوچھتے تھے کہ یہ مقام کیا ہے ؟ اور اسکا کیا نام ہے یہاں تک کہ ہم لوگ ما الحواب پر پہونچے اور وہاں کے کتے ہمارے پہونچتے ہی بھونکنے لگے ۔

مجھ سے ان لوگوں نے پوچھا ۔ اجی بتاؤ تو اس پانی کو کیا کہتے ہیں، میں نے کہا "اسے" خواب کہتے ہیں "حوارب" (یہ سنتے ہی) حضرت عائشہ نے ایک چیخ ماری اور پھر اپنے اونٹ کے بازو پر تھپکی دے کے اسے بٹھا دیا اور کہنے لگیں، خدا کی قسم کلاب حوارب والی عورت میں ہی ہوں، اچھا لے مجھے پلٹا دو پلٹا دو اس کلمہ کو تین دفعہ آپ نے فرمایا حضرت عائشہ نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور ان کے گرد تمام لوگوں نے اپنے اپنے اونٹ بٹھا دیئے ۔ وہ لوگ آگے چلنے پر اصرار کر رہے تھے اور حضرت عائشہ آگے بڑھنے سے انکار کر رہی تھیں یہانتک کہ پورے چوبیس گھنٹے اس جگہ پر حضرت عائشہ اور انکے ساتھیوں کو بیٹھے بیٹھے گزر گئے مگر حضرت عائشہ آگے جانے پر راضی نہ ہوتی تھیں کہ اتنے میں عبد اللہ بن زبیر آئے ۔ اور انھوں نے کہا ۔ بھاگو بھاگو ۔ لو یہ علی ابن ابیطالب

تم لوگوں کے پاس پہونچ گئے، سنتے ہی قافلہ (گھبرا کے اٹھ چلا) اور آگے بڑھا اور مجھے گالیاں دیتے ہوئے چلتے تھے یہ غصہ غالباً اس لئے تھا کہ اس نے صحیح صحیح اس جگہ کا نام بتا دیا تھا، جس سے اگر ذرا حضرت عائشہ کے ارادوں میں اضمحلال کی صورت رونما ہوگئی اور ساتھیوں کے خلاف ہوا) یہ بھی اسوقت کی دیانت اور صداقت مگر حضرت عائشہ کو بھی چاہئے تھا کہ جب انھیں اسکا علم ہو چکا تھا اور حدیث رسول کی تصدیق ہو چکی تھی تو رسول کی صداقت پر بھروسہ کرتے ہوئے امیر المومنین کی حقیت کا خیال فرمائیں اور ساتھیوں کے کہنے میں نہ آئیں اور جنگ جمل کے ارادوں کو ملتوی فرما کے واپس ہو جائیں مگر خدا جانے وہ کیا مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے سترہ ہزار آدمیوں کو آپ نے اپنے اونٹ کے گرد پروانہ وار آتش تیغ سے بھنوا دیا اور شکست فاش کھا کے بلشتیں فوج نے گھونگھٹ کھائی اور فتح نہ نصیب ہوئی اگر رسول اللہ

گرد ہزاروں آدمی قتل ہو گئے، ستر قریشیوں نے اس اونٹ کی نکیل وقت جنگ تھامی اور سب کے سب قتل ہو گئے۔

آخر کار امیر المومنین کو فتح نصیب ہوئی اور حضرت عائشہ کے لشکر کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ اونٹ پے کر دیا گیا اور لوگ بھاگ گئے اسی واقعہ میں طلحہ و زبیر بھی کام آ گئے۔

حضرت عائشہ کے لشکر سے سترہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور امیر المومنین کی فوج کے ایکہزار ستر بہادر کام آئے۔

علامہ ابن ابی الحدید کا بیان

وہ لکھتے ہیں کہ مورخین نے جنگ جمل کے جو مناظر دکھائے ہیں وہ ایسے ہیں جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ واقدی نے اس باب کو بہت ہی شرح وبسط سے لکھا ہے۔ جسقدر رجز کے اشعار اس جنگ میں پڑھے گئے اتنے کسی دوسری جنگ میں نہیں سنائی دیئے۔ سب سے زیادہ بنی ضبہ رجز پڑھ رہے تھے جو حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد نثار ہو رہے تھے، حالت یہ تھی کہ تلواروں سے سروں اڑ رہے تھے اور زمین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق دل سے کی جاتی تو بندگان خدا کا یوں خون نہ ہوتا اور حضرت عائشہ کو یہ تکلیفیں اور مصائب نہ جھیلنا پڑتے۔

شیخ محمد عبدہ شارح نہج البلاغہ کی مختصر نوٹ

قصہ مختصر جنگ جمل کا یہ ہے کہ طلحہ و زبیر جب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی بیعت کر چکے تو آپ کو مدینہ میں چھوڑا اور خود دونوں مکہ روانہ ہو گئے اس حال میں کہ غصہ میں دونوں کے دونوں بھرے ہوئے تھے یہاں آ کے حضرت عائشہ سے ملاقات ہوئی انھوں نے ان سے واقعات پوچھے، اور طلحہ و زبیر نے سب واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اب اہل مدینہ اس حال میں ہیں کہ نہ حق کو پہچانتے ہیں اور نہ باطل کا انکار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، حضرت عائشہ نے کہا تو ہمیں اُن لوگوں کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے یا شام جانا چاہیئے، ایک شخص نے جواب دیا جو اسی مجمع میں تھا کہ شام میں تو معاویہ موجود ہیں اور وہ وہاں کا کام سنبھالے رہیں گے لہذا شام جانے کی ضرورت نہیں بصرہ چلئے، بصرہ والے طلحہ کو چاہتے بھی ہیں کہ وہ خلیفہ و امیر ہوں۔

چنانچہ ان سب نے بصرہ کا قصد کیا اور علی بن منبہ نے سامان سفر میں مدد دی۔ اور تمام چیزیں مہیا کیں اور ایک اونٹ جس کا نام "عسکر" تھا حضرت عائشہ کی سواری کے لئے فراہم کر کے دیا۔ یہ علی بن منبہ عثمان کی طرف سے یمن پر والی مقرر ہوئے تھے اور امیر المومنین علی ابن ابیطالب نے انکو معزول کر دیا تھا۔ تین ہزار آدمیوں کو لے کے حضرت عائشہ نے یہاں سے کوچ کیا۔

جب یہ خبر امیر المومنین کو معلوم ہوئی تو آپ نے سمجھانے بجھانے اور پند و نصیحت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، مگر کوئی نصیحت کارگر نہ ہو سکی (اور جب آپ مجبور ہوئے) تو آپ نے بھی جنگ کی تیاری کی اور مقام بصرہ میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ پھر بھی ایک مدت تک امیر المومنین جنگ کو ٹالتے رہے اور آخر کار میدان کارزار میں جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔

یہی اونٹ جس پر حضرت عائشہ سوار تھیں اسوقت بصرہ والوں کا راہنما تھا۔ اسکے

اور جب موت آئے تو مر جانے میں کوئی ننگ و عار نہیں ہے علی عثمان کی جگہ پر بست بڑے بدل ہیں، ہمارے پیر سے انکا کیا مقابلہ اور کیا برابری، کجا زمین پست کجا بلند چوٹیاں۔" اس رجز کو سن کے وزر؟ اسی بحر و قافیہ میں اصحاب امیر المومنین سے ایک شخص نے جو کوفہ کا رہنے والا تھا فوراً جواب دیا اور یوں رجز کی بجلیوں کے ساتھ گرجنے لگا۔

نحن قتلنا نعثلا فیمن قتل
اکثر من اکثر فیہ او اقل
انی یرد نعثلا و قد نحل
نحن ضربنا و سطہ حتی انجدل
لحکمہ حکم الطواغیت الاول
آثر بالفیٔ وجانا فی العمل
فابدل اللہ بہ خیر البدل
انی امرؤ مستقدم غیر وکل
مشمر فی الحرب معی و فی البطل

"ہم نے نعثل کو قتل کیا ہم نے اس کے متعلق لوگوں سے زیادہ بھی کہا اور کم بھی، اب مقتول ہونے کے بعد نعثل کب پلٹایا جا سکتا ہے۔ ہم نے اسکی کمر پر ہاتھ مارا کہ وہ ڈھیر ہو گیا اسکا حکم تو وہی حکم تھا جو اگلے طاغوتوں اور شیطانوں کا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹

پر گر رہے تھے جیسے دھنواں دھار بارش ہوتی ہے، شانوں سے ہاتھ کٹ کٹ کے گر رہے تھے اور گٹوں سے پنجے اور کہنیوں سے کلائیاں، پیٹ کی کائنات بہادروں کے واروں سے زمین پر آ رہی تھی، اور بنی ضبہ ٹڈیوں کی طرح سے اونٹ کے گرد بچھے جاتے تھے اور اپنی جگہ چھوڑتے نہ تھے کہ استے میں امیر المومنین علیہ السلام نے آگے بڑھ کے آواز دی۔ بہادرو دیکھتے کیا ہو اس اونٹ کو پے کر دو کیونکہ یہ شیطان ہے۔ اعقروا الجمل فانہ شیطان (عجیب بات ہے کہ کبھی گاڑی ناؤ پر کبھی ناؤ گاڑی پر یہ مثل بالکل درست ہے۔ یا تو حضرت عائشہ کے والد ماجد پر شیطان کبھی کبھی سوار ہو جایا کرتا تھا جسکا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا ان لی شیطانا یعترینی، یا آج بیٹی نے شیطان پر سواری کی ہے جیسا کہ امیر المومنین کا فقرہ شاہد ہے۔ مترجم) پھر آپ نے فرمایا جلد سے جلد اس اونٹ کو پے کر دو ورنہ تمام عرب اسکے گرد قتل ہو جائے گا اور یہ تلواریں اٹھ اٹھ کے گرتی رہیں گی، چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور "بجیر ابن دلجہ" نے اسکے پاؤں بڑھ کے کاٹ دیے۔ ایک بڑی بلبلاہٹ کے ساتھ اونٹ زمین پر گرا اور اصحاب علی نے ہودج میں ہاتھ دیا تاکہ حضرت عائشہ پر کوئی ضرب نہ آئے (طبری نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

بنی ضبہ کے اشعار رجز اور ان کے اعتقادات

نحن بنو ضبۃ اصحاب الجمل — ننازل الموت اذا الموت نزل
ننعی ابن عفان باطراف الاسل — ردوا علینا شیخنا ثم بجل
الموت احلی عندنا من العسل — لا عار فی الموت اذا حان الاجل
ان علیا ھو من شر البدل — ان تعدلوا بشیخنا لم یعتدل

این الوھاد و شماریخ القلل

ہم بنی ضبہ اصحاب جمل ہیں ہم موت سے اسوقت مقابلہ کرتے ہیں جب وہ آئے اور نازل ہو۔ ہم عثمان کی سنانی نیزوں کی زبانوں سے سناتے ہیں، ہمارے شیخ (پیر) کو ہمیں پلٹا دو اور بس ہمارے نزدیک (اسوقت) موت شہد سے زیادہ شیریں ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰

اسکے اعمال موافق حق نہ تھے۔ اسکے عوض میں ہمیں خدا نے بہتر عوض اور بہتر بدل دیا (علی ابن ابیطالب) میں وہ ہوں کہ جو جنگ میں آگے بڑھتا ہوں (پیچھے نہیں ہٹتا) اور سست نہیں بلکہ ہر وقت جنگ کے لئے تیار ہوں اور مشہور بہادر ہوں

اہل بصرہ کا دوسرا رجز

یا ایھا الجند الصلیب الایمان	قوموا قیاما واستغیثوا الرحمان
انی اتانی خبر ذوالوان	ان علیا قتل ابن عفان
ردوا الینا شیخنا کما کان	یارب وابعث ناصر العثمان

یقتلھم بقوۃ و سلطان

"اے (بصرہ والو) لشکر والو جو ایمان میں سخت ہو اٹھو اور اللہ سے مدد مانگو ہمیں عجیب رنگ کی خبر ملی ہے کہ علی نے عثمان کو قتل کر دیا، اچھا تو ہمارے پیر کو اسی طرح (جینے کی حالت میں) پلٹا دو جیسا کہ وہ تھا۔ اے خدا تو عثمان کی مدد کے لئے مددگار بھیج۔ جو ان لوگوں کو قوت و اقتدار کے ساتھ قتل کر دے۔"

یہ رجز سن کر اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے ایک شخص نے انھیں قوافی میں جواب دیا۔ جسکو طبری سے بھی پہلے نقل کیا جا چکا ہے کچھ لفظی اختلافات ہیں غالباً وہ طباعت کی وجہ سے ہو۔

ابت سیوف مذحج وھمدان	بان تردنعثلا کما کان
خلقا سویا بعد خلق الرحمان	وقد قضی بالحکم حکم الشیطان
وفارق الحق و نور الفرقان	فذاق کاس الموت شرب الظمان

قبیلہ مذحج و ہمدان کی تلواریں اس بات سے انکار کرتی ہیں کہ نعثل کو اسی طرح پلٹا دیں جیسا کہ وہ کبھی تھا، یعنی ایک مستوی الخلقت آدمی خلقت الٰہی کے بعد اور اس نے تو حکم شیطانی کے اعتبار سے ہر قضیہ میں فیصلہ کیا حق اور نور قرآن کو چھوڑ دیا لہٰذا موت کا پیالہ ایک پیاسے کی طرح پی گیا۔

ایک بڈھے کا وہ رجز جسکے بعد جمل والوں کی صفیں جم گئیں اور لوگ جان دینے پر آمادہ ہو گئے

یا معشر الازد علیکم امکم
فانھا صلاتکم و صومکم
والحرمۃ العظمی التی تعمکم
فاحضروھا جد کم وحزمکم
لا یغلبن سم العدو سمکم
ان العدوان علاکم رھکم
وخصکم بجورہ و عمکم
لا تفضحوا الیوم فداکم قومکم

اے قبیلۂ ازد، دیکھو تم پر تمہاری ماں (عائشہ) کی حفاظت فرض ہے کیونکہ تمہاری روزہ نماز وہی ہیں اور وہ عزت و حرمت ہیں جو تم میں عام ہے لہٰذا اپنی پوری کوشش اور عقل ان کے لئے صرف کر دو کہیں ایسا نہو کہ دشمن کا زہر تمھارے زہر پر غالب آجائے۔ کیونکہ اگر دشمن تم پر فتحیاب ہوا تو اپنے جور و جفا کا تمھیں نشانہ بنائیگا اور تمھیں برباد کر دے گا لہٰذا اپنی قوم پر فضیحت و رسوائی نہ آنے دینا اور قوم سے خبردار رہنا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱

واقدی نے لکھا ہے کہ اس رجز سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ طلحہ و زبیر نے جمل والوں سے میدان جنگ میں یہ کہا تھا کہ ذرا جم کے لڑنا اگر علی کی فتح کہیں ہو گئی تو وہ تمھاری ذلت و رسوائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ عورتوں کو اسیر کریں گے عزتوں کی پردہ دری کریں گے اولاد کو قتل کریں گے۔ لہذا جم کے لڑو اور ان لوگوں کی طرح لڑو جو عزت کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

ابو مخنف نے بھی بیان کیا ہے کہ اس بڈھے کے رجز سے زیادہ کوئی اور رجز جمل والوں کے لئے کارگر نہیں ہوا۔ کیونکہ اس رجز کے سنتے ہی جمل والوں کی صفیں میدان جنگ میں قلعہ کی دیواریں ہو گئیں

عداوت اولاد رسول کا جذبہ اور کربلا کے خونیں منظر کی تمہید

عوف بن قطن ضبی اس بڈھے کے رجز کو سُن کر صفِ جنگ سے یہ کہتا ہوا نکلا لیس لعثمان ثار الا علی ابن ابیطالب و ولدہ فاخذ خطام الجمل (ابن ابی الحدید صفحہ ۹۴ جز و اول) عثمان کا انتقام کسی سے نہیں لیا جا سکتا مگر علی اور ان کی اولاد سے، اور یہ کہہ کے یوں رجز پڑھنے لگا۔

یا امّ یا امّ خلا منی الوطن — لا ابتغی القبر ولا ابغی الکفن

من ھھنا محشر عوف بن قطن — ان فاتنا الیوم علی فالغبن

او فاتنا ابناہ حسین وحسن — اذن امت بطول ھم وحزن

اے امّاں جان اے امّاں جان (عائشہ) مجھ سے وطن خالی ہوا اور چھٹا، نہ میں قبر چاہتا ہوں نہ کفن۔ اسی جگہ سے عوف بن قطن بعد موت اٹھیگا اور اسکا محشر یہیں برپا ہوگا۔ اگر آج (میرے ہاتھوں سے) علی یا حسن وحسین علیہم السلام ان کے بچے بچ گئے تو یہ بڑا گھاٹا ہے تو اسوقت میں غم و رنج سے مر جاؤنگا۔

غرضکہ اسی طرح لوگ اونٹ کی نکیل پکڑتے تھے رجز پڑھتے تھے لڑتے تھے اور قتل ہو جاتے تھے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور خون کے سوا میدان جنگ میں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ امیر المومنین یہ دیکھ کے ایک ایسے لشکر کے ساتھ جس میں مہاجرین تھے اور جو

اسلحہ کے رنگ سے سبز نظر آتا تھا آگے بڑھے۔ آپ کے ساتھ آپکے بچے امام حسن امام حسین علیہم السلام بھی تھے۔ امیر المومنین نے علم لشکر جناب محمد ابن حنفیہ کو دیا اور کہا بیٹا آگے بڑھو اور اتنا بڑھو کہ اس علم کو اونٹ کی آنکھوں میں گاڑ دو جناب ابن حنفیہ علم لے کے بڑھنا چاہتے تھے کہ تیر اسقدر کثرت سے پے درپے آنے لگے کہ آسمان نہیں دکھائی دیتا تھا آپ تیروں کا یہ رنگ دیکھ کے ٹھٹھکے، امیر المومنین نے فرمایا کچھ پروا نہ کرو آگے بڑھو بیٹے نے عرض کی بابا دیکھئے تو تیر کتنے زیادہ آرہے ہیں، آپ نے اصحاب سے کہا تم ذرا دم لے لو اور ان تیروں کو ختم ہو جانے دو۔ تیر اکّا دکّا دو ہی تین باقی رہ گئے تھے کہ پھر آپ نے جناب محمد سے کہا بیٹا بڑھو وہ پھر کچھ جھجکا گئے۔ کیونکہ تیر رُکتے نہ تھے، آپ بڑھ کے ان کے پاس آئے اور بایاں ہاتھ جناب محمد کے داہنے کاندھے پر رکھ کے کہا اقدم لا امّ لک، آگے بڑھو تمہاری ماں نہ ہو۔ (عرب میں یہ فقرہ مقام مدح

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲

اور مقام مذمت دونوں جگہ استعمال ہوتا ہے اور کلام اللہ دونوں وقت میں کہتے ہیں۔) جب اس کلمہ کو جناب محمد یاد کرتے تھے روتے تھے اور زندگی بھر رویا کئے۔

پھر امیر المومنین کو بیٹے کی کچھ محبت آئی اور دل پر چوٹ سی لگی، آپ نے محمد کے ہاتھوں سے اپنے بائیں ہاتھ میں علم لشکر لے لیا اور داہنے ہاتھ میں ذوالفقار لی اور لشکر میں یوں ڈوب گئے جیسے کوئی پیراک پانی میں غوطہ لگاتا ہے پھر لشکر کو پیس کے پلٹے۔ تلوار دوہری ہو گئی تھی آپ کے گھٹنوں نے سیدھی کی۔ اصحاب نے (جناب عمار و اشتر) عرض کی آپ ٹھہریں ہم جنگ کے لئے جاتے ہیں مگر آپ نے کچھ جواب نہ دیا اور نہ انکی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھا۔ لشکر پر نگاہ جمی ہوئی تھی اور شیر کی طرح گرج رہے تھے پھر آپ لشکر میں ڈوب گئے اور پھر جنگ کی۔ نہ آپ کسی طرف دیکھتے تھے نہ کسی کی بات کا جواب دیتے تھے۔ دو ہی حملوں میں میدان صاف تھا۔ پلٹ کے آکے بیٹے کو نشان لشکر دیا اور فرمایا ھکذا اتضع یا ابن الحنفیۃ بیٹا دیکھو یوں لڑتے ہیں۔ اصحاب نے عرض کی مولا پھر دنیا میں کون اس طرح لڑ سکتا ہے اور کسکو یہ قدرت حاصل ہے، لوگوں نے عرض کی کہ آپ اپنی جگہ پر رہیں اور جنگ کے لئے نہ تشریف لیجائیں فرمایا، میں تو خدا اور آخرت کے لئے جہاد کرتا ہوں اس کے سوا میرا نصب العین کچھ بھی نہیں۔

اونٹ پے کر دیا گیا

ابن ابی الحدید نے اس جنگ کی ایک تفصیلی کیفیت لکھی ہے جسکو بخوف طول ترک کرتا ہوں اور بعض مقامات ضروری اس جگہ بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابومخنف بیان کرتے ہیں کہ حارث بن زہیر ازدی اصحاب علیؑ میں سے تھے۔ یہ لڑتے لڑتے اونٹ کے قریب پہونچے اونٹ کی لگام ایک ضبی کے ہاتھ میں تھی آپ نے رجز پڑھا جسکا مطلب یہ تھا کہ اے عائشہ اے مادر گرامی آپ کیسی ماں ہیں ماں تو اپنے بچوں پر رحم کرتی ہے، انکی دیکھ بھال کرتی ہے انکی تربیت کرتی ہے انھیں کھلاتی پلاتی ہے اور آپ وہ ہیں کہ آپ نے ہزاروں کی جانیں لیں۔ اس رجز کے بعد دونوں میں جنگ ہوئی اور دونوں مجروح ہو کے گرے۔ جندب بن عبداللہ ازدی کہتے ہیں کہ میں بعد اس جنگ کے مدینہ گیا اور حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہوا۔ سلام کیا،

انھوں نے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ میں کوفہ کا ایک آدمی ہوں۔ کہا البصرہ کی جنگ میں تم شریک تھے؟ میں نے کہا ہاں کہا کس طرف سے؟ میں نے کہا علی کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ کہا تم نے وہ رجز بھی سنا تھا جو ایک شخص نے پڑھا تھا؟ (وہ رجز جسکا مفہوم ابھی بیان ہوا) میں نے کہا ہاں۔ کہا یہ کون شخص تھا؟ میں نے کہا میرا چچازاد بھائی تھا کہا تو پھر کیا ہوا؟ میں نے کہا ہوا کیا وہ لڑ کے قتل ہو گیا، یہ سنکر بی بی عائشہ رونے لگیں اور اتنا روئیں کہ جسکی حد نہیں اور فرمایا کہ کاش میں جنگ جمل سے بیس برس پہلے مرگئی ہوتی (رسول نے اپنے انتقال سے پہلے آپ کے مرنے کی آرزو کی تھی اس پر تو آپ راضی ہوئیں بیس برس پہلے مرنے پر کیونکر راضی ہو جاتیں۔ مترجم)

ستر قریشیوں نے مہار شتر پکڑی اور جو بھی مہار پکڑتا تھا وہ بغیر قتل ہوئے نہیں رہتا تھا اور یا اس کے ہاتھ کاٹ دیے جاتے تھے، ان قریشیوں کے بعد بنی ناجیہ نے نکیل پکڑنی شروع کی حضرت عائشہ پوچھتی جاتی تھیں کہ اب کسکے ہاتھ میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳

اونٹ کی نکیل ہے لوگ کہتے تھے "بنی ناجیہ" تو آپ کہتی تھیں کہ "بنی ناجیہ" دیکھو بچے لڑنا۔ میں تو جانتی ہوں کہ تم میں قریش کے صفات ہیں۔ قالوا و بنو ناجیہ مطعون فی نسبہم فقتلوا حولہا جمیعا (ابن ابی الحدید ص۸۱ جلد۱) اور بنو ناجیہ مقدوح النسب ہیں یہ سب کے سب اونٹ کی بدولت قتل ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو جن لوگوں کا نسب مقدوح اور مطعون تھا اور جو عرب بھر میں اسی عیب کی بدولت مشہور تھے۔ ان میں جناب عائشہ کو قریش کے صفات نظر آتے تھے۔ مترجم)

جب امیر المومنین علیہ السلام نے دیکھا کہ ہزاروں قتل ہو گئے اور جب تک یہ اونٹ نہ گرے گا لوگ ہٹیں گے نہیں تو اپنے کاندھے پر ننگی تلوار رکھ کے آپ آگے بڑھے اور اونٹ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اصحاب کو اشارہ کیا اور یہ جماعت خون کے دریا میں پیرتی ہوئی وہاں تک پہونچی۔ ایسا سخت رن پڑا کہ جو بیان سے باہر ہے آخر کار آپ قبیلہ نخع کو لے کے اونٹ کے پاس پہونچ ہی گئے اور بجیر نخعی سے کہا۔ ہاں بڑھ کے اونٹ پر وار کر۔ انھوں نے ایک بھرپور ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ بلبلا کے گرا اور ایسا بلبلایا کہ ایسی آواز کبھی سنی ہی نہیں گئی۔ اونٹ کا گرنا تھا کہ لوگ ٹڈیوں کی طرح بھاگنا شروع ہوئے۔ اور یوں بھاگ رہے تھے جیسے ٹڈیاں تیز ہوا کے جھکڑ میں بہتی ہیں۔ حضرت عائشہ کا ہودج آپ نے عبداللہ بن خلف کے یہاں بصرہ میں پہونچا دیا اور آپ نے حکم دیا کہ اس اونٹ کو آگ سے جلا دو اور اس کی خاک ہوا میں برباد کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ اسوقت فرما رہے تھے لعنہ اللہ من دابۃ فما اشبھہ بعجل بنی اسرائیل ثم قرأ وانظر الی الھک الذی ظلت علیہ عاکفا لنحرقنہ ثم لننسفنہ فی الیم نسفا۔ آپ نے فرمایا خدا لعنت کرے اس چوپایہ پر یہ کسقدر گوسالہ بنی اسرائیل سے مشابہ ہے اسکے بعد یہ آیت پڑھی۔

بصرہ والوں کو آپ نے "اتباع بہیمہ" اسی لئے فرمایا کہ جنگ جمل میں یہ اونٹ علم اور رایت کا کام دے رہا تھا۔ جس طرح لوگ علم لشکر کے گرد قتل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ اونٹ کے گرد نثار ہو رہے تھے۔

اَخْلَاقُکُمْ دِقَاقٌ ٭ وَعَهْدُکُمْ

تمھاری خصلتیں (بڑی) بُری ہیں ۔ اور تمھارے عہد و پیمان (وفا) میں

سلہ ان کے اخلاق کی برائی اور کمینہ پن، بدعہدی اور عداوت اسی سے ظاہر ہے کہ انھوں نے رسول کی بی بی کو گھر سے نکالا، بیعت کرکے توڑدی، قبل جنگ جناب عثمان بن حنیف جو حضرت امیرالمومنین کی طرف سے بصرہ کے والی تھے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا، باوجود اسکے کہ وہ صحابی نبی تھے، مقام حواب میں جھوٹی قسم کھائی گئی، حق کو حق جان کے چھوڑا اور باطل کو باطل سمجھ کے اختیار کیا، بغیر سمجھے بوجھے، باوجود اسکے کہ امیرالمومنین کے حالات وفضیلت سے واقف تھے پھر بھی باطل کی پیروی کی۔

صحابی رسول جناب عثمان بن حنیف کے ساتھ حضرت عائشہ طلحہ، زبیر اور اہل بصرہ کا سلوک

عثمان بن حنیف الانصاری...... قال الترمذی وحدہ شهد بدراً و قال الجمهور اول مشاهدہ احد ...... وکان علی استعمله علی بصرة قبل ان یقدم علیها فغلبه علیها طلحة والزبیر۔ اصابہ جلد ۲ صـ ۴۵۹ عثمان بن حنیف صحابی رسول تھے ترمذی نے لکھا ہے کہ جنگ بدر میں شریک تھے اور جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ سب سے پہلے جنگ احد میں شریک ہوئے، ان کو امیرالمومنین نے قبل اسکے کہ خود تشریف لے جائیں بصرہ پر والی مقرر کیا اور طلحہ و زبیر نے ان پر غلبہ حاصل کیا۔ ان عمر بن الخطاب استشار الصحابة فی رجل یوجهه الی العراق فاجمعوا جمیعا علی عثمان بن حنیف وقالوا ان تبعثه علی اهم من ذلك فان له بصرا وعقلا ومعرفة وتجربة فاسرع عمر الیه (استیعاب صـ ۹ جلد ۳)
حضرت عمر بن الخطاب نے اصحاب نبی سے اس امر میں مشورہ کیا کہ کسکو عراق میں بحیثیت حکمران بھیجا جائے۔ سب نے باجماع کہا کہ عثمان بن حنیف رحمہ اللہ سے اچھا اور

بہتر آدمی اس کام کے لئے نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم کام کے لئے اگر انکو بھیجا جائے تو اسے بھی وہ نہایت خوبی سے انجام دینگے کیونکہ ان میں بصیرت عقل، معرفت اور تجربہ یہ سب صفتیں جمع ہیں۔ یہ سنکر جناب عمر نے انھیں فوراً عراق روانہ کیا تمام فضائل ایک طرف انکا صحابی رسول ہی ہونا کیا کم تھا اور صحابہ کی جسقدر بھی قدر کیجاتی ہے کم ہے۔ مگر ان کے ساتھ جو سلوک صاحبان معرفت نے کیا وہ سخت عبرتناک ہے۔

بصرہ میں یہ امیرالمومنین کی طرف سے بحیثیت گورنر مقرر تھے جب حضرت عائشہ جمل کی تیاری میں مشغول تھیں اور اپنے ساتھیوں سمیت بصرہ پہونچیں تو عثمان بن حنیف کو حکم ملا کہ وہ بصرہ چھوڑکر نکل جائیں۔ مگر انھوں نے جواب دیا کہ جب تک امیرالمومنین علیہ السلام بصرہ میں نہ آلیں یا کوئی خاص فرمان مجھ تک نہ پہونچے۔ میں ایسا کیونکر کرسکتا ہوں اور طلحہ و زبیر نے تو علی کی بیعت کی تھی آخر یہ کیا ہوا کہ سامان جنگ ہورہا ہے۔ طلحہ وغیرہ نے کہا کہ بیعت ہم نے دل سے نہیں کی تھی بلکہ ہم بیعت پر

شِقَاقٌ ؕ وَ دِیْنُکُمْ نِفَاقٌ ؕ

بیوفائی (اور بغض ہے) تمھارا مذہب نفاق اور دشمنی ہے،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵

مجبور کئے گئے تھے۔ اس لئے بیعت کی تھی غرض۔ بات بڑھی اور نوبت بجنگ رسید چنانچہ جنگ ہونے لگی اور سخت جنگ ہوئی اصحاب عثمان بن حنیف رحمہ اللہ بہت زیادہ قتل ہوئے اور حضرت عائشہ کے اصحاب میں بھی زیادہ تر لوگ مقتول ہوئے اور آخر نوبت صلح کی آئی اور حضرت عائشہ کے منادی نے "صلح صلح" کی آوازیں بلند کیں اور ایک صلحنامہ آپس میں لکھا گیا جس کا مطلب حسب ذیل تھا۔

ایک خط قاصد کے ہاتھوں مدینہ بھیجا جائے اور مفصل حالات وہاں کے معلوم کئے جائیں۔ اگر درحقیقت طلحہ وغیرہ سے زبردستی بیعت لیگئی ہے تو عثمان بن حنیف بصرہ کو چھوڑ دیں اور اگر طلحہ و زبیر سے زبردستی بیعت نہیں لی گئی بلکہ انھوں نے بیعت علیؑ کی ہے تو عثمان بصرہ میں رہیں اور طلحہ و زبیر بصرہ چھوڑ دیں۔

اس صلحنامہ میں یہ بھی شرائط اور عہد تھے کہ فریقین قاصد کی واپسی تک یہاں قیام کریں گے اور اپنے اپنے مملوکات پر قابض رہیں گے اور ایک دوسرے کو کوئی ضرر نہ پہونچائے گا۔ نہ مسجد میں نہ بازار میں نہ راستہ میں۔ اگر نامہ بر یہ جواب لے کے پلٹا کہ طلحہ وغیرہ سے جبراً بیعت لیگئی ہے تو امر انکا امر ہوگا۔ اور حکم انکا حکم ہوگا اور عثمان بن حنیف اگر دل چاہے گا تو طلحہ و زبیر کیساتھ ہونگے ورنہ چاہیگا تو چلے جائینگے وہیں اگر قصہ اسکے خلاف ہوا تو حکم عثمان بن حنیف کا رہے گا اور طلحہ و زبیر خواہ چلے جائیں۔ خواہ علی کی بیعت کرکے بصرہ میں قیام کریں۔ یہ بھی شرط تھی کہ جس کے موافق فیصلہ ہوگا۔ اسکی مدد تمام ایمان والے کریں گے (کامل وغیرہ طبری ص۱۷۷ جلد ۵)

کعب بن سور قاصد بن کے عائشہ کی طرف سے مدینہ پہونچا لوگوں کا مجمع ہوا اصحاب نبی جمع ہوئے کعب بن سور کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ اے مدینہ والو! میں بصرہ والوں کا پیغامبر ہوں اور انھوں نے تم سے یہ پوچھا ہے کہ آیا قوم نے طلحہ و زبیر وغیرہ پر تعدی و ظلم کیا اور جبراً اس نے علی کی بیعت لی ہے یا انھوں نے خود برضا و رغبت یہ بیعت کی ہے۔

فلم یجبہ احد من القوم الا ما کان من اسامہ بن زید فانہ قام فقال اللھم انھم لم یبایعا الا وھما کارھان فامو بہ تمام فواثبہ سھل بن حنیف والناس و ثار صھیب بن سنان و ابو ایوب بن زید فی عدۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فیھم محمد بن مسلمہ حین خافوا ان یقتل اسامہ فقال اللھم نعم فانفرجوا عن الرجل فانفرجوا عنہ واخذ صھیب بیدہ حتی اخرجہ فادخلہ منزلہ (ص۱۷۷ طبری)

کعب کے اس سوال کا کسی نے جواب نہ دیا (نہ معلوم یہ امر اصحاب رسول کا کتم شہادت پر مبنی تھا یا تقیہ پر۔ مترجم) مگر اسامہ بن زید نے اٹھ کے کہا کہ جہانتک مجھے علم ہے طلحہ و زبیر نے مجبوراً بیعت کی ہے اور دل سے نہیں کی۔ یہ سننا تھا کہ تمام نے حکم دیا اور سہل بن حنیف اور تمام لوگ اسامہ بن زید پر ٹوٹ پڑے۔ جب یہ حالت دیکھی تو صہیب بن سنان ابو ایوب بن زید اور دیگر اصحاب رسول نے بیچ بچاؤ کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶

کیونکہ انھیں خوف تھا کہ اسامہ قتل نہ کر دیے جائیں اور انھوں نے کہا کہ ہاں طلحہ وزبیر نے بخوشی بیعت کی ہے۔ اسامہ کا پیچھا چھوڑ دو۔ چنانچہ لوگوں نے اسامہ کو چھوڑ دیا اور صہیب نے انکا ہاتھ پکڑ کے مجمع سے کھینچا اور انکو ان کے گھر پہونچا آئے اور کہا کہ تم اسی طرح خاموش کیوں نہ رہے۔ جس طرح ہم تمام لوگ چپ تھے اور کاہیکو جواب دیا۔ اسامہ نے کہا میں نہ سمجھا تھا کہ اس مصیبت میں پھنس جاؤنگا۔

اس زد و کوب کی تشریح

جس نے اسامہ کی اس گواہی پر (وہ کیسی گواہی تھی جھوٹ یا سچ اسے اصحاب نبی جانیں۔ مترجم) مارنے کا حکم دیا وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے یعنی تمام ابن عباس حضرت عباس کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹے تھے اور بہت زیادہ مغلوب الغضب تھے۔ جناب عباس انھیں بہت چاہتے تھے اور ام الفضل سے یہ دسویں اولاد آپ کی تھی۔ جب تمام کو عباس رسول کے چچا بہلاتے تھے تو یہ اشعار پڑھتے تھے

تموا بتمام فصاروا عشرہ   یارب فاجعلھم کرام بررہ

واجعل لھم ذکرا و انم الثمرہ

"تمام" سے میری اولاد میں اضافہ ہوا اور اب یہ دس ہوے اے خدا ان سبکو تو بزرگ اور نیک بنادے اور انکے ذکر کو دنیا میں قائم رکھ اور اپنی نعمت بار آور کو تمام فرما۔ جناب "تمام" زمانۂ امیر المومنین میں والی مدینہ تھے۔

جنھوں نے اسامہ پر چڑھائی کی وہ کون تھے۔؟ جناب سہل بن حنیف۔ ان کی مدح صاحب اصابہ یوں کرتے ہیں:۔

یکنی اباسعد وا باعبد اللہ من اھل بدر روی عن النبی.....کان من السابقین الاولین وشھد بدرا وثبت یوم احد حین انکشف الناس وبایع یومئذ علی الموت وکان ینضح عن رسول اللہ صلعم بالنبل فیقول نبل اسھل فانہ سھل وکان عمر یقول سھل غیر حزن

وشھد ایضاً الخندق والمشاھد کلھا واستخلفہ علی علی البصرۃ بعد الجمل ثم شھد معہ صفین۔

(اصابہ صـ۸۶ جلد دوم)

تقریباً یہی عبارت صاحب استیعاب نے بھی صـ۹۲ پر لکھی ہے۔

آپ کی کنیت ابو سعد اور ابو عبد اللہ تھی۔ آپ اہل بدر سے تھے، سابقین اولین سے تھے (وہ سابقین اولین جنکا مداح قرآن ہے۔ وہ اہل بدر جو خدا کو محبوب تھے۔ مترجم) جب احد کے دن اصحاب نبی میدان جنگ سے بھاگے تو انھوں نے میدان نہیں چھوڑا اور رسول کی بیعت آج کے دن موت پر کی تھی۔ رسول اللہ کی طرف سے تیر پھینکتے تھے اور رسول کہہ رہا تھا کہ سہل کے ہاتھوں یہ مشکل سہل ہو رہی ہے۔ حضرت عمر فرماتے تھے کہ سہل سہل ہیں حزن نہیں سہل زمین نرم کو کہتے ہیں اور حزن زمین سخت کو۔ خندق میں بھی آپ نے جنگ کی اور تمام غزووں میں لڑے۔ امیر المومنین نے بصرہ پر بعد جنگ جمل انھیں اپنا والی مقرر کیا۔ جنگ صفین میں

صفحہ ۱۹۵ جلد دوم)
ایک واقعہ صہیب کے
متعلق صاحب استیعاب نے
لکھا ہے، جو بہت سے معموں
کو حل کئے دیتا ہے اور درس آموز
ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔
ان ابا سفیان مر علے
سلمان وصهیب وبلال
فقالوا ما اخذت السیوف
من عنق عدو الله ماخذها
فقال لهم ابو بکر اتقولون
هذا الشیخ قریش وسیدها
ثم اتی النبی فاخبره
بالذی قالوا فقال یا ابابکر
لعلک اغضبتهم والذی
نفسی بیده لئن کنت
اغضبتهم لقد اغضبت
ربک (استیعاب ص ۱۹۱
جلد دوم طبع مصر)
ابوسفیان ایک مرتبہ
سلمان، صہیب، بلال کے
پاس سے ہو کے گذرے۔ تو
ان لوگوں نے کہا کہ ابھی تک
یہ دشمن خدا قتل نہیں ہوا؟
ابوبکر نے کہا تم لوگ شیخ و سردار
قریش کے لئے ایسے الفاظ کہتے
ہو؟ اور یہ کہہ کے رسول اللہ
سے آکے واقعہ بیان کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷

انھوں نے علی علیہ السلام کے ساتھ جہاد کیا۔ کوفہ میں جب انکا انتقال ہوا تو نماز جنازہ امیرالمومنین نے پڑھی اور چھ تکبیریں کہیں۔

جناب تمام کے حکم نے اور جناب سہل بن حنیف کی تعمیل نے اس امر کو واضح کردیا کہ اسامہ کی گواہی صحیح نہ تھی۔ اگر ذرا بھی شائبہ صدق ہوتا تو اسامہ کو یوں نہ مارتے کیونکر ایک صحابی رسول اور ایک وہ ذات جو سابقین اولین میں ہو اور جسکی مدح کے دفتر یوں کھلے ہوے ہوں وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی۔

جن لوگوں نے اسامہ کو بچایا، یہ وہی اسامہ ہیں جو قبل تعیین خلافت حضرت ابوبکر کو خلیفہ کے لقب سے یاد کرچکے ہیں۔ جیسا کہ ایک خطبہ کی ضمن میں بیان کیا جاچکا ہے (مترجم) وہ کون لوگ تھے؟

صہیب بن سنان۔ یہ اصحاب نبی میں سے تھے اور رومی تھی۔ کیونکہ رومیوں نے انھیں بچپنے میں قید کرلیا تھا اور انھیں لوگوں میں انکی تربیت ہوئی، انکی زبان میں اسی وجہ سے لکنت تھی۔ وہاں سے انھیں ایک شخص کلب نامے نے خرید کیا اور مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے ہاتھوں بیچا۔ بعضوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ روم سے بھاگ کے مکہ میں آئے، انکی کنیت ابویحییٰ تھی اور ان کے پاس کافی دولت تھی جو اپنے ساتھ لائے تھے، "یحنس" ان کے غلام کا نام تھا۔ ایک روز یہ اسے پکار رہے تھے۔ یانس یانس" تو حضرت عمر نے کہا کہ یہ کس کو پکارتے ہیں۔ لوگوں نے بیان کیا تو آپ نے کہا صہیب تم میں تین چیزیں بہت بری ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم عربی بنتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تم نے اپنی کنیت، پیغمبر کے نام پر رکھی ہے (ابویحییٰ) حالانکہ تمہارے کوئی لڑکا نہیں، تیسرے یہ کہ تم اسراف بہت کرتے ہو، صہیب نے کہا کنیت تو رسول نے رکھی ہے اس کے ذمہ دار وہ ہیں، رہ گیا میرا صرف مال وہ میں امور حق میں کیا کرتا ہوں، اور میری نسبت عرب کی طرف یہ اسلئے ہے کہ رومیوں نے مجھے بچپنے میں اسیر کیا اور میں عرب میں رہا۔

یہ صہیب بن سنان وہی ہیں جنکو حضرت عمر نے زمانۂ محفل شوریٰ کے لئے امام نماز جماعت مقرر کیا تھا، غالباً اسوقت اسکا خیال صہیب کو رہا ہو۔ (مترجم) اصابہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸

دشگافانہ بیان فرمایا ہوگا۔ مترجم) رسول نے فرمایا اے ابوبکر ہو نہ ہو تم نے ان لوگوں کو غضب ناک کیا اور اس کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم نے انلوگوں کو غضبناک کیا ہے تو تم نے اپنے خدا کو غضبناک کیا۔ اس روایت سے اس حدیث کی صداقت فاطمۃ بضعۃ منی من اغضبہا فقد اغضبنی ومن اغضبنی فقد اغضب اللہ" فاطمہ میری پارہ جگر ہے جس نے اسکو غضبناک کیا اس نے مجھے اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے خدا کو۔ روز روشن کی طرح ظاہر ہے"

کیا رسول برحق تھا جو آیندہ کے واقعات کو کن تلمیحات میں ظاہر فرماتا تھا۔ اگر دماغ میں عقل ہو پھر جب سلمان منا اھل البیت جو اہلبیت میں نہ تھے اور صہیب و بلال جو بیرونی تھے انکے مقابلہ میں حضرت ابوبکر کا فضل کم نظر آتا تھا اور ان لوگوں کے غصے سے حضرت ابوبکر پر خدا غضبناک ہوتا تھا تو سیدہ کے غضب و غصہ کا کیا تذکرہ کیا جائے۔

سیدۂ عالم کی رضا اور ناراضی کا ایک منظر

حضرت ابوبکر اور عمر سے جناب فاطمہ فرما رہی ہیں، اس واقعہ کا تذکرہ بالفاظ مختلفہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔ قالت نشدتکما اللہ الم تسمعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم یقول رضا فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی ومن ارضی فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی قالا نعم سمعناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم قالت فانی اشھد اللہ وملائکتہ انکما اسخطتمانی وما ارضیتمانی ولئن لقیت النبی لاشکونکما الیہ ... ... وھی تقول واللہ لادعون اللہ علیک فی کل صلاۃ اصلیہا۔ (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص۱۴ طبع مصر)

جناب فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا (بعد واقعات بیعت ابوبکر) میں تم دونوں (ابوبکر و عمر) کو خدا کی قسم دیتی ہوں بتاؤ تو کیا تم نے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سُنا؟ کہ فاطمہ کی رضا میری رضا ہے اور فاطمہ کی ناراضی میری ناراضی ہے۔ جس نے فاطمہ کو دوست رکھا اوس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے فاطمہ کو راضی رکھا مجھے راضی رکھا اور جس نے فاطمہ کو ناراض کیا مجھے ناراض کیا۔"

دونوں نے کہا ہاں ہم نے رسول کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے"

جناب فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا تو میں خدا اور اُس کے ملائکہ کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے یقیناً مجھے ناراض کیا اور پھر مجھے راضی نہیں کیا جب میں اپنے باپ نبی سے ملونگی تو تمہاری شکایت یقیناً کرونگی (حضرت ابوبکر نے رونا شروع کیا) اور آپ فرما رہی تھیں کہ خدا کی قسم میں ہر نماز میں تمہارے لئے بددعا کرونگی۔

صہیب کا واقعہ بیان ہوا۔ رہ گئے تیسرے صاحب جنھوں نے اسامہ کو بچایا تھا یعنی محمد بن مسلمہ یہ وہی تھے جنھوں نے عہد چارم میں بھی علی ابن ابیطالب کی بیعت عبداللہ بن عمر اور سعد وغیرہ کے ساتھ نہیں کی تھی۔ اس کی وجہ

وَمَاؤُكُمْ زُعَاقٌ وَالْمُقِيمُ

اور تمہارے (شہر کا) پانی کھاری اور کڑوا ہے۔ تم میں رہ کر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹

امیرالمومنین نے خود بیان فرمائی ہے اسوقت جب جناب عمار نے ان لوگوں کے انکار بیعت کا تذکرہ آپ سے آکے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں (دع هولاء الرهط اما ابن عمر فضعیف واما سعد فحسود وذنبي الی محمد بن مسلمہ انی قتلت اخاه یوم خیبر مرحب الیهودی (الامامۃ والسیاسۃ ص۵۵) اس گروہ کو چھوڑ دو بیعت نہیں کرتا تو نہ کرے (معلوم ہوا کہ آپ بیعت پر جبر نہیں کرتے تھے لہذا طلحہ و زبیر کا بیان اس فعل و عمل سے غلط ثابت ہو رہا ہے۔ مترجم) ابن عمر تو رائے اور قول کے کمزور ہیں سعد کو حسد سے نجات نہیں، رہ گئے محمد بن مسلمہ، تو میرا گناہ صرف یہ ہے کہ میں نے انکے بھائی مرحب یہودی کو خیبر میں قتل کیا تھا۔ اس کے ماسوا آپ حضرت عمر کے داہنے ہاتھ تھے اور انسے حضرت عمر کو بڑی مدد ملتی تھی اور اچھے عہدے پر عمر کیطرف سے آپکا تقرر بھی ہوا تھا (دیکھو اصابہ) (در حقیقت کفار عرب کے مقتولین کی تعداد جو علی کے ہاتھوں تھی اس نے ہزاروں آدمیوں کو آپکا دشمن بنا رکھا تھا اور عرب کی تندخوئی کسی صورت سے یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ امیرالمومنین جو انکے اسلاف کے قاتل ہیں عہدۂ خلافت پر مامور نظر آئیں۔ یہیں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھ کا مارا ہوا ایک شخص بھی میدان جنگ میں نظر نہیں آتا۔ مزے میں رہے، اس اعتبار سے فرار عمداً بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ عاقبت بینی اور عافیت اسی میں نظر آتی تھی اسلام کی مدد ہو یا نہ ہو۔ مترجم)

ان اسامہ کو حضرت عمر نے بڑی قدر و منزلت سے رکھا صرف وقت موت رسول انکی امارت تو ضرور ناگوار ہوئی، باقی انکی آؤ بھگت میں آپ نے کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا چنانچہ انکے لیے جو وظیفہ دعطا حضرت عمر نے مقرر کی تھی وہ اپنی اولاد سے زیادہ تھی پھر اسکا خیال کرنا ضروری تھا۔ اگر یہ حق ادا کیا جائے تو کوئی عیب نہیں۔ وکان عمر یجلہ ویکرمہ وفضلہ فی العطاء علی ولدہ عبد اللہ بن عمر واعتزل اسامۃ الفتن بعد قتل عثمان (اصابہ ص۳۱ جلد اول) انھوں نے سعد بن ابی وقاص حسان بن ثابت محمد بن مسلمہ وغیرہ کا ساتھ دیا اور نہ علی کی بیعت کی نہ کسی جنگ میں فریقین کیطرف سے شریک ہوئے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

بصرہ والوں کی رکاکت، عداوت، بدسرشتی اور بدعہدی کا منظر جسے امیرالمومنینؑ نے اس خطبہ میں بیان فرمایا ہے

لے بصرہ والوں کے اخلاق کی برائی آپ بیان فرماتے ہیں اور انھیں بخل ولوم سے منسوب کرتے ہیں جو بامحل ہے۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی وہ فلاں خاندان میں عقد کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس خاندان کے اخلاق و عادات کچھ اچھے نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ ایاک وخضراء الدمن ایاک والمراۃ الحسناء فی منبت السوء۔ مزبلہ کے سبزہ سے بچو جسکا ظاہر دلکش اور شاداب ہوتا ہے اور باطن عیوب سے لبریز اور ایسی خوبصورت عورت سے پرہیز کرو جسکی نشو و نما برے مقام پر ہوئی ہو۔

پھر آپ نے بصرہ کے پانی کی مذمت فرمائی ہے کہ شور اور کھاری ہے، شور ہونے کی وجہ

بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ مُرْتَهَنٌ بِذَنْبِهِ

(زندگی) بسر کرنے والا اپنے گناہوں میں پھنسا ہوا (رہن) ہے

وَالشَّاخِصُ عَنْكُمْ مُتَدَارَكٌ

اور تم سے دور ہو جانے والا اپنے پالنے والے (خدا) کی کوئی

بِرَحْمَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَأَنِّي[۱]

نہ کوئی رحمت پانے والا ہے (دیکھنا بصرہ ڈوبے رہے گا اور تباہ ہوگا) جیسے میں

بِمَسْجِدِكُمْ كَجُؤْجُؤِ سَفِينَةٍ

دیکھ رہا ہوں کہ تمھاری (بصرہ والی) مسجد (پانی کے اندر یوں ابھری ہوئی ہے) جیسے کشتی کا سینہ (پانی سے نکلا رہتا ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰)

ظاہر ہے کہ سمندر سے قریب ہے اور اس سے امراض رو بہ پیدا ہوتے رہتے ہیں جیسے سوء مزاج۔ غباوت۔ فساد طحال اور خارشت وغیرہ جسے کتب طبیہ میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔ مگر اس جگہ پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پانی کے شور ہونے سے اہل بصرہ کی مذمت کیونکر پیدا ہوئی؟

مذمت یوں پیدا ہوئی کہ ایسی جگہ کے وطن بنانے میں ان کے انتخاب اور حاسہ نے غلطی کی اور انھوں نے اپنی قوت ممیزہ سے کام نہیں لیا اس کے اسوا، عرب ان مقامات اور ان شہروں کی مذمت کرتے رہتے ہیں اور عرب پر کیا منحصر ہے۔ ہر عقل ان مقامات کی مذمت کرتا ہے۔ جہاں انسانیت کو صدمہ اور بنی نوع انسان کو تکلیف پہونچے جیسا کہ ایک شاعر کے ان شعروں سے ظاہر ہے۔

بلاد بها الحمّى واسد عرينة　　وفيها المعلى يعتدى ويجور

فاني لمن قد حل فيها لراحم　　واني لمن لم ياتها لنذير

وہ ایسے شہر ہیں جہاں بخار اور درندوں کے سوا کچھ نہیں اور جہاں ظلم و جور کیا جاتا ہے لہذا مجھے اس شخص پر جو وہاں جانے پر ترس آتا ہے اور جو وہاں پہونچا ہو اور جانے کا ارادہ رکھتا ہوئے ہیں وہاں جانے سے ڈرانے والا اور روکنے والا۔

حاشیہ صفحہ ہذا

[۱] منجملہ ان پیشین گوئیوں کے جو آپ نے فرمائی ہیں یہ پیشینگوئی بھی ہے جو ہو کے رہی اور جسکو تاریخوں نے نقل کیا اور اخلاف نے اسلاف سے سلسلۂ روایت کی چنانچہ علامہ ابن میثم اور ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ امام نے فرمایا تھا کہ بصرہ دو مرتبہ غرق ہوا اور صرف اسکی مسجد ڈوبنے سے باقی رہی۔ عہد حکومت قادر باللہ (خلیفہ عباسی) اور قائم باللہ میں یہ واقعہ پیش آیا ۴۲۲ھ میں شب عید اضحٰے قادر باللہ کا انتقال ہوا اور اکتالیس برس کچھ مہینہ انکا عہد حکومت رہا انھوں نے مذمت مذہب شیعہ میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی تھی ان کے بعد ان کا بیٹا ابو جعفر عبداللہ قائم بامر اللہ خلیفہ ہوا اور ۴۶۷ھ میں چوالیس پینتالیس برس حکومت کر کے مر گیا) بصرہ جب غرق ہوا تو پانی بحر فارس کا اسطرف سے جو جزیرہ فرس کہا جاتا تھا اور اس سمت سے جو جبل سنام کہا جاتا تھا۔ آیا اس نے پورے بصرہ کو غرق کر دیا اور ہزاروں جانیں ضایع ہوئیں۔

علامہ ابن میثم نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے ایک مقام پر فرمایا کہ اس غرق بصرہ کی خبر مجھے خاص طور سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔

قَدْ بَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهَا الْعَذَابَ

(وہاں ہاں میرے پیشِ نظر ہے) کہ خدا نے (تمہاری زمین پر) عذاب نازل کیا

مِنْ فَوْقِهَا وَ مِنْ تَحْتِهَا وَ غَرِقَ

(اور سیلاب بڑھا) جس نے تلے اوپر سے (آگھیرا) اور جو کچھ

مَنْ فِيْ ضِمْنِهَا

اس میں تھا سب ڈوب گیا

اور دوسری روایت میں ہے

وَ اَيْمُ اللّٰهِ لَتَغْرِقَنَّ بَلْدَتُكُمْ حَتّٰى

یقیناً خدا کی قسم تمہارا شہر ضرور ڈوبے گا یوں کہ

كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَسْجِدِهَا كَجُؤْجُؤِ

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بصرہ کی مسجد کشتی کا (ابھرا ہوا) سینہ ہوری

سَفِيْنَةٍ ؛ اَوْ نَعَامَةٍ جَاثِمَةٍ

ہے (یا یوں نظر آتی ہے) جیسے (زمین پر) بیٹھا ہوا شتر مرغ

ایک تیسری روایت میں ہے

كَجُؤْجُؤِ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ

(یا) جیسے (دریائی) پرندے کا سینہ قعرِ دریا میں (ابھرا ہے)

چوتھی روایت میں یوں ہے

بِلَادُكُمْ أَنْتَنُ بِلَادِ اللهِ تُرْبَةً

(بصرہ والو) تمھارا شہر مٹی کو دیکھتے ہوئے (باعتبار خاک) بہت بودار اور بیحد گندہ ہے

أَقْرَبُهَا مِنَ الْمَاءِ وَأَبْعَدُهَا مِنَ

(یہ شہر) پانی سے (تو) بہت قریب ہے (مگر) آسمان اور بلندیوں سے

السَّمَاءِ وَبِهَا تِسْعَةُ أَعْشَارِ الشَّرِّ

بہت دور، شرارت کے نو حصے یہاں ہیں (اور ایک حصہ دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے)

ساد اس لئے فرمایا کہ پانی کا رُکا رہنا اور ٹھہرا رہنا اس میں تعفن پیدا کرتا ہے اور پانی ایسی حالت میں سڑتا ہے جس سے بو پیدا ہوتی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بودار چیزوں سے انسان متنفر ہوتا ہے اسی طرح تمھاری سرزمین سے باعتبار اخلاق اہل بصرہ ذی ہوش لوگوں کو نفرت کرنی چاہئے۔ یونہیں آسمان سے دور ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ رحمت الٰہی سے یہ مقام دور یا یہ کہ ترقی اور بلندیوں سے دور ہے یا یہ کہ باعتبار علم ہیئت اور باعتبار کرویت زمین مقام ابلہ جو بصرہ کا ایک قصبہ ہے، علم ہیئت والوں کے نزدیک خط معدل النہار سے بعید دور ہے۔

یہ تو شارحین کے اقوال کے بنا پر ہے مگر مٹی کا بودار ہونا یہ حقیقت ہے اس لئے کہ اہل بصرہ کی گندگی اور گھنونا پن تمام بصرہ کو گندہ بنائے ہوئے تھا۔ جیسا کہ آیندہ ذکر کیا جائے گا۔

مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے آپ نے بصرہ والوں کی کم ہمتی اور پست ہمتی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ خطبہ کی ابتدا سے ظاہر ہوتا ہے اور کنتم جند المراۃ واتباع البھیمہ سے ظاہر ہے۔

ان کی بد اخلاقی اور عیوب پر اس فقرے سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شرارت کے نو حصے یہاں ہیں۔ اس مبالغہ سے آپکا مقصود ظاہر ہے کہ بڑے سے بڑا شر بصرہ میں موجود ہے جسکی مثال کسی دوسرے مقام پر ممکن نہیں۔

اَلْمُحْتَبَسُ فِيهَا بِذَنْبِهٖ وَالْخَارِجُ

جلا ہیں) آن پھنسا وہ اپنے گناہ میں قید ہے	اور جو اس سے نکل بھاگا

لہ جو تم میں آگیا وہ اپنے گناہوں میں اسیر ہے یعنی اسے تمھارے عادات واخلاق اختیار کرنے پڑتے ہیں اور تمھاری صحبت کا اثر اس تک متعدی ہوتا ہے اور وہ تمھارے گروہ میں باعتبار ہوائے زمانہ شامل ہو جاتا ہے اور تمھارے رذائل اختیار کرتا ہے اور اسی طرح پیش خدا وخلق مشغول الذمہ ہو جاتا ہے جیسے تم ہو۔

"بصرہ"

امیرالمومنین نے جو کچھ اس کے متعلق ارشاد فرمایا وہ مظہر علم امامت تھا۔ درحقیقت بعد فتح جنگ جمل بصرہ اور بصرہ والوں کے خصوصیات کا اس طرح بیان کرنا جیسے کوئی وہیں کا متوطن اور رہنے والا ہو بہت دشوار تھا مگر اسرار رسالت جب آپ کو سپرد کئے گئے تو آپ نے اس کا اظہار آج فرمایا۔ اور وہ صحیح پیشین گوئیاں فرمائیں جو ہو کے رہیں۔ ان چیزوں کا بھی تذکرہ فرمایا جو بصرہ کے لئے مشہور تھیں۔ اور دنیا انھیں جانتی تھی۔

بصرہ کو بصرہ کیوں کہتے ہیں، اسکے متعلق کچھ لکھ چکا ہوں۔ اس جگہ مختصر نوٹ اسی توجیہ کے متعلق اور دینا چاہتا ہوں۔ ابن انباری نے کہا ہے کہ بصرہ کلام عرب میں سخت زمین کو کہتے ہیں اور چونکہ یہاں کی زمین سخت ہے اس لئے اس مقام کو بصرہ کہا جاتا ہے۔ قطرب کا قول ہے کہ بصرہ اس سخت زمین کو کہتے ہیں جس کے سنگریزے چوپایوں کے کھروں کو زخمی اور شگافتہ کردیں۔ یہاں کی زمین ایسی ہی ہے لہذا البصرہ کہا گیا۔ ابن اعرابی کے نزدیک بصرہ سخت سنگریزوں کو کہتے ہیں۔ شرقی ابن قطامی نے لکھا ہے کہ جب مسلمان یہاں آئے اور دور سے سپید سنگریزے سرزمین بصرہ کے چمکنے لگے تو انھوں نے دیکھکے کہا کہ ھذہ ارض بصرہ یہ وہ زمین ہے جہاں سنگریزے بہت ہیں اسی دن سے اسکا نام بصرہ ہو گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ سرخ مٹی کو بصرہ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سیاہ سنگریزوں اور سخت پتھروں کو بصرہ کہتے ہیں حمزہ بن حسن اصفہانی کہتے ہیں کہ میں نے موبذ بن اسوہشت سے سنا وہ کہتے تھے کہ بصرہ معرّب ہو "بس راہ" کا اس لئے کہ اس میں راستے بہت ہیں۔

یہ وہ وجوہ تھے جن کی وجہ سے بصرہ کو بصرہ کہا جاتا ہے ان تمام وجوہ کا نتیجہ اتنا نکلا کہ وہاں کی زمین بہت سخت اور پتھریلی ہے۔

ابلہ بصرہ سے کچھ دور پر واقع ہے اور گویا حدود بصرہ میں اس کا شمار تھا۔ یہی وہ مقام ہے جو زمین کی کرویت کے اعتبار سے بہت زیادہ پست ہے اور اسی لئے ابعد من السماء یہ جگہ آسمان سے بہت دور ہے" امیرالمومنین نے فرمایا۔

بصرہ کو شہر کی صورت سنہ ۱۴ھ میں دی گئی اور ابوبکرہ نے سب سے پہلے اس میں محل بنوائے۔ یہ وہی ابوبکرہ ہیں جنھوں نے صحابی رسول مغیرہ بن شعبہ کے فعل حرام پر گواہی دی تھی اور حضرت عمر نے انکی حد ابھر جاری فرمائی تھی۔

بِعَفْوِ اللّٰهِ ؛ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى

وہ عفو خدا میں ہو۔ گویا میں تمھارے اس گاؤں کو دیکھ رہا ہوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۴

حضرت عمر کے عہد تک مقام اُبلّہ ارض ہند کہا جاتا تھا جیسا کہ معجم البلدان کے مصنف نے لکھا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ اور ام جمیلہ کا واقعہ اسی سرزمین سے متعلق ہے جسکی تفصیلی حالت کتب تواریخ میں مندرج ہے اور بہت تفصیل سے صاحب کتاب المبدا و المآل نے لکھا ہے۔ خلفا کے عہد میں یہاں خاص طبقہ جو خلفائے ثلٰثہ اور ان کے متبعین کا ممنوا تھا برسرِ اقتدار رہا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ، ابو موسیٰ اشعری عبداللہ بن عامر، عبید اللہ بن زیاد وغیرہ وغیرہ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے پانی کے سقوط ہونے سے جو مذمت البصرہ کی ہے اور جو طبعاً سبب غباوت و بلادت ہے اس کا اظہار اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ جو صاحب معجم نے صا ۱۹۱ پر لکھا ہے۔

وذکر البلاذری لما دخل المسلمون الابلہ وجد والخبز الحواری فقالوھذا الذی کانوا یقولون انہ یسمن فلما اکلوا منہ جعلوا ینظرون الی سواعدھم ویقولون ما نری سمنا۔

بلاذری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کا گروہ بعد فتح اُبلہ میں داخل ہوا تو وہاں انھوں نے ایک قسم کی سفید روٹیاں پائیں اور کہا کہ یہ وہ روٹیاں ہیں جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کو خوب موٹا کرتی ہیں، یہ پھلکے روٹیاں کھائی گئیں اور کھانے کے بعد ہر شخص اپنی کلائیوں اور بازوؤں کو دیکھ دیکھ کے کہتا تھا کہ ابتک تو بازوؤں میں فربہی اور موٹاپا نہیں آیا۔

جب دوسری جگہ کے رہنے والے یہاں آکے اتنے غبی اور بلید ہوجائیں تو یہاں کے باشندوں کا کیا حال ہوگا (" اُبلّہ " اور " اَبلہ " کی تجنیس بھی اس کے باشندوں کی حماقت و بلادت پر روشنی ڈالتی ہے۔ مترجم)

یہ مسلمان جو عہد حضرت عمر میں داخل ابلہ ہوئے اور جنکی فہم و ذکا کا یہ عالم تھا کہ روٹی کے کھاتے ہی بازوؤں کے بھراؤ اور فربہی کے خواہ مخواہ امید وار تھے

یقیناً اکثر افراد ان میں کے صحابۂ رسول رہے ہونگے۔ اب یہ کیونکر کہہ سکتا ہوں کہ معنیٔ آیات قرآنی کا کیا حشر ایسے بافہم لوگوں کے سامنے ہو سکتا ہے۔

صاحب معجم البلدان نے بھی امیر المومنین علیہ السلام کے اس خطبہ کا تذکرہ حالات بصرہ بیان کرتے ہوئے کیا ہے اور نہج البلاغہ میں جو خطبہ اسوقت موجود ہے اس کے فقرات اور جملوں کے اسوا اور چند کلمات کا اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ یہی خطبہ وہ یوں شروع کرتے ہیں۔

قال یا اھل البصرہ یا بقایا ثمود یا اتباع البھیمہ یا جند المراۃ۔ اے اہل بصرہ اے قوم ثمود کی یادگار، اے چوپائے کے پیرو اور اے (ایک) عورت کے لشکر والو " اسکے بعد لکھتے ہیں:۔

رغا فاتبعتم وعقر فانھزمتم دینکم نفاق واحلامکم دقاق وماؤکم زعاق یا اھل البصرۃ والبصیرہ والسبخۃ والخریبہ ارضکم ابعد ارض من السماء واقربھا من الماء واسرعھا خرابا وغرقا الا وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اما علمت

قَرْيَتِكُمْ هٰذِهٖ قَدْ طَبَّقَهَا الْمَاءُ

کہ اسے پانی (سیلاب) نے (یوں) ڈھانک لیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵

ان جبریل حمل جمیع الارض علی منکبہ الایمن فاتانی بہا الا وانی وجدت البصرۃ ابعد بلاد اللہ من السماء واقربہا من الماء واخبثہا ترابا واسرعہا خرابا لیاتین علیہ یوم لایریٰ منہا الاشرافات جامعہا کجوجوء السفینۃ فی لجۃ البحر۔ قریب قریب وہی مطالب ہیں جو خطبہ نہج البلاغہ میں ذکر ہوئے اسمیں اتنا اضافہ ہے کہ رسول نے فرمایا کہ جبریل طبق زمین اپنے شانے پر بلند کر کے مجھ تک لائے (یعنی مجھے دکھایا) اور اسکا علم مجھے بالمشاہدہ ہوا جس سے میں اس نتیجہ پر پہونچ سکا کہ بصرہ بہ نسبت اور شہروں کے اپنی پستی کیوجہ سے آسمان سے سب سے زیادہ دور ہے خطبہ نہج البلاغہ میں "تراب" کے لئے "انتن" کا لفظ ہے جس کے معنی بہت بدبو کے ہیں اور یہاں "اخبث" استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی خبیث ترین کے ہیں مفہوم قریب قریب ایک ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ دشمنوں کا یہ اعتراض بادر ہوا ہے اور تعصب کے اساس پر ہے کہ نہج البلاغہ تصنیف جناب سید رضی علیہ الرحمہ ہے۔

جو کلمات علامہ ابن میثم نے بڑھائے ہیں اس عنوان سے بھی اس خطبہ کو علامہ یاقوت حموی نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے اور وہ کلمات یہ ہیں:۔

یا اھل البصرہ یا اھل السبخۃ یا اھل المؤتفکۃ ائتفکت باھلہا ثلاثا وعلی اللہ الرابعۃ یا جند المراۃ الخ

اس شہر کی مدح بھی اگر لوگوں کی زبان سے نکلی تو مدح ذم نما اور ہجو ملیح کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ کتابوں میں یہ واقعہ ہے کہ ایک جوان مدینہ سے بصرہ گیا جب وہاں سے پلٹا تو لوگوں نے پوچھا کہو بصرہ کو کیسا پایا کہا بھوکے، مسافر اور مفلس کے لئے بڑا عمدہ شہر ہے۔ پوچھا کیونکر؟ کہا یوں کہ بھوکا تو دو درہم میں مہینہ بھر کھاتا ہے اور سپے سپے باجرے کی روٹیاں اور نمک میں پروردہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں انکی غذا ہے اور مسافر کے لئے یوں بہتر ہے کہ آدھے درہم میں عقد ہو جاتا ہے اور بکثرت عورتیں ملتی ہیں اور مفلس کے لئے یوں بہتر ہے کہ جب تک بیت الخلا کا جانا برقرار ہے اس کے لئے کوئی آفت نہیں کیونکہ وہ اپنے فضلہ کو بیچتا ہے اور لوگ خریدتے ہیں اسی آخری فقرہ سے امیر المومنین علیہ السلام کے اس فقرہ کے مطلب کو سمجھئے، بلادکم انتن بلاد اللہ تربۃ

وقال الجاحظ من عیوب البصرۃ اختلاف ھوائہا فی یوم واحد،

جاحظ نے بیان کیا ہے کہ منجملہ عیوب بصرہ یہ عیب بھی ہے کہ ایک دن میں اس کی ہوائیں مختلف ہوتی رہتی ہیں اور کبھی گرم کپڑوں کے پہننے کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی تنگ کپڑوں کی۔ چنانچہ ابن لنکک نے اس مطلب کو ان اشعار میں واضح کیا ہے

نحن بالبصرۃ فی لو
ن من العیش ظریف
نحن ما ھبت شمال
بین جنات و ریف
فاذا ھبت جنوب
فکاناف کنیف

حَتّٰى مَا يُرٰى مِنْهَا اِلَّا شُرَفُ الْمَسْجِدِ

کہ سوا مسجد کے کنگروں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶

بصرہ میں ہماری زندگی اور بود و باش عجب ظرافت خیز ہے جبتک باد شمال چلتی ہے اسوقت تک تو گویا ہم جنت میں ہوتے ہیں اور ادھر ہوا ئے جنوبی چلی اور گویا ہم بیت الخلا میں وارد ہو گئے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس شہر کو "انتن بلاد" بجد بدبو فرمایا ہے اور ہے بھی ایسا ہی۔ مختلف اقسام کی بدبو کا وجود یہاں پایا جاتا ہے منجملہ ان کے باغات حزمہ کا تعفن قابل ذکر ہے۔ چنانچہ علامہ یاقوت حموی صـ۲۰۳ پر لکھتے ہیں۔
وللحشوش بالبصرة اثمان وافرة ولها فيما زعموا تجار يجمعونها فاذا اكثرت جمع عليها اصحاب البساطين ووقفهم تحت الريح لتحمل اليهم نتنها فانه كلما كانت انتن كان ثمنها اكثر ثم ينادى عليها فتزايد الناس فيها وقد قص هذا القصة صريع الدلاء البصرى فى شعر له لم يحضر الآن وقد ذمتها الشعراء فقال محمد بن حازم الباهلى۔

ترى البصرى ليس به خفاء | لمنخره من النتن انتشار
ربا بين الحشوش وشب فيها | فمن ريح الحشوش به اصفرار
يعتق سلحه كيما يغالى | به عند المبايعة التجار

بصرہ میں باغوں کی قیمت بہت ہوتی ہے اور جیسا ان لوگوں کا خیال ہے، اس کے خریدار جمع ہوتے ہیں جب وہ اکٹھا ہو جاتے تو مالکان باغ انھیں ہوا کے رخ کھڑا کرتے ہیں تاکہ ان باغات کی بدبو سے انکا شامہ مستفید ہو، جتنی زیادہ بو ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ باغ کی قیمت لگائی جاتی ہے، بولیاں بولی جاتی ہیں اور قیمت حسب قلت و کثرتِ تعفن بڑھتی جاتی ہے اس قصہ کو صریع الدلا بصری نے اپنے شعر میں نظم کیا ہے جو اسوقت مجھے (حموی کو) یاد نہیں۔ بصرہ کی مذمت شعرائے کی ہے۔ منجملہ ان کے محمد بن حازم باہلی ہیں۔ جن کے یہ اشعار ہیں جنکا مفہوم یہ ہے۔ بصرہ کا رہنے والا چھپ نہیں سکتا انکا نتھنا دانہ کی وجہ سے پھولا دکھائی دیتا ہے، وہ باغوں میں پرورش پاتا ہے اور وہیں ڈھا بچا تا ہے حزمے کے باغات کی ہواؤں سے (جو لوگوں کے لئے بیت الخلا ہوتے ہیں) اس کا چہرہ زرد رہتا ہے وہ اپنے فضلہ کو محفوظ رکھتا ہے تاکہ جتنا پرانا ہو اتنی ہی اس کی قیمت زیادہ لگے اور بائس کے کام آئے۔

ایک دوسرا شاعر وہاں کی گندگی کا یوں اظہار کرتا ہے

دیکھو صـ۱۴۸

كَاَنَّهٗ جُؤْجُؤُ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ ؎

(اور وہ کنگرے یوں معلوم ہوتے ہیں) جیسے (دریائی) پرند کا سینہ بیچوں بیچ سمندر میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷

نحن بالبصرة الذميمة نسقى   شر سقيا من ماءها الاترنجى

اصفر منكر ثقيل غليظ   خاثر مثل حقنة القولنج

كيف ترضى بمائها وبخير   منه فى كنف ارضنا النسكنجى

ہم بدتر شہر بصرہ میں ہوں جہاں زرد رنگ کا پانی پینے کو ملتا ہے یہاں کا پانی زرد ہے، گندلا ہے، بھاری ہے (جس سے کراہت پیدا ہوتی ہے) یہاں کا پانی گندلا غلیظ اور پھدپھدا ہے جیسے قولنج کا حقنہ تیار کیا جائے۔ ہم کیسے اس پانی کے پینے پر راضی ہوں۔ حالانکہ اس سے کہیں بہتر وہ پانی ہوتا ہے جس سے ہم اپنے شہر میں استنجا کرتے ہیں۔

ایک تیسرا شاعر مذمت و نجاست آب و خاک بصرہ میں یوں رقمطراز ہے

ليس يغنيك فى الطهارة   بالبصرة ان حانت الصلوٰة اجتهاد

ان تطهرت فالمياه سلاح   او تيممت فالصعيد سماد

اگر بصرہ میں نماز کا وقت آجائے اور تم لاکھ کوشش طہارت کی کرو مگر ناکامیاب رہوگے۔ اگر وضو چاہو تو حالت یہ ہے کہ جتنا پانی ہے سب فضلہ ہے اور اگر تیمم کرنا چاہو تو جتنی خاک ہے سب پانس ہے۔

ایک چوتھے شاعر نے یہاں کی گندگی کی تصویر اشعار میں یوں کھینچی ہے کہ بصرہ کے صاحبان ثروت کو میں دشمن رکھتا ہوں اور ایسوں کو دشمن رکھنا ہی چاہیئے۔ کیونکہ یہ لوگ اسقدر بخیل ہیں کہ اپنے فضلے کو دھوپ میں سکھاتے ہیں اور اسے محفوظ رکھتے ہیں۔

یہ تھے مختصر
نوٹ جو بصرہ
کی گندگی اور
اہل بصرہ کی
حالات کے
متعلق اس
مقام پر
لکھے گئے۔
واقعات
بہت ہیں
مگر طول کلام
آگے بڑھنے
کی اجازت
نہیں دیتا۔

اٹھارواں خطبہ

مذمت بصرہ اور اہل بصرہ میں[۱]

أَرْضُكُمْ قَرِيبَةٌ مِنَ الْمَاءِ

(بصرہ والو!) تمہاری زمین پانی سے بہت قریب ہے

بَعِيدَةٌ مِنَ السَّمَاءِ، خَفَّتْ عُقُولُكُمْ

اور آسمان سے بہت دور ہے تمہاری عقلیں کم ہیں

وَسَفِهَتْ حُلُومُكُمْ، فَأَنْتُمْ[۲]

اور تمہاری فراست حماقت (سے بدل گئی) ہے (یہی سبب ہے) کہ تم

غَرَضٌ لِنَابِلٍ وَأُكْلَةٌ لِآكِلٍ

ہر تیر انداز کا نشانہ، ہر کھانے والے کے لئے ایک لقمۂ تر

وَفَرِيسَةٌ لِصَائِلٍ

اور ہر شکاری کے لئے ایک شکار ہو

ف۱ پہلا خطبہ جو باختلاف روایات لکھا جاچکا اسمیں ضروری نوٹ لکھدیے گئے یہ خطبہ بھی قریب قریب خطبۂ اولیٰ کا مرادف اور انھیں معنوں کا حامل ہے لہذا اسکے تشریحات ترک کئے جاتے ہیں۔

ف۲ یہ اس لئے فرمایا کہ بصرہ والوں کو طلحہ و زبیر و عائشہ نے جنگ جمل قائم کرنے سے پہلے خطوط لکھے تھے اور امیر المومنین کے خلاف ابھارا تھا، کوفہ، یمامہ اور مدینہ والوں کو بھی تحریریں بھیجی تھیں مگر جسقدر کامیابی بصرہ میں ہوئی اتنی کہیں اور نہیں ہوسکی۔ اور انلوگوں کی تحریروں نے بصرہ والوں کو بغیر کسی حجت و استدلال کے اپنے طرف کرلیا۔ طبری، ابن اثیر اور دیگر کتب تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ والے چاہتے تھے کہ طلحہ کی بیعت بعد قتل عثمان کیجائے اور یہی وجہ تھی کہ جنگ جمل بصرہ میں قائم کیگئی تھی کیونکہ وہاں ان لوگوں کے دوستوں کا جتھا کافی تھا چنانچہ ابن عامر نے بھی بوقت مشورہ تعین مقام جنگ یہ کہا تھا:۔

قد کفاکم الشام معاویۃ فاتوا البصرہ فان لی بھا صنایع ولھم فی طلحۃ ھوی۔ (ابن اثیر ص۸۱ طبع مصر جلد سوم) کہ شام میں معاویہ کا وجود ہماری مطلب برآری کے لئے کافی ہے لہذا البصرہ چلو کیونکہ

عجیب مشہور
جری لہ معہ فی
امراۃ شکت زوجھا
الی عمر فقالت
ان زوجی یقوم
اللیل و یصوم
النھار و انا اکرہ
ان اشکوہ الیک
وھو یعمل بطاعۃ
اللہ فکان عمر
لم یفہم عنھا وکعب
بن سور جالس
معہ فاخبرہ
انھا تشکو
انھا لیس لھا
من زوجھا
نصیب فامرہ
عمر بن الخطاب
ان یقضی بینھما
فقضی للمراۃ
بیوم من
اربعۃ ایام
او لیلۃ من
اربع لیال فسالہ
عمر عن ذلک
فنزع بان اللہ
تعالٰی احل لہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹

وہاں ہم بہت کچھ کر دھر چکے ہیں اور وہ لوگ طلحہ کی خلافت کے خواہشمند بھی تھے کعب ابن سور، عبداللہ بن خلف، احنف بن قیس وغیرہ یہ وہ لوگ تھے جو عمائد بصرہ کہے جاتے تھے، ان تمام لوگوں کو خطوط گئے تھے اور سب نے اگرچہ پہلے مبہم انکار کیا تھا مگر پھر راضی ہو گئے اور جمل کے دن عائشہ کے ساتھ دکھائی دیئے، البتہ احنف بن قیس نے ساتھ نہیں دیا اور اپنے انکار پر قائم رہے طرفین میں سے کسی جانب شرکت نہیں کی۔

وہ خطوط جو عائشہ طلحہ اور زبیر نے مختلف مقامات پر بھیجے ان سب کو لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ بصرہ والوں پر یہ تیر فریب کیونکر کارگر ہوا اور کیونکر وہ لقمۂ تر کی طرح ان لوگوں کے قابو میں آ گئے اور کس طرح صید زبون دنیا کی حیثیت ان لوگوں نے اختیار کی، اسکا پتہ اس خط سے چلتا ہے، جو قاضی بصرہ کعب بن سور کو لکھا گیا۔ جسمیں اس احسان کا بھی اظہار تھا کہ تم قاضی کس کے صدقہ میں بنائے گئے اور کس نے تم پر یہ عظیم الشان احسان کیا۔ فکتب طلحۃ والزبیر الی کعب بن سور اما بعد فانک قاضی عمر بن الخطاب وشیخ اھل البصرۃ وسید اھل الیمن وقد کنت غضبت لعثمان من الاذی فاغضب لہ من القتل والسلام۔ طلحہ و زبیر نے کعب بن سور کو خط لکھا کہ تم عمر بن خطاب کے مقرر کردہ قاضی ہو، بصرہ کے شیخ ہو اور یمن کے سردار ہو۔ تم عثمان کی تکلیفوں پر غضبناک ہوتے تھے اور اب تو ان کا قتل ہو گیا ہے، لہٰذا اس قتل پر بدرجہ اولیٰ غضبناک ہو۔ چنانچہ کعب بن سور غضبناک ہوئے اور علی کے خلاف عائشہ کا ساتھ دیا اور یوم جنگ جمل عائشہ کے اونٹ کی مہار انکے ہاتھ میں تھی۔

کعب بن سور بصرہ کے قاضی کیونکر معین ہوئے۔

دورِ خلافت کے علمی کارنامے

کعب بن سور...... ھو من کبار التابعین وبعثہ عمر قاضیا علی البصرۃ لخبر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰

اربع نسوۃ لا زیادۃ فلک ثلاث لیلۃ من اربع لیال فاعجب ذلک عمر فاستقضاہ - اصابہ ص۳۱۵ طبع مصر جلد ۳ -

کعب بن سور کا شمار کبار تابعین میں ہے، ان کو عمر نے بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور اسکا قصہ بہت مشہور ہے اور عجیب ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک عورت خلیفہ ثانی کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میرا شوہر رات بھر شب بیداری کرتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے اور مجھے برا معلوم ہوتا ہے کہ میں اسکا شکوہ آپ سے کروں، حضرت عمر، عورت کے کنایات اور اشارات بالکل نہ سمجھے، کعب بن سور اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ اے عمر یہ اپنے شوہر کا شکوہ کرتی ہے کہ وہ راتیں عبادت میں بسر کر دیتا ہے اور اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عمر نے کعب سے کہا، یہ بات ہے؟ تو اچھا تمھیں اس مسئلہ کا فیصلہ کرو۔ چنانچہ کعب بن سور نے یوں فیصلہ کیا کہ چار راتوں میں ایک رات اس عورت کی ہے یا چار دنوں میں ایک دن۔ عمر نے کعب سے پوچھا (سمجھنے کے لئے) کہ یہ کیونکر، کہا یوں کہ اللہ نے چار بیویوں کی اجازت دی ہے لہذا ایک رات اس کی پڑتی ہے، حضرت عمر کو یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور اس کے عوض میں کعب کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

استیعاب ص۳۰۳ جلد ۳ طبع مصر میں یہ عبارت بھی اس واقعہ کے ساتھ اضافہ ہے کہ جب عورت نے مرد کی حالت بیان کی اور کنایہ میں اسکا شکوہ کیا تو فاستغفر لھا عمر واثنی لھا وقال مثلک اثنی بالخیر فاستحیت المراۃ و قامت راجعۃ فقال کعب بن سور یا امیر المومنین ھلا اعدیت المراۃ علی زوجھا اذ جاءتک تستعدیک فقال اکذلک ارادت قال نعم قال ردوا علی المراۃ فردت لھا فقال لا باس بالحق ان

تقولیہ ان ھذا یزعم انک جئت تشتکین انہ یجتنب فراشک قالت اجل انی امراۃ شابۃ وانی اتبغی ما تبتغی النساء فارسل الی زوجھا فجاء فقال لکعب اقض بینھما فقال امیر المومنین احق بان یقضی بینھما فقال عزمت علیک لتقضین بینھما فانک فھمت من امرھما مالم افھم....... قال عمر اذھب فانت قاضی علی اھل البصرۃ -

اور بصرہ والوں نے طلحہ و زبیر کی بیعت کرلی جب بیعت ہوگئی تو زبیر نے کہا۔ ہاں ہمیں ایک ہزار ایسے شہسوار چاہئے ہیں جنکو ہم لیکے علی ابن ابیطالب کی طرف جائیں اور انھیں صبح یا شام کو قتل کردیں قبل اسکے کہ وہ ہم تک پہونچیں۔

ان واقعات سے یہ پتہ چلا کہ بصرہ والے بغیر سوچے سمجھے کیونکر ان لوگوں کا شکار ہوگئے اور کیونکر حق کے مقابلہ میں انھوں نے باطل کی امداد کی اسی مطلب کی طرف ان فقرات میں آپنے اشارہ فرمایا ہے کانتم غرض کمان نابل الخ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱

حضرت عمر نے عورت کے لئے استغفار اور اسکی مدح شروع کردی۔ یہ جواب سنکر عورت کو شرم آئی اور وہ شرما کے پلٹی کعب بن سور نے کہا کہ اے امیرالمومنین عورت نے اپنے مرد کے متعلق آپ سے کچھ مدد چاہی تھی، آپ نے اسکی مدد کیوں نہ کی، عمر نے کہا، کیا ایسا تھا؟ کعب نے کہا ہاں ایسا ہی تھا، حکم دیا کہ عورت کو بلالاؤ، لوگ گئے اور اس عورت کو واپس لائے، عمر نے کہا، کوئی ڈر کی بات نہیں، جو حق بات ہو کہو اسے چھپاؤ نہیں، یہ کعب بن سور کا خیال ہے کہ تم اپنے شوہر کی شکایت کرتی ہو کہ وہ تمھارے پاس شب باش نہیں ہوتا (میرا خیال تو ایسا نہیں، یہ کعب کا خیال ہے) عورت نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ میں ایک جوان عورت ہوں اور مجھ میں بھی وہ جذبات ہیں جو جوان عورتوں میں فطرتاً ہونے چاہئیں، یہ سنکر عمر نے اس کے شوہر کو بلوایا اور جب وہ آیا تو کعب سے کہا کہ تمھیں اس قضیہ کا فیصلہ کرو۔ کعب نے کہا اے امیرالمومنین! آپ کے ہوتے ہوئے میں اس کا مستحق نہیں ہوں، آپ ہی فیصلہ کیجئے، عمر نے کہا تمھیں قسم ہے تمھیں کو اس کا فیصلہ کرنا پڑیگا کیونکہ تم اس مسئلہ کو سمجھے ہوئے ہو اور میں نہیں سمجھا۔ چنانچہ کعب نے وہی فیصلہ کیا جو اوپر گذرا۔ اس پر حضرت عمر بہت خوش ہوئے اور فرمایا جاؤ تم کو میں نے اہل بصرہ پر قاضی بنا دیا۔

جنگ جمل میں پھر عورت کا معاملہ درپیش تھا اور کعب بن سور نے عورت ہی کا ساتھ دیا اور لشکر ام المومنین کی نقابت اختیار کی۔

بہرحال بصرہ والوں پر اصحاب جمل کا جادو چل گیا۔ و بایع اھل البصرہ طلحتہ والزبیر فلما بایعوھما قال الزبیر الا الف فارس اسیر بھم الی علی اقتلہ بیاتا او صباحا قبل ان یصل الینا (کامل جلد ۳ صفحہ ۱۰۵)

انیسواں خطبہ[ل] ۱۵

ان زمینوں کے بارے میں جو عثمان نے بطور جاگیر اپنے رشتہ داروں کو دیں اور آپ نے مسلمانوں کو واپس کردیں

وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُهٗ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَاءُ

بخدا، اگر میں یہ پاتا (دیکھتا) کہ (مال خدا) سے عورتیں بیاہی گئی ہیں

[ل] کلبی نے اس خطبہ کی روایت کی ہے اور بسلسلہ روایت ابوصالح اور ابن عباس تک پہونچا ہے، کہ آپ نے اپنی بیعت کے دوسرے روز یہ خطبہ مدینہ میں پڑھا۔ جسکی ابتدا ان جملوں سے ہوئی۔

الا ان کل قطیعۃ اقطعھا عثمان وکل مال اعطاہ من مال اللہ فھو مردود فی بیت المال فان الحق القدیم لا یبطلہ شئ ولو وجدتہ قد تزوج الخ آگاہ ہو۔ ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسیکو دی ہے اور تمام وہ مال جو خدا کے مال سے دوسروں کو عطا کیا گیا ہے وہ بیت المال میں واپس لے لیا جائے گا کیونکہ حق قدیم کو کوئی چیز ہٹا نہیں سکتی اور نہ باطل کرسکتی ہے۔

کلبی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ تمام سلاح جنگ جو عثمان کے گھر میں موجود تھا علی ابن ابیطالب کے حکم سے لیا گیا۔ یہ وہ اسلحہ تھے جو مسلمین وقت جنگ کام میں لاتے تھے، صدقہ کے جتنے اونٹ تھے، وہ بھی عثمان کے یہاں سے واپس لے لئے گئے اور ان کی زرہ اور تلوار بھی لیلی گئی، وہ اسلحہ جن سے مسلمانوں نے جہاد نہیں کیا تھا وہ نہیں لے گئے، اور نہ اس مال سے کوئی تعرض کیا گیا جو عثمان کے گھر میں موجود تھا یا کسی دوسرے گھر میں تھا جب یہ خبر عمرو بن عاص کو پہونچی (جو اسوقت مقام ایلہ میں تھا جو صوبہ شام میں داخل ہے اور اسوقت اپنے مصالح کی بنا پر وہاں بھاگ کے گیا تھا جب عثمان کو لوگ محصور کئے ہوئے تھے) تو اس نے معاویہ کو لکھا۔

ما کنت صانعا فاصنع اذا قشرک ابن ابیطالب من کل مال تملکہ کما تقشر عن العصا لحاءھا۔

وَ مُلِكَتْ بِهِ الْاِمَاءُ لَرَدَدْتُهُ

اور لونڈیاں مول لی گئی ہیں تو یقیناً میں اسے بھی پھیر لیتا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳

جو کچھ کرنا ہو وہ کر گزرو کیونکہ علی نے تمام وہ مال جس کے تم مالک تھے اُسے چھین کر تمھیں یوں بے دست و پا کر دیا ہے اور یوں چھیلا ہے جیسے لکڑی پر کی چھال اتار لی جائے۔

ولید بن عقبہ جو ماں کی طرف سے عثمان کے بھائی تھے یعنی صرف باپ دو تھے اور ماں ایک تھی وہ اپنے اشعار میں امیر المومنین کے ان احکام کا تذکرہ یوں کرتا ہے۔

بنی ھاشم ردوا سلاح ابن اختکم	ولا تنھبوہ لا تحل مناھبہ
بنی ھاشم کیف الھوادۃ بیننا	وعند علی درعہ ونجائبہ
بنی ھاشم الا تردوا فاننا	سواء علینا قاتلوہ و سالبہ
بنی ھاشم انا وما کان منکم	کصدع الصفا لا یشعب الصدع شاعبہ
قتلتم اخی کیما تکونوا مکانہ	کما غدرت یوما بکسری مرازبہ

اے بنی ہاشم عثمان کے اسلحہ واپس کر دو اور انھیں لوٹو نہیں کیونکہ ان کا لوٹنا حلال نہیں، اے بنی ہاشم ہم اس بات کو دیکھتے ہوئے کیونکر صبر کر سکتے ہیں کہ علی کے پاس عثمان کی زرہ اور اونٹنیاں ہیں۔ اگر اے بنی ہاشم تم نے یہ مال نہ پلٹایا تو ہمارے نزدیک عثمان کا قاتل اور انکے مال کا چھیننے والا یکساں ہے، اے بنی ہاشم، اب ہمارے اور تمھارے درمیان ویسا افتراق ہوا ہے جیسے پتھر کا شگاف ہوتا ہے جسے جوڑنے والا جوڑ نہیں سکتا تم نے ہمارے بھائی (عثمان) کو مار کے یہ چاہا کہ تم اس کی جگہ لو۔ یہ غدر ویسا ہی ہے جیسا کسریٰ سے اس کے مرزبانوں نے کیا تھا۔

ان اشعار کا جواب ایک طویل نظم میں عبداللہ بن ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے دیا ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

فلا تسئلونا سیفکم ان سیفکم
اضیع والقاہ لدی الروع صاحبہ
وشبھتہ کسری وقد کان مثلہ
شبیھا بکسری ھدیہ وضرائبہ

اپنی تلوار کا سوال ہم سے نہ کرو کیونکہ وہ تو اسی دن ضائع ہو گئی جس دن مقام جنگ میں (اس کا مالک اُسے پھینک کے بھاگا) اسکے مالک نے اسے پھینک دیا۔ تم نے عثمان کو کسریٰ سے تشبیہ دی ہے۔ ہاں وہ ایسا ہی تھے جیسے کسریٰ کا زتھا جب منصور اس شعر کو پڑھتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ خدا لعنت کرے ولید بن عقبہ پر اس نے یہ اشعار کہہ کے اولاد عبد مناف میں پھوٹ ڈالدی (ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۵۵ مطبوعہ طہران)

فَاِنَّ فِی الْعَدْلِ سَعَۃً وَ مَنْ

کیونکہ عدل و انصاف میں بڑی وسعت ہے اور جو شخص

بقیہ حاشیہ ۱۵۴

عمر نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں لوگوں کو جاگیریں دی تھیں اور عثمان نے بھی، فرق اتنا تھا کہ عمر نے سیاسی پہلو مدنظر رکھا تھا۔ یعنی ان لوگوں کو جاگیریں دی تھیں جو اسلام کے لئے (وہ کیسا ہی اسلام رہا ہو) کام کرتے تھے گویا اس کام کے عوض میں جاگیریں پائی تھیں مگر عثمان نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا اور صرف اپنے ہی گھر والوں اور عزیز و اقربا کو جاگیریں بغیر کسی کارنمایاں کے صرف صلۂ رحم و قرابت کے اعتبار سے دیدیں۔ گویا عام مسلمانوں کے حقوق کا مستحق انھوں نے صرف اپنے ان رشتہ داروں کو سمجھا جنھیں سوا نفس پرستی کے دنیا میں کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا۔

حضرت عثمان کی عطا کردہ جاگیروں کی ایک مختصر فہرست

وصحت فیہ فراسۃ عمر فانہ اوطی بنی امیۃ رقاب الناس وولاھم الولایات واقطعھم القطائع وافتتحت ارمینیۃ فی ایامہ فاخذ الخمس کلہ ووھبہ لمروان فقال عبد الرحمان بن حنبل الجمحی۔

احلف باللہ رب الانام	ما ترک اللہ شیئا سدی
ولکن خلقت لنا فتنۃ	لکی نبتلی بک او تبتلی
فان الامینین قد بینا	منار الطریق علیہ الھدی
فما اخذا درھما غیلۃ	ولا جعلا درھما فی ھوی
واعطیت مروان خمس البلاد	فھیھات سعیک ممن سعی

(ابن ابی الحدید صہ ۳۹ جز اول طہران)

عثمان کے متعلق فراست عمر بالکل صحیح نکلی کہ انھوں نے باوجود زمین خلافت ان کے لئے ہموار کرنے کے یہ بھی فرما دیا تھا، کہ تم بنی امیّہ کو لوگوں کے سر پر چڑھا دو گے اور وہ مسلمانوں کا سر کچلیں گے، چنانچہ یہی ہوا اور عثمان نے بنی امیّہ کو

مختلف ولایتوں کا والی اور حکمران بنا دیا اور انھیں بغیر کسی کام کے صلے کے جاگیریں دیں۔ ارمینیہ عہد عثمان میں فتح ہوا۔ اس کا تمام خمس عثمان نے مروان بن حکم کو دیدیا یہ حالت دیکھ کے عبد الرحمٰن بن حنبل نے یہ اشعار کہے۔

میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو تمام مخلوقات کا خدا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز لغو اور بیکار نہیں پیدا کی۔ لیکن تمھیں اے عثمان ایک ایسا فتنہ خلق کیا ہے کہ یا تو تم کو خلق کر کے ہمارا امتحان لے یا تمھارا، یقینا دو امینوں نے راستۂ ہدایت کو ظاہر کر دیا۔ نہ انھوں نے کبھی درہم کا غبن کیا اور نہ کسی درہم کو

ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ
کہ عدل کے برتنے میں تنگی محسوس کرتا ہو وہ ظلم و جور سے
عَلَيْهِ أَضْيَقُ
کیا کام نکالے گا (کیونکہ اسکا دائرہ تو بہت ہی تنگ ہو)

بقیہ حاشیہ ص ۱۵۵

اپنے خواہش نفس میں صرف کیا، اور تم نے تو اے عثمان مروان کو تمام خمس بلاد دیدیا تمھاری کوشش اور دوسروں کی سعی میں کتنا فرق ہے۔ ان اشعار کو لکھکر ابن ابی الحدید نے شرح میں یہ لکھا ہے کہ "امینان" سے مراد ابوبکر و عمر ہیں۔ ابن ابی الحدید اپنی راے کے ذمہ دار ہیں مگر ظاہر ہے کہ عرب بھر میں کوئی انھیں اس لقب سے یاد نہ کرتا تھا، میرے نزدیک شاعر نے عہد رسول کی طرف اشارہ کیا ہے اور رسول ہی کی ذات وہ تھی کہ آپ کو قرآن تو درکنار کفار عرب بھی "صادق و امین" کے گرانبہا لقب سے پکارتے تھے، جس پر تاریخیں شاہد ہیں، ایک امین تو آپ کی ذات تھی اور دوسری ذات علی ابن ابیطالب کی تھی جو بنص حدیث نور مستحق امانت رسالت تھے اور جنکی امانت داری اس حد تک پہونچی ہوئی تھی کہ امین وحی کو الگ اعتماد تھا اور رسول امین کو الگ اعتبار تھا۔ اس امانت داری کا اظہار مختلف مواقع پر ہوا۔ قرض رسول ادا کرنے کے وقت یہ امانت داری دکھائی دی اور بعد شام ہجرت جب عورتوں اور اموال و اثاثہ رسول کو مدینہ پہونچایا ہے، اسوقت بھی اس امانت داری کا اظہار ہوا۔ اس کے ماسوا اور سیکڑوں مواقع ایسے پیش آے جنمیں یہ امانت داری روز روشن کی طرح ظاہر ہوئی اگرچہ آپ کو خلافت نہ ملی تھی مگر ہدایت کے راستوں کو آپ عہد رسول ہی میں اپنے افعال حسنہ سے چمکا چکے تھے۔ اور منار ہدی بنا چکے تھے۔

واعطى الحكم ابن العاص مائة الف درهم (بعد ۲ حصہ)

۸۵ مطلب آپکا یہ ہے کہ جو حاکم تدبیر امور حکومت میں عدل سے کام لے کر کامیاب نہیں ہو سکتا وہ ظلم سے کام لیکر بھی اپنے مطالب کی تکمیل نہیں کر سکتا کیونکہ ظلم وجور ایسی چیز ہے کہ جس سے رعایا متصادم ہو سکتی ہے اور حاکم کو ظلم کرنے سے روک سکتی ہے، نتیجہ کلام یہ نکلا کہ جو شخص باب حکومت میں عدل کرنے سے عاجز ہے وہ ظلم کرنے میں بدرجہ اولیٰ عاجز ہے اور تدبیر مملکت کے لیے یہی دو صورتیں ہیں یا تو حکم کو بعدل نافذ کرو یا بجبر و ظلم اسکا نفاذ کرو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶

وتصدق رسول اللہ بموضع سوق بالمدینۃ یعرف بمھروز على المسلمين فاقطعها عثمان الحرث بن الحكم اخا مروان بن الحكم واقطع مروان فدك وقد كانت فاطمة عليها السلام طلبها بعد وفاة ابيها تارة بالميراث وتارة بالنحلة فدفعت عنها وحمى المراعى حول المدينة كلها من مواشى المسلمين كلهم الا عن بنى امية واعطى عبد الله بن ابى سرح جميع ما افاء الله عليه من فتح افريقية بالمغرب وهى من طرابلس الغرب الى طنجه من غير ان يشركه فيه احد من المسلمين۔

(ابن ابی الحدید ص ۳۹ جزء اول)

حکم ابن عاص جنکو رسول نے شہر بدر کر دیا تھا انکو واپس بلایا اور ایک لاکھ درہم انھیں عطا کیے، رسول اللہ نے وہ مقام جو بازار مدینہ میں مہروز کے نام سے موسوم تھا اس کی آمدنی مسلمین کے لئے مخصوص کر دی تھی اسے عثمان نے مروان کے بھائی عثمان الحرث بن حکم کو بطور جاگیر دیدی، مروان کو فدک جاگیر میں دیدیا حالانکہ اسی فدک کو بضعۃ الرسول جناب سیدہ عالم نے کبھی میراث کے اعتبار سے مانگا اور کبھی ہبہ کی حیثیت سے مگر ہر دفعہ آپکا سوال (ایک موضوع حدیث سے) مسترد کر دیا گیا (خدا معلوم اسوقت وہ حدیث نحن معاشر الانبیاء کہاں تھی۔ جب فدک مروان کے قبضہ میں تھا اور اس کی جاگیر تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مسلمانوں نے اسوقت کیوں خاموشی اختیار کی اور کیوں اس شخص سے جو سیرت شیخین پر عامل تھا۔ کوئی ایسی باز پرس نہ کی گئی جو فدک کے متعلق ہوتی اور جس کا چرچا آج ہم کتب تاریخ میں دیکھتے۔ مترجم) جتنی چراگاہیں مدینہ کے گرد تھیں ان سب کو صرف بنی امیہ کے جانوروں کے لئے مخصوص اور محفوظ کر دیا (یہ چوپایوں کی جاگیر تھی جو بنی امیہ کے چوپائے تھے) اور تمام مسلمین اس کی انتفاع سے روک دیے گئے۔

فتح افریقہ میں جو کچھ بھی ہاتھ لگا جسکے حدود طرابلس غرب سے طنجہ تک تھے وہ بلا شرکت غیرے سب کا سب عبد اللہ بن ابی سرح کے حوالہ کیا اس کے ماسوا ہزاروں روپئے اور لاکھوں عطایا جو ان جاگیروں کے علاوہ تھے بنی امیہ کے لئے تھیں جو کتب قوم میں اپنی اپنی جگہ پر درج ہیں۔
ان جاگیروں کا بلٹانا جو خلاف دین حق دی گئی تھیں عین عدل و انصاف نہ تھا تو اور کیا تھا۔

CS CamScanner

بیسواں[1] خطبہ

16

جب آپکی بیعت مدینہ میں کرلیگئی تو فرمایا

ذِمَّتِي بِمَا أَقُولُ رَهِينَةٌ

میں اپنے قول کا ذمہ دار ہوں

[1] یہ خطبہ آپ کے کسی طویل خطبہ کا ایک جزو ہے جو ڈھونڈھنے والے کو مل سکا اور اس نے عالم کے سامنے پیش کر دیا، یوہیں یہ خطبہ بھی جسکے متعلق علامہ ابن میثم اور ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ یہ ایک طویل خطبہ ہے جس کے اندر بعض بعد کے خطبے بھی شامل ہیں اور پہلے کا وہ خطبہ بھی اسی خطبہ کا جزو ہے جس کی ابتدا "واللہ لو تزوج" سے ہوئی اور جسکا ترجمہ اور شرح او بیان کی جاچکی (اس خطبہ میں مثل چند دیگر خطبات کے جناب سید رضی علیہ الرحمہ کے کچھ نوٹ بھی ہیں، جو فصاحت کلام اور بلاغت مطلب پر روشنی ڈالتے ہیں، انکا ترجمہ اس لئے ترک کرتا ہوں کہ "خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست"

چنانچہ علامہ ابن میثم اور علامہ ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کو مکمل لکھا ہے اور آخر الذکر نے اپنے شیخ ابو عثمان جاحظ کی کتاب بیان وتبین سے نقل کیا ہے اور کتاب مذکور کے صفحہ ۴۴ جلد دوم مطبوعہ مصر پر آج بھی یہ خطبہ موجود ہے۔ ابو عثمان جاحظ نے ابو عبیدہ معمر بن مثنی سے نقل کیا ہے اور جاحظ سے عالم متبحر نے اس خطبہ کو نہ موضوع کہا ہے اور نہ اس نسبت کو جو امام کی طرف ہے مقدوح کیا ہے اور یوں ابتدا کی ہے کہ اول خطبة خطبها علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ یہ پہلا خطبہ ہے جو امیر المومنین نے پڑھا، میں سمجھتا ہوں کہ اسکی اولیت یوں قابل قبول ہے کہ یہ وہ پہلا خطبہ ہے جو بعد بیعت علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے بیان فرمایا گویا بعد بیعت اولیت اسی خطبہ کو حاصل ہے۔

اس خطبہ میں بعض جملے ایسے ہیں جو خطبہ شقشقیہ کے بعض عبارتوں کے مرادف ہیں اور جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب ثلثہ سے امیر المومنین کی محبت کا دعوی وبالعکس، تاریخ عنکبوت سے زیادہ دقیع نہیں۔ یہ بھی روشن و واضح ہے کہ الزام الحاق غلط اور قطعاً غلط ہے ورنہ جاحظ بغیر کچھ کہے ہوئے دم نہ لیتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸

خطبۂ اول امیرالمومنین جسے ابو عثمان جاحظ نے لکھا ہے

اما بعد فلا یرعین مرع الا علی نفسه فان من ارعی علی غیر نفسه شغل عن الجنة والنار امامه ساع مجتهد وطالب یرجو ومقصر فی النار ثلاثة واثنان ملك طار بجناحیه ونبی اخذه الله بیده ولا سادس هلك من ادعی وردی من اقتحم فان الیمین والشمال مضلة والوسطی الجادة منهج علیه باقی الکتاب والسنة ان الله داوی هذه الامة بدوائین السوط والسیف فلا هوادة عند الامام فیهما استتروا فی بیوتکم واصطلحوا فی ما بینکم والتوبة من ورائکم من ابدی صفحته للحق هلك قد کانت امور لم تکونوا عندی فیها محمودین اما انی لو اشاء لقلت عفا الله عما سلف سبق الرجلان وقام الثالث کالغراب همته بطنه یا ویحه لو قص جناحاه وقطع راسه لکان خیرا له حق وباطل ولکل اهل ولئن کثر امر الباطل لقدیما فعل وان قل الحق لربما ولعل ما ادبر شئ فاقبل الخ

قال ابو عبیدة وروی فیها جعفر بن محمد ـــ ان ابرار عترتی واطایب ارومتی احلم الناس صغارا واعلمهم کبارا الا وانا من اهل بیت من علم الله علمنا وبحکم الله حکمنا ومن قول صادق سمعنا وان تتبعوا آثارنا تهتدوا ببصائرنا وان لم تفعلوا یهلککم الله بایدینا معنا رایة الحق من تبعنا لحق ومن تاخر عنا غرق الا وان بنا ترد دبرة کل مومن وبنا تخلع ربقة الذل من اعناقکم وبنا فتح وبنا ختم لا بکم ـ البیان والتبیین جاحظ ص ۲۴ و ۲۵ طبع مصر جلد ا ابن ابی الحدید ص ۳۵۲ طبع طہران جزو اول شرح علامہ ابن میثم

مفہوم و شرح خطبۂ مذکورہ

لوگو! اپنے اوپر رحم کرو اپنی خبر لو جس نے دوسروں کی خبر لی اور ان پر رحم کیا گویا اس نے اپنے نفس پر رحم کیا اور اُسے باقی رکھا، جس شخص کے سامنے آخرت کے یہ دو گھر جنت اور دوزخ ہوں وہ دار دنیا کے جھمیلوں کی طرف خیال ہی نہیں کر سکتا اور نہ ان جھگڑوں میں پڑ سکتا ہے کیونکہ اسکا نصب العین آخرت ہے۔

تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو سنجیدہ سعی کرنے والا اور انتھک کوشش کرنیوالا، دوسرا وہ طلبگار جو امید لگائے بیٹھا ہے اور تیسرا وہ کمی کرنے والا جسکا ٹھکانا جہنم کے سوا کہیں نہیں ہے۔ یہی تین طبقے دنیا میں ہیں، اور دو اور۔ ایک تو ملائکہ جو اپنے پروں سے اڑتے ہیں اور انکا اقتدار و عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ انکی آمد و رفت عرش الٰہی تک ہے اور ایک پیغمبر جسکی دستگیری خدا کرتا ہے اور الٰہی توفیقات اسے سہارا دیئے رہتے ہیں۔

اِنَّ	عِلْمُ	نَا	بِه	آنَا	وَ
یقیناً	کا ضامن ہوں	اس (کی سچائی)		اور (جو کچھ کہتا ہوں)	

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹

ان پانچ قسموں کے سوا کوئی چھٹی قسم نہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اس جگہ ایک پوشیدہ اعتراض امامت پر کیا ہے اور وہ یہ کہ جب چھٹی قسم نہیں اور پیغمبر تک عصمت ختم ہے تو امامت کی عصمت کہاں سے پیدا ہوگی اسکا جواب خود ہی انھوں نے دیا ہے "مگر یہ کہا جائے کہ امامت قسم اول یعنی "صالح مجتہد" میں داخل ہے۔ پھر اس کی تضعیف بھی کی ہے۔ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ بقول ان کے قسم اول امامت کے معنوں کے حاوی ہے جیسے رسالت کے معنوں کو شامل ہے۔ اس کے ماسوا قسم پنجم اسی امامت کی طرف مشیر ہے کیونکہ تخصیص امامت، میں رسالت ہی واسطہ ہوتی ہے اور ہوئی۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ۔ جو رسول تمھیں دے لے لو۔ اسکا مؤید قوی ہے۔

آیت مباہلہ، حدیث نور اور اتحاد نفس کے ماننے کے بعد ابن ابی الحدید کا یہ کمزور اعتراض قابل صد تعجب ہے، جب رسالت اور پیغام الوہیت کا تعلق نفس سے ہوا اور یہ طے ہوگیا کہ نفس معصوم جب تک نہ ہو اسوقت تک وہ التفات باری کا مستحق بحیثیت نبوت نہیں ہوتا تو آیت مباہلہ اتحاد و عصمت نفس ثابت کئے بغیر نہیں رہتا۔

جس نے دعوی امامت (ہمارے سوا) کیا ہلاک ہوگیا، اور جو اس (بحر بے پایاں) میں بے جھجک اترا وہ برباد ہوگیا، یقیناً داہنے بائیں گمراہی کے راستے ہیں اور صراط مستقیم وہی درمیان کا راستہ ہے جو افراط و تفریط سے بچا ہوا فقط اعتدال کو ثابت کرتا ہے، یہی وہ راستہ ہے جس پر کتاب خدا، سنت رسول اور آثار نبوت جگمگا رہے ہیں۔

اللہ نے اس امت کے مرض کی دوا دو طرح سے کی ہے۔ ایک تلوار سے دوسرے کوڑے سے اور اس میں کوئی نرمی اور کوئی کمی آگے چلنے والے راہبر سے نہیں۔

کس قدر عمدہ بیان حقیقت ہے جو تحقیق بھی ہے، اور تعریض بھی سیف حجاج اور درہ عمر پیش نظر ہے۔ حق کے چھوڑنے کے بعد گمراہ مریضوں کی یہی سزا ہے اور یہی دوا ہے، امام کا اطلاق زبان قرآنی میں ان راہبروں کے لئے بھی ہوا ہے جو جہنم کی طرف لیجاتے ہیں۔

وجعلنٰهم ائمة يدعون الى النار۔ (ایسے فتنوں کے وقت) اپنے گھروں میں چھپو اور آپس کے جھگڑوں کو دور کرو۔ مصالحت سے کام لو، اجتماعی حیثیت سے فتنہ و فساد پر کمربستہ نہ ہو تعصب چھوڑو (ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ بعد قتل عثمان اصحاب نبی نے اور دیگر لوگوں نے بنی امیہ کو جن جن کے قتل کرنا چاہا تھا، جس سے امیر المومنین نے روکا اور ایک عظیم احسان اس قوم پر کیا اسی مطلب کیطرف یہ جملے اشارہ کرتے ہیں) جس نے حق کے مقابلہ کے لئے اپنا صفحہ رخ کھولا وہ ہلاک ہوا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰

ایسی باتیں اس سے پہلے تم لوگوں سے ہو چکی ہیں۔ جنھیں میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ یعنی تھیں لوگوں نے حق کو چھوڑا باطل کی بیعت کی اور خلافت کو نبی کے گھرانے سے نکال کے خاندان تیم وعدی میں پہونچایا) خیر جو ہوا سو ہوا خدا عفو کرے۔ (دیکھو نا) اول و دوم گزر گئے یعنی حضرت ابوبکر و عمر، یہاں اس غضب کا اظہار سبق الرجلان سے کیا ہے اور خطبہ شقشقیہ میں شرح غم اور تفصیل غضب فرماکے یہ فرمایا ہے:۔ حتی مضی الاول لسبیلہ فادلی بھا الی ابن الخطاب بعدہ۔ یہ پہلا چل بسا اور عمر کو خلیفہ بنا گیا۔)

اور تیسرا کوّے کی طرح اٹھا خطبہ شقشقیہ میں یوں فرمایا وقام ثالث القوم نافجاحضنیہ بین نثیلہ ومعتلفہ، قوم کا تیسرا آدمی یعنی حضرت عثمان اُٹھے جنھیں سوا کھانے اور پیٹ بھرنے کے کچھ نہ آتا تھا اور یا غذا کا نتیجہ ظاہر کرتے تھے۔ اور یہاں کوّے کی مثال دی ہے اس لئے کہ کوا پرندوں میں سب سے زیادہ حریص جانور ہے، سب سے زیادہ پیٹو اور کھاؤ اس کی نیت کسی وقت بھرتی ہی نہیں، وہ دوسرے کے مال کو ہر وقت تاکا کرتا ہے، وہ چھوڑی ہوئی ہڈی کے چھوڑنے پر بھی تیار نہیں حالانکہ جانتا ہے کہ یہ ہڈی اس سے ٹوٹ نہیں سکتی، اسے وہ کھا نہیں سکتا، مگر خدا بھلا کرے لالچ کا کہ وہ اسے بھی بغیر حاصل کئے نہیں رہتا، چاہے وہ اس کے کام آئے یا نہیں۔ اس کے سوا کوا مردار خوار بھی ہے۔ اس میں امتیاز کم ہے کہ کیا حرام ہے کیا حلال ہے۔ کیا مفید ہے کیا مضر ہے، کیا بدبو ہے کیا خوشبو ہے ذہن کا ایسا کودن کہ اگر وہ کوئی ہڈی اٹھائے جائے اور کہیں رکھدے تو پھر ڈھونڈھے نہیں ملتی، بھول جاتا ہے کہ کہاں رکھی ہے، ڈھونڈھا کرتا ہے عرب میں اسکے متعلق بہت سی مثلیں ہیں:۔

اطمع من غراب احرص من غراب اجشع من غراب

جو طماع ہوتا ہے اور کھاؤ اسے کہتے ہیں کہ یہ کوّے سے بھی زیادہ لالچی اور پیٹو ہے۔

آپ فرماتے ہیں "ھمتہ بطنہ" اس کی تمام ہمتیں اس کے پیٹ تک محدود تھیں (یعنی سوا کھانے کے اور جمع کرنے کے اسے دنیا میں کوئی کام ہی نہ تھا) ہائے ہائے کاش اس کوّے کے دونوں بازو کتر دیئے گئے ہوتے اور اسکا سر کاٹ دیا گیا ہوتا۔ (یعنی کاش یہ تخت خلافت پر آنے سے پہلے مر گیا ہوتا تو اس کے حق میں باعتبار آخرت بہتر تھا) تو یہ اس کے لئے کہیں اچھا تھا۔

"سبق الرجلان" فرمانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ علی ابن ابیطالب ان دونوں سے کسی طرح خوش نہ تھے اور ان کے حرکات سے نالاں تھے کیونکہ سیاق عبارت سے یہ انحراف کافی نمایاں ہے جن لوگوں نے بیعت کی تھی ان کے اس فعل سے بھی خوش نہ تھے جیسا کہ یہ جملہ ظاہر کرتا ہے، قد کانت امور لم تکونوا عندی فیھا محمودین۔

اس کے متعلق ابن ابی الحدید

نہ تم سے شروع کیا نہ تم پر ختم کرے گا۔"

ابن ابی الحدید "نہ باختم" کی شرح میں یہ عبارت لکھتے ہیں :- و نہ باغ ختم لا بکم اشارۃ الی المھدی الذی یظھر فی اخر الزمان و اکثر المحدثین علی انہ من ولد فاطمۃ علیھا السلام واصحابنا المعتزلۃ لا ینکرونہ و قد صرحوا بذکرہ فی کتبھم و اعترف بہ شیوخھم الخ

وہ کہتے ہیں کہ اس فقرے سے اشارہ ہے حضرت حجت عجل اللہ فرجہ و سہل اللہ مخرجہ کی جانب جو آخر زمانے میں ظاہر ہونگے، اور اکثر محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ آپ اولاد فاطمہؑ میں سے ہیں اور ہمارا گروہ معتزلہ بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ بلکہ شیوخ معتزلہ نے اس مطلب کا اعتراف کیا ہے اور اپنی اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱

لکھتے ہیں کہ اس سے وہی تینوں بیعتیں مراد ہیں جو آپ کی بیعت کے قبل ہوئیں اور جن لوگوں نے بیعت کی تھی ان کے اس فعل کو آپ اچھا نہیں سمجھتے (پھر جب دوسروں کی بیعت ناگوار تھی اور ناپسند تھی تو اس ذات نے خود کیونکر بیعت کی ہوگی۔ ان جملوں سے بخوبی یہ امر ظاہر ہے کہ امیر المومنین کو اپنے حق کے چھن جانیکا کتنا صدمہ تھا کہ بار بار اس مطلب کو مختلف عبارات اور مختلف عنوانات سے آپ نے ظاہر فرمایا جو آج تک تاریخوں میں محفوظ رہ گیا۔

حق اور باطل دو ہی چیزیں ہیں حق کے جاننے والے بھی ہیں اور باطل کے دوست بھی ہیں اگر باطل کا کام بکثرت چالو ہے تو ایسا ہوا ہی کیا ہے اور اگر حق والے کم دکھائی دیتے ہیں تو یہ بھی اکثر ہوا ہے اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے (یا یہ کہ شاید حق باوجود قلت غلبہ پا جائے (پھر آپ فرماتے ہیں کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ کثرت ہو کیونکہ کھوئی ہوئی چیز پلٹتی نہیں اور گئی ہوئی چیز ہاتھ نہیں آتی۔

جاحظ بروایت ابو عبیدہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس خطبہ میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے چند جملے اور بڑھائے ہیں اور انھیں اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں جنکا مفہوم حسب ذیل ہے۔ "میری عترت کے اچھے لوگ اور میری نسل کے پاک لوگ بچپنے ہی میں سب سے زیادہ عقلمند اور حلیم ہوتے ہیں اور جوانی اور بڑھاپے میں سب سے زیادہ عالم، آگاہ ہو کہ ہمارا گھرانا اہلبیت کہلاتا ہے، اور میں اسی گھرانے سے ہوں، ہمارا علم خدا کے علم سے ہے اور ہمارا حکم خدا کے حکم سے ہے، اور ہمارے کانوں نے سچی باتیں سنی ہیں، اگر تم ہمارا اتباع اور ہماری پیروی کروگے تو ہدایت و نجات پاؤگے، اور اگر ایسا نہ کروگے تو خدا تمھیں ہمارے ہاتھوں سے ہلاک کرے گا۔

حق کا جھنڈا ہمارے ساتھ ہے، جس نے ہماری پیروی کی اس نے نجات پائی اور جو ہم سے الگ ہو کے چھوٹا وہ غرق و ہلاک ہو گیا۔ ہر مومن کی تدبیر اور اس کی خوبی عاقبت ہمارے سبب سے ہے اور ہماری ہی وجہ سے ذلت کا پھندا تمہاری گردنوں سے جدا ہو گا۔ ہمیں سے خدا نے شروع کیا اور ہمیں پر ختم کرے گا

مَنْ صَرَّحَتْ لَهُ الْعِبَرُ عَمَّا بَيْنَ

جس کے لیے عبرتوں نے آگے آئی ہوئی بلاؤں (اور سامنے کی عقوبتوں)

يَدَيْهِ مِنَ الْمَثُلَاتِ

کو (اچھی طرح) کھول کے ظاہر کر دیا ہو۔

ف آپ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے عبرت سے سبق لیلیا ہو اور اُنکے سامنے یہ منظر آگیا ہے اور وہ بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ جو بلائیں گذشتہ امتوں پر آئیں اور جو انجام بد اگلی قوموں کا ہوا، یہ سب ان کے افعال و عادات کا نتیجہ تھا اور انھیں کا کیا دھرا انھوں نے بیسے مظالم کئے اور یوں عدل و انصاف سے منحرف رہے کہ آخر انکی حالتیں بد سے بدتر ہو گئیں، جہاں قوت تھی وہاں کمزوری نظر آنے لگی، جہاں کثرت تھی وہاں قلت پیدا ہوئی جہاں خوشحالی تھی وہاں بدحالی دکھائی دی اور جہاں عزت نظر آتی تھی وہاں ذلت کی حکمرانی ہوئی، یہ تمام باتیں اور تمام نتائج ان لوگوں کے جہل و فساد ظلم و جور کیوجہ سے پیدا ہوے، لہذا وہ لوگ جو اس فلسفہ تباہی کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں وہ خدا سے ڈرے بغیر نہیں رہتے اور انکو یہی خوف الٰہی ایسی باتوں سے روکتا ہے اور شبہوں میں پڑنے نہیں دیتا کیونکہ شبہوں میں خطا کا امکان ہے اور خطا کا نتیجہ عقوبت ہے لہذا وہ اس عقوبت سے بچنے کے لئے اپنے یقین سے کام لیتے ہیں اور شبہات کی تاریک وادی میں قدم نہیں رکھتے۔ درحقیقت تقویٰ الٰہی ایک ایسی چیز ہے کہ اسی کیوجہ سے نجات حاصل ہوتی ہے، اور شبہات وہ بُری بلا ہیں جن سے الٰہی احکام اور الٰہی فرمان پر کوئی اعتقاد باقی نہیں رہتا بلکہ شیطان مختلف قسم کے وساوس دل میں پیدا کیا کرتا ہے جسکی وجہ سے خدا کے وعدوں تک بھی شبہوں کی رسائی ہوجاتی ہے، اور اسکے متعلق مختلف گمان بد ذہن میں راسخ ہوجاتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ خندق کی نقشہ کشی کرتے ہوئے جناب باری کو مختلف پیرایہ میں مسلمانوں کا حال ظاہر کرنا پڑا اور ان کے عدم تقوے کی تصریح کرنی پڑی کہیں یہ فرمایا کہ "وظنوا بالله الظنون" اللہ کے متعلق انھیں بُرے بُرے گمان پیدا ہوے کہیں کفار عرب کی ہیبت کی یوں تصویر کشی فرمائی جو مسلمانوں کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی "وبلغت القلوب الحناجر" دل کھنچ کے ڈر کے مارے (سانس لینے والی نالی میں آگئے)

سانس لینے والی نالی میں آگئے
یہی وہ شبہات تھے اور یہی وہ تقویٰ کی نایابی تھی جسکی وجہ سے صلح حدیبیہ میں حضرت عمر کو رسول کی رسالت میں ایسا قوی شک پیدا ہوا تھا کہ اللہ تیری پناہ اور آپ برابر اس شک کا اظہار فرماتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ کیا یہ خدا کے رسول نہیں، پھر جب رسول کے فرمانے سے نہیں قرآن کی آیتوں سے نہیں، بلکہ جب ہمنواؤں کے بیان سے کچھ تسلی ہوئی اور تھوڑا سا ظاہری اطمینان پیدا ہوا تو آپ اس شک کا کفارہ برابر دیتے رہے اور توبہ کرتے رہے اب قبولیت توبہ کو خدا ہی جانے

جَزَتْهُ التَّقْوٰى عَنْ تَقَحُّمِ الشُّبُهَاتِ

اسے اللہ کا خوف، شبہوں میں پڑنے سے روکے گا

اَلَا وَ اِنَّ بَلِيَّتَكُمْ قَدْ عَادَتْ

ہشیار ہوجاؤ! تمہاری اگلی آفت اور پہلی بلا (آج) پھر اسی طرح پلٹ آئی

كَهَيْئَتِهَا يَوْمَ بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّكُمْ

جیسے اس دن تھی جب تمہارے نبی کو اللہ نے مبعوث

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَالَّذِيْ

برسالت کیا تھا ۔۔۔ اس ذات کی قسم

بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً

جس نے رسول کو مبعوث بحق کیا، حتماً تم لوگ (بری طرح) خلط ملط کر دیے جاؤ گے۔

وَلَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً وَ

اور یقیناً (گوشت کی طرح) تمہارے ٹکڑے (الگ الگ) کیے جائینگے (یا چھلنی طرح) چھانے جاؤگے اور

سلہ آپ فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کی بالکل وہی حالت ہوتی جاتی ہے جو اسوقت تھی۔ جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے تھے۔ یعنی آپس کا نفاق، تعصب، بغض، حسد، فساد، ظلم، بدگوئی وغیرہ وغیرہ۔ اس بیان سے آپکا یہ مطلب ہے کہ تقویٰ تم لوگوں میں نہیں اگر تقویٰ ہوتا تو یہ حالتیں ہرگز نہ پیدا ہوتیں، پھر تقسیم فرماتے ہیں کہ ان حالتوں اور ان رذائل کے نتائج یہ ہونگے کہ تم لوگ یقیناً بلاؤں میں مبتلا کیے جاؤ گے اور دوسروں کے ہاتھوں سے ذلیل ہوگے، یہاں سے معصوم کا کلام آیندہ کی خبر دے رہا ہے۔

سلہ بنی امیہ کے افعال اور ان کے جور و ستم کیطرف اشارہ ہے کہ وہ تم لوگوں کو تمہاری عادات کیوجہ سے بری طرح سے پیسیں گے اور تم یوں آپس میں ملا دیے جاؤ گے اور خلط ملط کر دیے جاؤ گے کہ یہ نہ معلوم ہوگا کہ عزیز کون ہے اور ذلیل کون ہے؟ بلکہ ذلیل عزیز اور عزیز ذلیل ہو جائے گا حاکم محکوم اور محکوم حاکم ہو جائیگا یہ اسلئے کہ تمہاری تنظیم تمہاری ترتیب اور تمہارے افعال درست نہیں۔ صداقت تم سے رخصت ہے۔ اور دنیا داری تم سے قریب، الغرض تقویٰ تم میں مفقود اور حب دنیا تم میں موجود۔

سلہ "لتغربلن" یا تو یہ غربلہ سے ہے جسکے معنی چھاننے کے ہیں اور اسی سے غربال "چھلنی" کے معنوں میں مستعمل ہے اور یا غربلت اللحم سے ہے جسکے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں، آپ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عدم اتحاد اور نفاق کیوجہ سے ایکدن وہ آئیگا کہ تم یا تو ایک ایک چن چن کے ملائے جاؤ گے اور قتل کئے جاؤ گے جیسا چھاننے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اچھا حصہ آٹے کا محفوظ کر لیا جاتا ہے اور بھوسی الگ کر دی جاتی ہے یوں جلیل القدر اصحاب نبی قتل کر دیے جائینگے اور ولائے اہلبیت پر بہکے بٹھائے جائینگے اور انسے محبت کرنیوالے تہ تیغ کیے جائینگے جیسا کہ معاویہ نے کیا اور جناب حجر اور انکے ساتھیوں کو صرف ولائے اہلبیت کیوجہ سے قتل کر دیا، ایک جناب حجر کیا ہزاروں صحابی مختلف عنوان سے قتل کر دیے گئے اور اسوقت صحابیت کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴

جناب حجر اور اصحاب حجر کا قصور اور اُن کی عظمت

وکان حجر من فضلاء الصحابۃ وکان علی کندۃ یوم صفین وکان علی المیسرۃ یوم النہروان .... وتابعہ جماعۃ من اصحاب علی وشیعتہ وحصب (زیادا) یوما فی تاخیر الصلوۃ ھو واصحابہ فکتب فیہ زیاد الی معاویہ فامرہ ان یبعث بہ الیہ فبعث بہ الیہ مع وائل بن حجر الحضرمی فی اثنی عشر رجلا کلھم فی الحدید فقتل معاویۃ منھم ستۃ واستحیا ستۃ وکان حجر ممن قتل فبلغ ما صنع بھم زیاد الی عائشۃ ام المومنین فبعثت الی معاویۃ عبد الرحمن بن الحرث بن ھشام اللہ اللہ فی حجر واصحابہ فوجدہ عبد الرحمن قد قتل ھو وخمسۃ من اصحابہ...... ثم قدم معاویۃ المدینۃ فدخل علی عائشۃ فکان اول ما بدا تہ بہ قتل حجر فی کلام طویل جری بینھما ثم قال دعینی وحجرا حتی نلتقی عند ربنا...... وکان ابن عمر فی السوق فنعی الیہ حجر فاطلق حبوتہ وقام وقد غلبہ النحیب .... عن مبارک ابن فضالۃ قال سمعت الحسن (البصری) یقول وقد ذکر معاویۃ وقتلہ حُجرا واصحابہ ویل لمن قتل حجرا واصحاب حجر قال احمد قلت لیحیی بن سلیمان ابلغک ان حجرا کان مستجاب الدعوۃ قال نعم وکان من افاضل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم

قال لما حج معاویۃ جاء المدینۃ زائرا فاستاذن علی عائشۃ رضی اللہ عنھا فاذنت لہ فلما قعد قالت لہ یا معاویۃ اامنت ان اخباء لک من یقتلک باخی محمد بن ابی بکر فقال بیت الامان دخلت

قالت یا معاویۃ اما خشیت اللہ فی قتل حجر واصحابہ قال انما قتلھم من شھد علیھم۔

ولما بلغ الربیع بن زیاد الحارثی من بنی الحرث بن کعب وکان فاضلا جلیلا وکان عاملا لمعاویۃ علی خراسان وکان الحسن بن ابی الحسن کاتبہ فلما بلغہ قتل معاویۃ حجر بن عدی دعا اللہ عز وجل فقال اللھم ان کان للربیع عندک خیر فاقبضہ الیک وعجل فلم یبرح من مجلسہ حتی مات۔ (استیعاب صفحہ ۳۵۸ طبع مصر و اصابہ فی تمیز الصحابہ بعبارات مختلفہ)

جناب حجر بن عدی کا شمار افضل صحابہ میں تھا۔ امیر المومنین کے ساتھ جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کی سرداری میں جنگ فرما رہے تھے اور نہروان میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام کیطرف سے میسرہ لشکر پر سردار تھے۔ جب زیاد کوفہ کا گورنر ہو کر معاویہ کی طرف

اس پر جس نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرایا، احمد کہتے ہیں ...... کہ میں نے یحییٰ بن سلیمان سے پوچھا کہ تمھیں بھی یہ خبر پہونچی کہ جناب حجر کی دعا ضرور مقبول ہوتی تھی اور وہ مستجاب الدعوۃ تھے انھوں نے کہا ہاں ایسا ہی تھا اور وہ افاضل صحابۂ رسول میں سے تھے۔

جب معاویہ نے حج کیا اور عائشہ سے ملنے کی اجازت چاہی تو ام المومنین نے اندر آنے کی اجازت دی جب معاویہ بیٹھا تو ام المومنین نے کہا کہ تم کیسے بے جھجک میرے گھر میں چلے آئے اور مجھ سے یہاں کسی کو چھپا کے تمھیں اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے عوض قتل کرا دیتی معاویہ نے کہا نہیں ایسا نہیں یہ امن و امان کا گھر ہے۔ پھر ام المومنین نے فرمایا کیوں معاویہ تو خدا سے نہ ڈرا اور حجر اور اسکے ساتھیوں کو بے قصور قتل کر ڈالا معاویہ نے کہا میں نے کا ہیکو قتل کیا قتل ان لوگوں نے کیا جنھوں نے حجر کے خلاف گواہیاں دیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵

سے گیا اور اس نے وہاں بے دینی اور بے ایمانی کرنی شروع کی تو جناب حجرؓ نے اس کو اپنا حاکم و والی نہیں مانا) اور آپکا ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت شیعۂ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے دیا، ایک روز جب نماز کا وقت گذرا جا رہا تھا اور زیاد کسی صورت سے نماز کا خیال نہ کرتا تھا اور اپنے خطبہ کو ختم ہی نہ کرتا تھا۔ اور نماز قضا ہو رہی تھی تو جناب حجر نے پہلے اس سے اُترنے کو کہا جب وہ نہ اُترا تو اس پر سنگریزے مارے۔ یہی سلوک آپ کے ساتھیوں نے بھی کیا۔

اس واقعہ کی اطلاع زیاد نے معاویہ کو دی وہاں سے حکم ہوا کہ جناب حجر کو اسیر کر کے بھیجا جائے چنانچہ (بعد مقابلہ و جنگ بسیار) جناب حجر اپنے ساتھیوں سمیت اسیر ہو گئے اور وائل بن حجر حضرمی کی حراست میں بارہ آدمی مع جناب حجر کے لوہے میں جکڑے ہوئے معاویہ کے پاس بھیجے گئے۔ معاویہ نے چھ آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور چھ کو چھوڑ دیا۔ ان مقتولین میں جناب حجر بھی تھے۔

زیاد نے جو کچھ کیا تھا جب اسکی خبر ام المومنین کو پہونچی تو انھوں نے فوراً عبدالرحمٰن بن حرث بن ہشام کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ حجر وغیرہ اصحاب رسول میں ہیں انکا خیال کیا جائے اور انکی جان نہ لیجائے، مگر افسوس کہ عبدالرحمٰن اسوقت پہونچے جب جناب حجر شہید ہو چکے تھے اور ان کے ساتھی بھی کام آ چکے تھے۔ حضرت عائشہ کے دل پر قتل جناب حجر کا وہ اثر تھا کہ جب معاویہ ایک دفعہ مدینہ آیا تو سب سے پہلے ام المومنین نے جناب حجر کے قتل کا افسانہ چھیڑا جسکو سنکر معاویہ نے کہا ہٹائیے اس ذکر کو ہم اور حجر خدا کے سامنے جائینگے اور وہاں فیصلہ ہو رہے گا۔

حضرت حجر کی وہ عظیم ہستی تھی کہ جب عبداللہ بن عمر نے خبر قتل جناب حجر راستہ میں سنی تو چیخ مار کر روئے (یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ شہید راہ خدا پر ماتم کرنا اور رونا بدعت نہیں ورنہ حضرت عبداللہ بن عمر ہرگز نہ روتے اور فرماتے، ع

"ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے"

جناب حجر کی جلالت قدر یہ تھی کہ جب حسن بصری نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا وائے ہو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۶

ربیع ابن زیاد حارثی جو خراسان پر معاویہ کیطرف سے والی تھے انھوں نے جب اس قتل کو سنا تو وہ دنیا سے بیزار ہو گئے اور انھوں نے متاثر ہو کر اپنی موت کی دعا کی چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور فوراً اسی جگہ انکا انتقال ہو گیا۔

جناب حجر کا قصور، گواہی کی حقیقت، حجر کے خلاف گواہی دینے والے کون لوگ تھے

آپ کا قصور صرف یہ تھا کہ آپ سب و شتم داماد رسول علی ابن ابیطالب نہ فرماتے تھے، آپ خلاف شریعت اسلام باتوں کو دیکھ نہ سکتے اور آپ پر حسب ذیل الزام لگائے گئے تھے۔

ان حجراً الجمع الیہ الجموع واظہر شتم الخلیفۃ ودعا الی حرب امیر المومنین (معاویۃ) وزعم ان ھذا الامر لا یصلح الا فی آل ابی طالب ووثب بالمصر واخرج عامل امیر المومنین واظہر عذر ابی تراب والترحم علیہ والبراءۃ من عدوہ واہل حربہ وان ھولاء النفر الذین معہ ھم رؤس اصحابہ وعلی مثل رایہ وامرہ

حجر نے لشکر بغاوت امیر کے لئے اکٹھا کیا اور خلیفۂ وقت کو گالیاں دیتے ہیں اور معاویہ کے خلاف آتش جنگ مشتعل کر رہے ہیں اور انکا یہ خیال ہے کہ خلافت سوا ابوطالب کے گھرانے کے کسی دوسرے کا حق نہیں، شہر میں انھوں نے اُدھم مچا رکھا ہے اور امیر المومنین معاویہ کے عامل کو نکال باہر کیا ہے، ابو تراب کی طرف سے عذر و معذرت پیش کرتے ہیں اور ان پر رحم کا اظہار کرتے ہیں اور علی کے دشمنوں سے اور ان سے جنگ کرنے والوں سے برارت کرتے ہیں اور جو لوگ حجر کے ساتھ ہیں وہ بھی اسی خیال کے ہیں اور اسی رائے کے ہیں

اور یہ لوگ اس گروہ کے راہبر ہیں۔

یہ گواہیاں جناب حجر کے خلاف چار آدمیوں کی تھیں عمرو بن حریث، خالد بن عرفطہ، قیس بن ولید بن عبد شمس بن مغیرہ اور ابو بردہ پسر ابو موسیٰ اشعری، ان گواہیوں کو زیاد نے کم سمجھا اور کہا کہ اس محضر پر زیادہ گواہیاں ہونی چاہئیں چنانچہ ایک بڑا محضر تیار کیا گیا اور اس پر دشمنان رسول و آل رسول کی گواہیاں ثبت کرائی گئیں بہت سی گواہیاں اپنی طرف سے بھی بڑھا دی گئیں اور دوسروں کا نام لکھ دیا گیا۔ وہ محضر شہادت یہ تھا۔ دیکھو کامل ابن اثیر اور طبری جلد ششم صفحہ ۱۵۰ طبع مصر

محضر شہادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا ما شھد علیہ ابو بردۃ ابن ابی موسیٰ للہ رب العالمین شھد ان حجر بن عدی خلع الطاعۃ و فارق الجماعۃ ولعن الخلیفۃ

بھائی پر امیر المومنین نے حد جاری کی تھی اور جس نے شراب پی کر نماز صبح پڑھائی تھی چھٹا وہ شخص ہے جو سید الشہدا کا قاتل ہے اور جس نے حکومت رے کے لئے دین و دنیا کو بیچا تھا، ساتواں اور آٹھواں وہ آدمی ہے جو جنگ جمل میں تھا اور جس کے رشتہ دار بھی ام المومنین کی لجام اشتر پکڑے ہوئے تھے، نواں وہ شخص ہے جو خوارج میں تھا پھر معاویہ کی بیعت کی۔ اسکے پہلے سجاح جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسکا موذن تھا، پھر سید الشہدا حسینؑ ابن علیؑ کو اس نے شیعہ بنکر خط لکھا اور مدینہ سے نکالا پھر سید الشہدا کے خون میں شریک ہوا، یہی وہ تھا جس نے کوفہ میں جناب مسلم کے خلاف ابن زیاد کی طرف سے پروپیگنڈا کیا۔ یہانتک کہ عظیم تفرقہ ڈال دیا۔ اس کے بعض حالات اصابہ میں دیکھو۔ مصقلہ، یہ وہ تھا جسنے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس رہ کر غبن کیا اور حاکے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷

ودعا الی الحرب والفتنۃ وجمع الیہ الجموع یدعوھم الی نکث البیعۃ وخلع امیر المومنین معاویۃ۔

یہ وہ محضر شہادت ہے جس پر ابو بردہ پسر ابو موسیٰ اشعری صرف خدا کے لئے یہ گواہی دیتا ہے کہ حجر بن عدی نے طاعت امیر شام سے علیحدگی اختیار کی اور جماعت میں تفرقہ ڈالا اور خلیفۂ وقت پر لعنت کی اور اُن کے خلاف جنگ و فتنہ کو برانگیختہ کیا اور لشکر اس مطلب کے لئے اکٹھا کئے اور لوگوں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ امیر المومنین معاویہ کو تخت خلافت سے اُتار دیں اور اُنکی بیعت توڑ ڈالیں۔

جب یہ عبارت لکھی جا چکی تو زیاد نے کہا کہ ہاں اب اس پر بہت زیادہ دستخط ہونے چاہئیں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تسمہ نہ باقی رہ جائے اور اس خائن واحمق (معاذاللہ) حجر کی گردن جدا کر دیجائے۔"

اس محضر پر علاوہ ان چار ناموں کے اوروں کے بھی دستخط ہونے لگے۔ سب سے پہلے دستخط طلحۃ بن عبید اللہ کے تین صاحبزادوں کے ہوئے ایک کا نام اسحاق بن طلحہ تھا اور دوسرے کا نام موسیٰ بن طلحہ تھا اور تیسرے کا نام اسمٰعیل بن طلحہ تھا، اس کے بعد منذر ابن الزبیر کے دستخط ہوئے۔ پھر عمار بن عقبہ بن ابی معیط، عمر بن سعد بن ابی وقاص نے دستخط کئے۔ وائل بن حجر حضرمی، قطن بن عبید اللہ شبث بن ربعی، مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی، قعقاع بن شور ذہلی۔ ابن بزمیعہ حجار بن ابجر، عمرو بن حجاج، شمر بن ذی الجوشن وغیرہ وغیرہ غرضکہ ستر آدمیوں نے اپنے اپنے دستخط کئے اور یہ اسیر مع اس شہادت نامہ کے معاویہ کے پاس بھیجے گئے۔

جن لوگوں کے نام درج کئے گئے یہ کون لوگ تھے، اس سے زمانہ ناواقف نہیں اول الذکر چار شخص تو ان بانیوں کی یادگار ہیں جنھوں نے جنگ جمل اپنی خلافت حاصل کرنے کے لئے قائم کی تھی یعنی طلحہ و زبیر پانچواں شخص وہ ہے جسکے

بقیہ صفحہ ١٦٨

ڈرے، وہاں سے بھاگا اور معاویہ کے گروہ میں شامل ہوگیا، اس کے متعلق آپ نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے کہ "فر فرار العبید" غلاموں کی طرح بھاگ گیا۔

قعقاع یہ وہ دنیا دار آدمی تھا جو عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارتا رہا دیکھو کتب تاریخ اور آج دولت دیکھکے حق کے خلاف باتیں کر رہا ہے۔

ابن زبعیہ یہ وہ تھا جس کے باپ کا وجود ہی نہ تھا ایسے آدمی سے اور کیا امید کیجا سکتی ہے، زیاد نے اسکے متعلق کہا تھا۔ ما لھذا اب نیسب الیہ القوا ھذا من الشہود" اسکا کوئی باپ نہیں جس کی طرف منسوب ہو لہذا اسکا نام گواہوں سے نکال ڈالو جب یہ خبریں بزلعیہ کو پہونچیں تو اس نے کہا ویلی علی ابن الزانیۃ او لیست امہ اعرف من ابیہ واللہ ما ینسب الا الی امہ سُمیّہ لو اس زناکار عورت کے بچے کو دیکھو مجھے بے باپ کا بتا کے مطعون کرتا ہے کیا، اسکی ماں اسکے باپ سے زیادہ مشہور نہیں جسکی طرف وہ منسوب کیا جاتا ہے یعنی سُمیّہ کیطرف۔ (طبری صـ١٥١ طبع مصر جلد ٦)

حجار بن ابجر یہ شخص نصرانیوں میں سے تھا، دیکھو اصابہ" پھر دولت کا کتا رہا۔ سید الشہداء کو اس نے بھی خط لکھ کے مدینہ سے بلوایا ہے اور جناب مسلم کے خلاف جنگ کی ہے۔

عمرو بن حجاج، یہ وہی ہے جس نے حسین ابن علی کو بلوایا اور فرات کی گھاٹیاں روکے رہا۔

شمر بن ذی الجوشن، اسکے تعارف اور دین فروشی کے اظہار کی ضرورت نہیں، رسول اور آل رسول کا دشمن اس سے بڑھ کے کون ہو سکتا ہے۔

اس فہرست میں کچھ گواہ ایسے بھی تھے جو موجود نہ تھے اور انکا نام لکھدیا گیا تھا جیسا سری بن قاضی کی گواہی لکھدیگئی حالانکہ وہ موجود نہ تھا والسری بن وقاص الحارثی وکتب شہادتہ وھو غائب (طبری صـ١٥١) کچھ ایسے تھے جنکا نام زبردستی لکھدیا گیا اور وہ راضی نہ تھے جس پر قبیلہ ربعیہ بگڑا تھا، کیونکہ یہ لوگ اسی قبیلہ کے تھے،

یہ ہیں شریح بن ہانی کا نام لکھ دیا گیا حالانکہ انھوں نے خود لوگوں سے فرمایا کان یقول ما شھدت ولقد بلغنی ان قد کتبت شہادتی فاکذبتہ ولمتہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حجر کے خلاف کوئی گواہی نہیں دی مگر میں نے سنا کہ میرا نام گواہوں میں درج کر دیا گیا تو میں نے اسے جھٹلایا اور اسکی مذمت کی (دیکھو کامل وطبری صـ١٥١)

ایک یہ بھی ہے اور سب سے بڑی چیز تو مسئلہ خطائے اجتہادی ہے جو عالم اسلام و شریعت کے برباد کرنے کے بعد بھی آدمی کو گنہگار نہیں ہونے دیتا بلکہ عصمت آفریں بنا دیتا ہے۔ ؎

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

جو فردِ جرم جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کے لئے تیار کی گئی تھی اس کا ظاہر جو بھی رہا ہو، مگر درحقیقت اس قتل کے اندر عداوت اہلبیتِ رسول کام کر رہی تھی اور صرف محبت خاندانِ رسول و اہلبیت ہی ایک ایسا عظیم گناہ معاویہ اور زیاد کے نزدیک تھا جو قابلِ معافی نہ تھا اور جس کی سزا موت اور صرف موت تھی۔

چنانچہ ان اصحاب باصفا کو قتل کرنے کے لئے جب قاتل آیا ہے تو اُس نے وجہ قتل کو یوں ظاہر بھی کر دیا ہے وقالوا لھم قبل القتل انا قد امرنا ان نعرض علیکم البراءۃ من علی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹

ایک جھوٹی اور جبری گواہی کے متعلق شریح بن ہانی کا خط معاویہ کے نام

ودفعہ الیہ وائل کتاب شریح بن ھانی فاذا فیہ بلغنی ان زیادا کتب شھادتی وان شھادتی علی حجر انہ ممن یقیم الصلوۃ ویوتی الزکوۃ ویدیم الحج والعمرۃ ویامر بالمعروف وینھی عن المنکر حرام الدم والمال فان شئت فاقتلہ وان شئت فدعہ فقال معاویۃ ما اری ھذا الا قد اخرج نفسہ من شھادتکم (کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ طبع مصر و طبری جلد ششم حالات مقتل حجر رح) وائل نے شریح کا خط جو انھیں اسیروں کو لیجاتے ہوئے دیا گیا تھا۔ معاویہ کو دیا اس نے کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ:۔

"مجھے خبر ملی ہے کہ زیاد نے میری گواہی بھی اس میں درج کر دی ہے جو حجر کے خلاف ہے (حالانکہ) میں تو اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ حجر ان لوگوں میں ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں، حج و عمرہ کیا کرتے ہیں اچھی باتوں کا حکم دیا کرتے ہیں، بری باتوں سے روکا کرتے ہیں، ان کا خون بہانا حرام ہے، انکا مال ضبط کرنا حرام ہے یہ میری گواہی ہے اب چاہے تو انھیں قتل کر چاہے چھوڑ دے۔"

اس صریحی گواہی کے بعد معاویہ کا جناب حجر کو قتل کر دینا اور پھر ام المومنین سے وقت گفتگو یہ کہنا کہ میں نے حجر کو کہیں قتل کیا، قتل انھوں نے کیا جنھوں نے حجر کے خلاف گواہیاں دیں تخریب قوانین اسلام کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، بعینہ ایسا ہی جواب جناب عمار کے قتل کے متعلق اس نے وضع کیا تھا کہ قاتل عمار وہ ہے جو عمار کو میدان جنگ میں لایا، نہ وہ لاتا نہ عمار قتل ہوتے، جس پر امیر المومنین ع نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس اعتبار سے گویا جناب حمزہ کے قاتل (معاذ اللہ) رسول اللہ تھے۔ بہرحال سر سے الزام ہٹانے کے لئے مختلف تدابیر سوچی گئیں منجملہ انکے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰

واللعن له فان فعلتم ترکناکم وان ابیتم قتلناکم فقالوا لسنا فاعلی ذلك فامر فحفرت القبور واحضرت الاکفان وقام حجر واصحابه یصلون عامة اللیل فلما کان الغد قدموهم لیقتلوهم فقال لهم حجر بن عدی اترکونی اتوضا واصلی فانی ما توضات الا صلیت فترکوه فصلی ثم انصرف منها وقال والله ما صلیت صلاة قط اخف منها ولولا ان تظنوا فی جزعا من الموت لاستکثرت فیها۔ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ طبع مصر طبری بمضمون واحد۔ عبارت مختلف صـ ۱۵۴ جلد ششم۔

قتل کرنے والوں نے جناب حجر اور ان کے ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ تم علی ابن ابیطالب سے برأت چاہو اور ان پر (معاذ اللہ) لعنت کرو، اگر تم ایسا کروگے تو ہم تمھیں چھوڑ دیں گے اور اگر اس سے انکار کروگے تو قتل کر دیئے جاؤگے، ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ تو ہم سے نہ ہوگا چاہے جان جاتی رہے (زندہ باد رحایاے دولت ایمان) ع ۵

دیکھنے والے دیکھیں کہ حق کا ساتھ دینے والے اس معیت میں جان کی بھی پروا نہیں کرتے، اور یہ بھی غور کریں کہ قتل کرنے والے اس وقت کوئی جرم بجز جرم محبتِ اہلبیت کے نہیں بیان کرتے۔

میکشانِ بادۂ ولا کے تیور اور ان کی گفتگو

قیس ابن عباد شیبانی نے جو وقت آکے زیاد سے بیان کیا ہے کہ ہمارے اسیروں میں سے ایک شخص ہے جس کا نام "صیفی" ہے اور جو دلدادۂ خانوادۂ رسول ہے۔ وہ جناب حجر کے گروہ کا سردار ہے اور محبت اہلبیت میں بجد مضبوط، اس جگہ پر تاریخ کے صفحات دیکھنے کے قابل ہیں۔ فبعث زیاد فاتی به فقال یا عدو الله ما تقول فی ابی تراب قال ما اعرف ابا تراب قال انا اعرفك اتعرف علی ابن ابی طالب قال نعم قال فذاك ابو تراب قال کلا ذاك ابو الحسن والحسین فقال صاحب الشرطة یقول الامیر هو ابو تراب وتقول لا قال فان کذب الامیر اکذب انا واشهد علی باطل کما شهد فقال له زیاد وهذا ایضا علی بالعصا فاتی بها فقال ما تقول فی علی قال احسن قول قال اضربوه فضربه حتی لصق بالارض ثم قال ما قولك فی علی قال والله لو شرحتنی بالموسی ما قلت فیه الا ما سمعت منی قال لتلعننه او لاضربن عنقك قال لا افعل فاوثقوه حدیدا وحبسوه۔

کامل جلد ۳ صـ ۱۸۹ وطبری

زیاد نے جناب صیفی کو بلوایا، آئے تو زیاد نے کہا کیوں اے دشمن خدا (معاذ اللہ) ابو تراب کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ جناب صیفی نے فرمایا

ع ۵ جناب حجر نے ظالموں سے اجازت لیکے وضو کیا نماز پڑھی مگر مختصراً اور فرمایا کہ نماز میں طول میں نے اس لئے نہیں دیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ خیال کرو کہ حجر قتل سے ڈر گئے ۱۲

CS CamScanner

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱

کہ میں ابو تراب کو نہیں پہچانتا، زیاد نے کہا میں تجھے پہچنوائے دیتا ہوں، تم علی ابن ابیطالب کو پہچانتے ہو؟ کہا ہاں کہا تو یہی ابو تراب ہیں، کہا ہرگز نہیں یہ تو ابو الحسن اور ابو الحسین ہیں، ایک درباری امیر نے کہا کہ حاکم تو انھیں ابو تراب کہتا ہے، اور تم کہتے ہو وہ ابو تراب نہیں، جناب صیفی نے کہا کہ تو کیا یہ ضروری ہے کہ اگر تمھارا امیر جھوٹ بولے تو میں بھی جھوٹ بولوں اور میں بھی ویسی ہی جھوٹی گواہی دوں جیسا تمھارے امیر نے دی، زیاد نے کہا کہ یہ بھی نوٹ کرنے کے قابل جرم ہے، اچھا میری لکڑی لاؤ چنانچہ لکڑی لاکے دی گئی۔ زیاد نے کہا کہو علی کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ کہا جو بہترین قول ہے وہ کہتا ہوں۔ زیاد نے حکم دیا کہ اس زور سے لکڑی مارو کہ زمین سے چوٹ کھا کے متصل ہو جائیں۔ چنانچہ لکڑی مار گئی اور جناب صیفی زمین پر گر گئے، پھر زیاد نے پوچھا اب کہو علی کے بارے میں کیا کہتے ہو، فرمایا اے زیاد اگر میری بوٹیاں بھی تو اڑا دے تو میرے منھ سے علیؑ کے لئے وہی کلمہ نکلیگا جو تو سن چکا، زیاد نے کہا علی پر لعنت کرو گے؟ (معاذ اللہ) یا تمھاری گردن اڑا دوں۔ فرمایا یہ تو مجھ سے کبھی نہ ہوگا (جو تو چاہے کر) بہر حال اسی جرم میں لوہے میں جکڑ دیے گئے۔ اور قید کر دیے گئے

"ابو تراب" سے اس لئے انکار تھا تاکہ دنیا دھوکے میں نہ رہے اور لوگ یہ جان لیں کہ باطل پرست طبقہ کیونکر نفس رسول کا دشمن ہے، اس لئے انکار کیا تھا کہ لقب بجا، زیاد امیر المومنین علیہ السلام کا نام لے، نہ اس لئے کہ آپ نہ جانتے رہے ہوں نیز اس لئے بھی کہ حسن و حسین کا بھی تذکرہ آجائے اور رسول کی محبت کی طرف بھی لوگوں کا خیال منتقل اور متبادر ہو کیا خاموش تبلیغ تھی اور کیا شجاعت و دلیری تھی کہ جس کے سامنے باطل کی کوئی پروا نہیں کی گئی یہ ہے ہماری فرد

اُن اصحاب کے اسمائے گرامی جو جناب حجرؓ کے ساتھ قتل کیے گئے

حجرؓ بن عدی، شریکؓ بن سداد حضرمی، صیفیؓ بن فسیل شیبانی، قبیصہؓ بن ضبیعہ عبسی

محرزؓ بن شہاب سعدی تمیمی کدامؓ ابن حسان عنزی۔ عبدالرحمن بن حسان عنزی ان آخر الذکر کو بحکم معاویہ زیاد نے قتل نہیں کیا بلکہ زندہ زمین میں گڑوا دیا۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون جس ذات گرامی کو زندہ گڑوا دیا اس کا تصور بھی سُن لیجئے۔ قال لعبد الرحمن بن حسان یا اخا ربیعہ ما تقول فی علی قال دعنی ولا تسئلنی فھو خیر لک قال واللہ لا ادعک قال اشھد انہ کان من الذاکرین اللہ کثیرا من الآمرین بالحق والقائمین بالقسط والعافین عن الناس قال فما قولک فی عثمان قال ھو اول من فتح باب الظلم و اغلق ابواب الحق قال قتلت نفسک قال بل ایاک قتلت ...... فردہ معاویۃ الی زیاد و امرہ ان یقتلہ شر قتلۃ فدفنہ حیا (کامل صہ ۱۹۳ جلد ۲)

عبدالرحمن بن حسان سے

وَلَتُسَاطُنَّ سَوْطَ الْقِدْرِ حَتّٰى يَعُوْدَ
تم اُبلتی ہوئی دیگ کی طرح تلے اوپر کیے جاؤ گے، یوں کہ
اَسْفَلُكُمْ اَعْلَاكُمْ وَ اَعْلَاكُمْ
تمہارے کم رتبہ بلند مرتبہ اور بلند مرتبہ
اَسْفَلَكُمْ وَلَيَسْبِقَنَّ سَابِقُوْنَ
کم رتبہ ہو جائیں گے۔ جنھوں نے پہلے کمی کی تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲

معاویہ نے پوچھا کہو اے ربعیہ کے فرزند تم علی کے بارے میں کیا کہتے ہو، جواب دیا، اے معاویہ ایسے سوالوں کو چھوڑ، اسی میں تیرے لئے بہتری ہے، معاویہ نے کہا بجد البغیر پوچھے نہ رہونگا، کہا تو سن علی وہ تھے جو بہت زیادہ خدا کی یاد کرنیوالے تھے، وہ حق کا حکم فرماتے تھے، عدل سے کام لیتے تھے، لوگوں سے درگزر کرتے تھے، معاویہ نے پوچھا اور عثمان کیسے تھے، فرمایا سن عثمان وہ پہلا آدمی ہے جس نے ظلم کے دروازے کھولدیے اور حق کے دروازے بند کر دیے معاویہ نے کہا تم نے اپنی جان لی (علی کی مدح اور عثمان کی برائی کر کے عبدالرحمن نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے تیری جان لی اور تجھے قتل کر دیا، معاویہ نے آپ کو زیاد کے پاس بھیجدیا اور کہا کہ انھیں بری طرح قتل کرو چنانچہ اس نے آپکو زندہ گڑوا دیا۔

انھیں واقعات کی طرف امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک دوسرے خطبہ میں اشارہ فرمایا ہے اور آئندہ ہونے والے واقعات بیان کئے ہیں جسکی ابتدا اما انہ سیظھر علیکم بعدی رجل رحب البلعوم مندحق البطن .... وانہ سیامرکم بسبی والبرائۃ منی واما السب فسبونی فانہ لی زکاۃ ولکم نجاۃ واما البراءۃ فلا تتبروا منی فانی ولدت علی الفطرۃ وسبقت الی الایمان والھجرۃ۔ اس میں آپ نے ظاہر فرمایا ہے کہ امیر شام تم لوگوں کو (اصحاب علیؑ) مجبور کریگا۔ کہ تم مجھے گالیاں دو برا بھلا کہو

(اگر ایسا نہ کرو گے تو تمھاری جان کا خطرہ ہے) خیر مجھے گالیاں دے لینا۔ برا بھلا کہہ لینا تمھاری جان تو بچ جائیگی گر دیکھو مجھ سے برات نہ کرنا۔ کیونکہ میں ہی ہوں جو فطرت اسلامی پر پیدا ہوا اور سابق الایمان اور سابق الہجرۃ ہوں۔

جو کچھ فرما گئے تھے وہ حرف بحرف صحیح نکلا اور حجر اور دیگر شیعیان علی کا قتل و غارت و نہب اس صداقت پر گواہ ہے

لتبلبلن۔ تغربلن اور لتساطن یہ تینوں جملے قریب قریب ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں اور اس انقلاب کی تصویر کشی کرتے ہیں جو اسلام میں رونما ہوا۔

۵ یعنی وہ لوگ جو زمانہ رسول و وصی میں باعزت تھے وہ ذلیل نظر آئیں گے جو محبوب رسول و وصی تھے وہ دشمن سمجھے جائیں گے اور ان کے ساتھ دشمنوں ہی کا سا سلوک کیا جائے گا۔

كَانُوا قَصَرُوا ، وَلَيَقْصُرَنَّ سَبَّاقُونَ		
اور پیچھے رہ گئے تھے وہ آگے بڑھ جائینگے اور جو پہلے آگے بڑھ گئے تھے وہ پیچھے		
كَانُوا سَبَقُوا وَاللهِ مَا كَتَمْتُ وَشْمَةً		
ہو جائیں گے خدا کی قسم میں نے کوئی (ظاہر کردینے والی) بات چھپائی نہیں		

ف جو لوگ کہیں پیچھے تھے وہ آگے بڑھے ہوئے دکھائی دیں گے اور جو کہیں آگے تھے وہ انقلاب زمانہ سے کہیں پیچھے دکھائی دینگے حق مغلوب ہوتا ہوا نظر آئے گا باطل غالب ہوتا ہوا دکھائی دیگا، ان فقرات کی شرح میں ابن عبدہ شارح نہج البلاغۃ اپنا نوٹ یوں لکھتے ہیں۔ ولقد سبق معاویہ الی مقام الخلافۃ و قد کان فی قصورہ عنہ بحیث لا یظن وصولہ الیہ وقصر آل بیت النبوۃ عن بلوغہ وقد کانوا اسبق الناس الیہ۔

دیکھو نا معاویہ جس کے متعلق وہم و گمان بھی نہ تھا وہ خلافت تک پہونچ گیا اور خلیفہ بن بیٹھا اور اہلبیت رسول جنکا حصہ اور حق خلافت تھا وہ محروم کردیئے گئے اور خلافت انکو نہ مل سکی (یعنی ظاہری حیثیت سے ورنہ خلافت الٰہیہ حقیقی سے انھیں کون ہٹا سکتا ہے)

علامہ ابن میثم علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اس سبقت وقصور سے اس مطلب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے بعد وفات رسول اس گروہ کی مدد نہیں کی جو گروہ علیؑ ابن ابیطالب کا ناصر و معین تھا اور اسکے بعد عہد حکومت علی ابن ابیطالب میں وہی لوگ ساتھ دینے لگے اور آپ کی مدد کرنے لگے۔ اس مطلب کو بعض شارحین نے لکھا ہے۔

ف آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی بات جو رسول مجھ سے فرما گئے تھے اور تمھارے نفع کے لئے تھی پوشیدہ نہیں رکھی اور نہ کبھی کذب سے کام لیا اس جگہ پر شارح نہج ابن عبدہ یہ عبارت لکھتے ہیں۔ وکان رضی اللہ عنہ لا یکتم شیئا یجول بنفسہ کان امارا بالمعروف نہاء عن المنکر لا یحابی ولا یداری ولا یکذب ولا یداجی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے درحقیقت کسی بات کو نہیں

چھپایا۔ آپ اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور بری باتوں سے روکنے والے تھے، آپ اس وقت میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ نہ نرمی سے کام لیتے تھے بلکہ سختی سے تبلیغ فرماتے تھے اور کبھی جھوٹ نہ فرماتے تھے۔

اس فقرہ کو قبل میں لانا گویا مطلب آئندہ کے صداقت کی تمہید ہو جسے آپ نے یوں شروع کیا ہے کہ لقد نبئت بھذا المقام مجھے اس کشمکش بیعت وخلافت کی خبر رسول نے پہلے ہی دیدی تھی اور مجھے بتا گئے تھے کہ میرا حق یوں غصب ہوگا اور یوں دوسرے لوگ غصب حق میں حصہ لیں گے۔ اس غصب کی تکلیف کا اظہار آپ نے متعدد مقامات پر مختلف عنوانات سے فرمایا ہے چنانچہ اس خطبہ میں بھی اسکا ذکر ہے۔

وَلَا كَذَبْتُ كِذْبَةً ؕ وَلَقَدْ

اور نہ کبھی جھوٹ بولا۔ اس

نُبِّئْتُ بِهٰذَا الْمَقَامِ وَهٰذَا الْيَوْمِ

محل (بعیت و خلافت) اور آج کے دن کی اطلاع

أَلَا وَإِنَّ الْخَطَايَا خَيْلٌ شُمُسٌ

مجھے پہلے دے دی گئی تھی۔ یاد رہے (جیسے) خطائیں وہ منہ زور گھوڑے ہیں

حُمِلَ عَلَيْهَا أَهْلُهَا وَخُلِعَتْ لُجُمُهَا

جن پر خطا کار سوار کئے گئے ہیں اور انکی باگیں ڈھیلی کر دی گئی ہیں

فَتَقَحَّمَتْ بِهِمْ فِي النَّارِ ؕ أَلَا وَ

سو وہ اپنے سواروں سمیت جہنم میں پھاند پڑے، اور

إِنَّ التَّقْوٰى مَطَايَا ذُلُلٌ حُمِلَ عَلَيْهَا

(گویا) تقویٰ (الٰہی خوف) رام کی ہوئی اور سدھائی ہوئی سواریاں ہیں جن پر

أَهْلُهَا وَأُعْطُوا أَزِمَّتَهَا فَأَوْرَدَتْهُمُ

اہل تقویٰ چڑھائے گئے۔ اور انکی لگامیں انکے ہاتھ میں دیدی گئیں۔ ان سواریوں نے انھیں

الْجَنَّةَ حَقٌّ وَبَاطِلٌ ؕ وَلِكُلٍّ

(تقویٰ والوں کو) جنت میں اتار دیا (دو ہی چیزیں ہیں) حق اور باطل (سو) حق والے بھی ہیں

أَهْلٌ فَلَئِنْ أَمِرَ الْبَاطِلُ لَقَدِيمًا

اور باطل پرست بھی اگر باطل (فرمانروا ہو یا اسکی کثرت ہوئی) تو ایسا پہلے ہی ہوتا آیا

فَعَلَ ؕ وَلَئِنْ قَلَّ الْحَقُّ فَلَرُبَّمَا

ہے اور اگر حق (کے افراد) کم رہے تو اکثر یہی ہوا ہے (اور امید تو ہے

۱؎ جو کچھ بھی ارشاد ہو رہا ہے یہ اس لئے کہ سننے والوں کو حق سے محبت اور باطل سے نفرت رہے اور انکا ثبات قدم اس محل میں جانے نہ پائے کیونکہ یہ وہ صریحی واقعات تھے جو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھے اور حد ود یقین کے محفوظ رکھنے کے لئے اور شبہات سے بچانے کے لئے کافی تھے۔
آپ فرماتے ہیں کہ یہ ہوتا ہی آیا ہے کہ دنیا میں لوگوں کی تقسیم دو ہی چیزوں کیطرف ہے یا حق والے ہیں یا باطل والے اور یہ بھی ہوتا آیا ہے کہ باطل کی کثرت ہوتی ہے اور حق کی قلت، اور یہ بھی ہوتا آیا ہے کہ اگرچہ حق قلیل ہوتا ہے مگر اس کی فتح ہوتی ہے اور شاید ایسا ہی ہو کہ وہ با وجود کمی افراد غالب آجائے پھر اب اس مطلب سے رجوع کرتے ہیں اور رنگ زمانہ دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں مگر کیسے کہوں کہ ایسا

وَلَعَلَّ ؛ وَ لَقَلَّمَا اَدْبَرَ شَیْءٌ

کہ حق ہی باطل پر غالب ہو) (اگرچہ) ایسا بہت کم ہوا ہے کہ پیچھے ہٹی ہوئی چیز آگے

فَاَقْبَلَ

بڑھ جائے (اور گئی ہوئی شے پلٹ آئے) (ایسی صورت میں حق کے پلٹنے کی امید کی جا سکتی ہے)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵

ہوگا اس لئے کہ آگے بڑھی ہوئی چیز ذرا پیچھے کم پلٹتی ہے اور ہاتھ سے نکلی ہوئی شئے واپس کم ہوتی ہے اسی بنا پر آپ نے قل لما ادبر شئ فاقبل سے اپنا استبعاد ظاہر فرمایا ہے کہ جب کھوئی ہوئی چیز ہاتھ نہیں آتی کیونکر حق کی دولت پلٹ سکتی ہے، اور کیونکر بعد زوال عروج دولت حق ہو سکتا ہے۔

اسی مطلب کی طرف ایک شاعر نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے کہ اگر کھوئی ہوئی چیز پلٹے بھی (بالفرض محال) تو وقت وہ ہوگا کہ بیکار اور غیر نافع ہوگی۔

وقالوا یعود الماء فی النھر بعدما — ذوی نبت جنبیہ وجف المشارع

فقلت الی ان یرجع النھر جاریا — وتعشب جنباہ تموت الضفادع

لوگوں نے کہا کہ پانی نہر میں پھر آئے گا بعد اسکے کہ ساحل کی گھانس سوکھ گئی ہے اور گھاٹ خشک ہو گئے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ہاں ایسا ہوگا مگر جبتک نہر میں پانی آئے اور اسکے کنارے سرسبز ہوں نہر والے مینڈک فنا ہو جائینگے۔

ان استبعادات کو بیان فرمانے سے آپکا یہ مطلب ہے کہ حق کو ہاتھوں سے جانے نہ دینا اگر کہیں حق تمھارے ہاتھوں سے جاتا رہا اور اس میں کمزوری اور اضمحلال پیدا ہو گیا تو پھر اس کی قوت کا عود کرنا ذرا مشکل ہوگا۔ لھذا باطل کی کثرت اور سرسبزی سے اپنے دلوں میں وہم و شبہات کو جگہ نہ دو اور جادۂ حق پر گامزن رہو۔

جناب سید رضی علیہ الرحمہ مؤلف نہج البلاغہ نے اس خطبہ کو لکھنے کے بعد ایک عبارت لکھی ہے جسمیں اس خطبہ کی بلاغت کی مدح ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

کہ اس مختصر کلام امام میں مطالب عالیہ کے ایسے ایسے مقامات

ہیں جن کی بلندیوں تک تعریف و مدح و ثنا کی پہونچ نہیں ہو سکتی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ادبیت پر جو حیرت پیدا ہوتی ہے اسے زیادہ سمجھوں یا جو اس سے لطف حاصل ہوتا ہے، اسے زیادہ سمجھوں اور باوجود ان مطالب کے، فصاحت کے ایسے دریا موج زن دکھائی دیتے ہیں جو زبان کی طاقت سے کہیں باہر ہیں۔ اور جن کی گہرائیوں تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی۔

جو کچھ بھی مدح و ثنا (اپنی زبان میں) میں نے اس خطبہ کی کی ہے اسے کچھ وہی سمجھ سکتا ہے۔ جو اس فن کا ماہر ہو اور اس کے اصول و قواعد کو اچھی طرح جانتا ہو اور اسکے رنگ و ریشے سے واقف ہو اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اسے جاننے والے ہی جان سکتے ہیں۔

دنیاوی جذاب مناظر کی طرف رخ نہیں کرتا عالم کی آرائش سے نظر موڑے سیدھے رستہ پر چلا جاتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے کہ جو ناجی ہے اور اسے کسی قسم کا کھٹکا نہیں۔ انبیا، اوصیا اور معصومین اسی میں شامل ہیں، ایسے نجات پانے والوں کا اتباع ہر عاقل کا فریضہ ہے، کیونکہ جو نجات پا گیا وہ دوسروں کو بھی نجات دلا سکتا ہے اور نجات کے رستے بتا سکتا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو اتباع گروہ اول کی کوشش کرتے ہوئے حتی الامکان معاصی سے بچتا ہے اور تلاش رضائے باری میں حتی الوسع کوشش کرتا ہے اگرچہ اسکی سعی انتہائی نہیں ہوتی۔ پھر بھی حسب مقدور اس راہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چونکہ نفس کا تزکیہ تام نہیں لہٰذا وہ مناظر آخرت جو روح کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اسکے سامنے نہیں ہیں اسلئے اسکے قدم اس راہ میں اُٹھتے تو ہیں مگر سُست۔ یہ قسم امیدوار نجات ہے،

تیسری جماعت وہ ہے جو معاصی پر مصر، تکذیب آیات الٰہی پر آمادہ۔ اور فسق و فجور میں مبتلا اسکے نزدیک تمام الٰہی وعدے جھوٹے تمام انجام کار کی منزلیں وہمی اور تمام اعمال بے سود، یہ وہ جماعت ہے جسکا ٹھکانا سوائے جہنم کے اور کہیں نہیں، رجا کے معنی دوسری قسم کیلئے ہیں جو لفظ امام نے ارشاد فرمایا ہے اسکے معنوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ نفس جس چیز کا تصور کرتا ہے وہ یا محبوب ہوتی ہے یا مکروہ، یا قابل رغبت ہوتی ہے یا لائق نفرت، یہ شے محبوب یا مکروہ یا زمانہ گزشتہ میں موجود ہوگی یا زمانہ موجود میں یا آئندہ زمانہ میں پائی جائیگی پہلے کا نام جو گزر گئی ذکر و تذکر ہے، دوسرے کا وجد ہے اور تیسرے کا نام انتظار اور توقع ہے۔ اگر یہ شے سوم مکروہ ہے اور اس سے قلب کو ایذا پہنچی ہو

اکیسواں خطبہ

شُغِلَ مَنِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ اَمَامَهٗ

جسکے سامنے جنت (کا لہلہاتا ہوا باغ) اور جہنم (کے بھڑکتے ہوئے شعلے) ہوں، اسے (دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی) فرصت کہاں (لوگ بس تین ہی طرح کے ہوتے ہیں)

سَاعٍ سَرِيْعٌ نَجَا ۞

(پہلا) بڑی دوڑ دھوپ (کوشش) کرنے والا (اور گویا) اسی کا بیڑا پار ہے

۵۱ انسان ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے جو دار عمل دنیا سے الٰہی منزلوں تک حرکت کرتا ہے، اب منزل مقصود دو ہی طرح کی ہیں یا نعیم جاودانی پر انتہا ہوگی یا عذاب دائم پر، یا متقی ہوگا یا گنہگار، یا اسکا نصب العین جنت ہوگا یا جہنم، یا جنت میں جلد سے جلد پہونچنے کی کوشش کریگا یا جہنم سے ڈریگا اور اس سے بچنے کی سعی کریگا۔ بہر حال یا محرک سفر ترغیب ہے یا ترہیب، یا شوق دیدار بہار لئے جا رہا ہے یا خوف وہراس خزاں کسی دوسری طرف رُخ کرنے نہیں دیتا جب ایسی صورت ہو تو عاقل اس راہ سفر میں کسی دوسری طرف کیونکر متوجہ ہو سکتا ہے اور کیونکر التفات کر سکتا ہے۔ درانحالیکہ جنت کا شوق اور جہنم کا ڈر اسے اپنی طرف محو کئے ہوئے ہے۔

۵۲ اس راہ کے طے کرنے والے اور ایسے سفر کے کرنے والے تین ہی طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں، ایک گروہ وہ جو ان تھک کوشش منزل مقصود پر پہونچنے کی کرتا ہے، تقویٰ کو اپنا شعار بناتا ہے رضائے باری کو پیش نظر رکھتا ہے، ہدایت خلق کرتا ہوا اور اپنے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دیتا ہوا گزر جاتا ہے، اور سعی امکانی سے کام لیتا ہے خطاؤں سے بچتا ہے

وَ طَالِبٌ بَطِیٌٔ رَجَا ۔ وَ مُقَصِّرٌ

(دوسرا) کاہل امیدوار، یہ لو لگائے بیٹھا ہے اور (تیسرا) کمی کرنے والا

فِی النَّارِ هَوٰی ۔ اَلْیَمِیْنُ ؎ وَ الشِّمَالُ

(اسے سمجھو) جہنم میں گر گیا (راستے کے) داہنے بائیں

بقیہ حاشیہ صفحہ (١٧٧)

تو اسے خوف کہتے ہیں اور اگر اس انتظار سے فرحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے تو اسی کا نام "رجا" اور امید ہے۔ اس توقع اور امید کیلئے کسی نہ کسی سبب کا وجود ضروری ہے، کیونکہ جبتک مطلوب تک پہونچنے میں اسکے قبل حصول اسباب کی سائی نہ ہو جائے اسوقت تک امید دل سے متعلق نہیں ہوتی، اور اگر صرف انتظار ہی انتظار رہے اور اسباب کا حصول بالکل غائب ہو اور پھر توقع پیدا ہو تو یہ توقع نہیں بلکہ اسکا نام حماقت اور فریب خوردگی ہے، اور اگر یہ اسباب وجود غائب تو نہوں مگر غیر معلوم ہوں تو اس انتظار کو "تمنّا" کہتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ مطلب واضح ہے کہ عمل کرنیوالے کی حالت اس بونے والی کی سی ہے جو کسی کھیتی کو بوتا ہے، اسکی نگہداشت کرتا ہے اسے سیراب کرتا ہے اسکی رکھوالی کرتا ہے، خدا سے اسکی نشو و نما اور اسکی شادابی کی دعا کرتا رہتا ہے برق و صاعقہ سے ڈرتا رہتا ہے، ایسی زمین پر کھیتی کرتا ہے جہاں دانہ اُگتا ہو نہ ایسی زمین پر جو اپنی خرابی کی وجہ سے کوئی کونپل نہیں اُگاتی نہ ایسے بیج بوتا ہے جن میں گھُن لگا ہوا ہو، ان کانٹوں اور گھانسوں کو کھیت سے ہٹاتا ہے، جو کھیت کی نشو و نما میں مانع ہوتے ہیں جب یہ سب کچھ کر لیتا ہے اور تمام موانع کو ہٹا لیتا ہے تو اسے امید ہوتی ہے کہ اب کاٹنے کا وقت آئیگا اور اب میری کھیتی اس قابل ہوگی جس سے میں نفع حاصل کر سکوں۔

بعینہٖ یہی مثال عمل انسانی کی ہے، جو تقویٰ کی زمین پر اعمال حسنہ کی کاشت کرتا ہے، وساوس و اوہام کے مضر درخت اور کانٹوں کو دور کرتا ہے۔ استغفار کے پانی سے اسے سینچتا ہے ایمان کا تخم اس میں بوتا ہے اور تمام رذائل نفسانی سے جو برق خرمن سوز ہوتے ہیں اپنے کو دور رکھتا ہے۔ اسوقت "یوم حصاد" قیامت کے روز اسے اپنی کھیتی کے پھل ملنے کی امید اور اپنے لگائے ہوئے باغ کے ثمر کی توقع ہوتی ہے۔ اور اگر اس نے یہ کچھ نہیں کیا اور اچھے پھل کا انتظار کر رہا ہے تو یہ امید نہیں بلکہ حماقت و سفاہت ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا ؎ جب لوگوں کے گروہ کی تقسیمات فرما چکے کہ یا تو سابقین کا گروہ ہے یا لاحقین کا یا مقصرین کا، یعنی یا تو متبوعین اور مقتدی ہیں یا متبع اور پیروکار اور یا کمی کرنے والے اور کوتاہی کرنے والے اور صراط مستقیم سے بھٹکے بچے والے تو راستہ سفر مقرر فرماتے ہیں تاکہ مسافر منزل مقصود سے گمراہ نہ ہو اور بھٹکے نہیں، یہی راستہ ہے جس پر آدمی بسل گزشتہ ہے جس پر نور رسالت و حکمت و دانست کی روشنی پڑ رہی ہے جہاں شیاطین کا گزر نہیں اور صحراء کے ڈاکوؤں سے محفوظ ہے، علم و عمل یہ دونوں چیزیں ہیں اور چلنے والوں کے لئے یہ دو ہی راستے ہیں۔ علم سے قوت نظری اور قوت فکری کی راہ پیدا ہوتی ہے اور عمل سے راہ قوت عملی اعمال صالحہ کے ساتھ درست ہوتی ہے جب آدمی ایک فرقہ کا ادراک کرتا ہے کہ یہ بھی گمراہ ہیں وہ بھی گمراہ ہیں بیچ صراط مستقیم کا راستہ اور درمیانی راہ، جہاں آفتاب اعتدال کی شعاعیں ان تک پہنچنے کے قابل ہے اور یہی راہ ہدایت و نجات ہے یہی وہ راہ ہے جو قرآن کی بتائی ہوئی ہے، اور یہی وہ شاہراہ نجات ہے جس پر انبیا و صلحا گامزن تھے یہی وہ راستہ ہے جسکی سنت انجام کار خلق خدا کی بازگشت ہے، دنیا میں ملک اور آخرت میں ملک۔ اسی راہ سے سنت پھول کھلتی ہے جس کا منشا رسول ہو اور جس نے قواعد و قوانین شریعت دنیا میں پھیلائے اور جو آخرت میں گھاٹے اور نفع کو ظاہر کرے گی .... "

مَضَلَّةٌ وَالطَّرِيقُ الْوُسْطَى هِيَ الْجَادَّةُ

گمراہی ہے اور شاہراہ نجات بیچ کا راستہ ہے

عَلَيْهَا بَاقِي الْكِتَابِ وَ آثَارُ النُّبُوَّةِ

اسی راستہ پر لازوال کتاب آسمانی (قرآن) (چھوٹ ڈال رہی) ہے اور اسی راستہ پر نبوت کے نقوش (ابھرے ہوئے) ہیں

وَ مِنْهَا مَنْفَذُ السُّنَّةِ وَ إِلَيْهَا مَصِيرُ

یہیں سے سنت رسول کی نکاس ہے اور اسی کی طرف انجام کار کی

الْعَاقِبَةِ ، هَلَكَ مَنِ ادَّعَى

باز گشت ہے اس (راہ کے سوا کتاب و سنت کو چھوڑ کے) اگر کسی نے (دوسری راہ کا) دعویٰ

وَ خَابَ مَنِ افْتَرَى مَنْ أَبْدَى

کیا تو وہ ہلاک ہوگیا۔ اور جس نے افترا کی اسکی آس ٹوٹی جو حق کا مقابل ہوا

صَفْحَتَهُ لِلْحَقِّ هَلَكَ وَ كَفَى بِالْمَرْءِ

وہ تباہ و برباد ہوا آدمی کی جہالت کے لیے یہی

جَهْلاً أَنْ لَا يَعْرِفَ قَدْرَهُ ، لَا يَهْلِكُ

کافی ہے کہ وہ اپنے آپ (اپنی منزلت) کو نہیں پہچانتا (زمین) تقوی میں

عَلَى التَّقْوَى سِنْخُ أَصْلٍ

(اتری ہوئی) کوئی جڑ برباد نہیں ہوسکتی

سلہ جس نے اسکے خلاف خلاف واقع دعوی کیا وہ جھوٹا ہے اور تباہ ہوگا۔ اور جس نے گروہ کے کوئی الزام بنایا وہ ناامید رہے گا اور اپنے مطلب میں کبھی کامیاب نہ ہوگا بعض شارحین نے اس دعوے سے دعوئ امامت وخلافت مراد لیا ہے اور سیاق خطبہ اس بات کو ظاہر بھی کرتا ہے جن لوگوں نے امامت کو اپنے لئے قرار دیا درانحالیکہ وہ مستحق خلافت

نہ تھے وہ حقیقتاً "خسر الدنیا والآخرۃ" کے مصداق ہیں۔

۵۲ یہ نقرہ ظاہر کرتا ہے کہ درحقیقت جملۂ اولیٰ سے آپنے خلافت ہی مراد لی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آدمی کی جہالت کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنی منزلت اور اپنے مرتبہ کو نہ جانے اور اپنی حد کو نہ پہچانے فرعون اگر کلیم ہونے کا دعویٰ کرے اور نمرود خلت کا ادعا کرے اور گدائے شاہی تخت پر بیٹھ جائے اور جاہل عالم کی جگہ لے لے تو اسی سے اسکی جہالت واضح و روشن ہے جب وہ اتنا جاہل ہے کہ اپنے حدود نہیں پہچانتا تو دوسروں کے مرتبہ کو کیا پہچانے گا اور نظام ملک کو کیونکر درست رکھ سکتا ہو کیونکہ وہاں تو درجات و مدارج و مراتب کا خیال ضروری ہے بغیر اسکے تمدن قائم نہیں ہوسکتا اور نظام مملکت سدھر نہیں سکتا، اور ایسا شخص دوسروں کے علم میں کیا اضافہ کرسکتا ہو جو جہالت میں اس حد تک پہنچا ہوا ہو۔ خیر کوئی کسی جگہ پہنچ گیا دریں کہ آخرکار حق سے مقابلہ کرنے والا برباد ہوکے رہتا ہو دنیا میں ظاہرًا بھی آخرت میں بھی۔

وَلَا يَظْمَأُ عَلَيْهَا زَرْعُ قَوْمٍ

اور نہ (ایسی صورتوں میں) کسی قوم کی کھیتی پیاسی (اور بے آب) رہ سکتی ہے۔

فَاسْتَتِرُوْا بِبُيُوْتِكُمْ [51] وَاَصْلِحُوْا

اپنے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہو اور اپنی اصلاح

ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَالتَّوْبَةُ مِنْ

کرتے رہو (اپنے گناہوں سے توبہ کرو کہ یہی) توبہ تمہارے

وَرَائِكُمْ [52] وَلَا يَحْمَدْ حَامِدٌ

آگے آئے گی (دیکھو) خدا کے سوا کوئی کسی کی اچھائی

اِلَّا رَبَّهٗ وَلَا يَلُمْ لَائِمٌ اِلَّا نَفْسَهٗ

نہ کرے اور اپنے نفس کے سوا کوئی کسی کی برائی نہ کرے

۵۱ جاحظ اور ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کو تکمیلی حیثیت سے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے جسکا ذکر اوپر آچکا ہے کہیں پر یہ فقرہ ہے جعل دب هذه الامة السوط والسيف اور کہیں ہے کہ دادی هذه الامة بد وائین السوط والسيف ایک تو یہی مراد ہے جو میں اوپر لکھ آیا کہ جس طرح جناب یحییٰ کے قتل کے بعد خون مظلوم کا عوض یوں ہوا کہ ہزاروں جانیں گئیں۔ لاکھوں نفوس تلوار کے گھاٹ اترے اور برباد کردیے گئے اور اللہ نے ظالموں پر کم رتبہ لوگوں کے ہاتھوں اپنا غضب مسلط کیا، جس طرح اور واقعات دنیا میں گزرے اور اس انجام کے شاہد ہیں اسی طرح "سوط وسیف" کا تسلط اس امت پر اسلئے ہوسکتا ہے کہ اس نے حق کا ساتھ چھوڑا اور باوجود اسکے کہ حق واضح وروشن تھا مگر اسکی آواز پر لبیک نہ کہی، لہذا ان عزیز اور شریف لوگوں پر "کوڑا اور تلوار" ان ہاتھوں کے ذریعہ سے مسلط کی گئی، جو ذلیل اور کمینہ تھے اور یوں ہی مسلط کی جائے گی۔

اور یا یہ مطلب ہے کہ نظام امور کے درستی کے لئے امام وراہبر کی سختیوں میں کسی خاص وجہ سے سکون اور نرمی نہیں پیدا ہوسکتی اور اصلاح کیلئے ہر ممکن کوشش وہ کسی صورت میں کیوں ہو کیجائیگی لہذا تم اپنے اپنے گھروں میں بیٹھو۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ فتنہ وفساد نہ برپا کرو اور سکون سے کام لو۔ ہنگامہ کا برپا کرنا چونکہ گھر سے نکل ہی کے ہوتا ہے اور فتنہ کا دب جانا گھر میں بآرام تمام بیٹھنے سے ہوتا ہے گویا گھر میں بیٹھنے سے آپ کی مراد یہی ہے کہ فتنہ کو ابھارو نہیں۔ بلکہ اسے جہاں تک بنے دباؤ۔ اور بٹھاؤ۔ اور آپس کے فخر ومباہات، لڑائیاں جھگڑے اور منافرت کو چھوڑ دو "واصلحوا ذات بینکم" سے اسکی طرف اشارہ ہے۔

۵۲ وراء لغت اضداد میں سے ہے، اسکے معنی آگے اور سامنے کے بھی آتے ہیں اور پس پشت کے بھی، بعض شارحین نے "آگے" کے معنی لئے ہیں اور اکثر نے پس پشت کے معنوں پر اسکا ترجمہ کیا ہے۔ مگر میں نے اسکا ترجمہ اس طرح بامحاورہ کیا ہے کہ ایک اردو کے محاورہ سے وہ فائدہ اٹھایا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی اسجگہ پر بنتے ہیں اور مفہوم پورا پورا ادا ہوجاتا ہے۔

CamScanner

۲۲
بائیسواں خطبہ

17

اِنَّ اَبْغَضَ الْخَلَائِقِ اِلَى اللّٰهِ رَجُلَانِ

دنیا بھر میں دو ہی آدمی ہیں جن سے خدا سب سے زیادہ دشمنی رکھتا ہے

ف اگرچہ شارحین نہج نے اس خطبہ کے متعلق سکوتِ محض سے کام لیا ہے اور کچھ نہیں لکھا کہ یہ خطبہ کس وقت اور کس محل پر حکیم امت نے ارشاد فرمایا ہے اور اس خطبہ کے بیان کرنے کی وجہ کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک اس خطبے کے جملے دو پہلو رکھتے ہیں اور اس کے مفہومات دو مصداق رکھتے ہیں۔ ایک عمومی ہے اور دوسرا خصوصی۔ عمومی تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس قسم کا جاہل گروہ ہوتا آیا اور ہوتا جائے گا جسے علم سے کوئی دور کا لگاؤ بھی نہیں مگر وہ علم کا دعویدار ہے اور ایک طبقہ اس کے مقلدین کا ایسا ہے جو اس کی پرستش کرتا ہے کہیں مقلد اور مقلد ہیں یہ مناظر رونما ہوتے ہیں اور کہیں پیری مریدی میں یہ سماں دکھائی دیتا ہے، عوام الناس کو کیا خبر کہ آگے چلنے والا کتنے پانی میں ہے اور اس کا مبلغ علم کیا ہے وہ تو وضع دیکھتے، لوگوں کا رجحان دیکھتے ہیں اور "می پراتند" کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور فوراً بیعت کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں، اب جو کچھ بھی اس گندم نما جو فروش کے دہن سے نکلے اس کی منزلت وحی ربانی سے کم نہیں ہوتی اور اس کے حکم پر لبیک کہنے والے ہزاروں کیا لاکھوں نظر آتے ہیں۔ اس کی خبر کسے اور یہ جسارت کس میں کہ یہ کہے:۔ "ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی" ایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است"

رہ گیا خصوصی پہلو وہ ہے جو امیر المومنین کے لئے خطبہ شقشقیہ کا محرک ہوا اور جس نے دہن اقدس حلیم وکریم سے (ربانی آثار واحکام

کو مٹتا دیکھ کے) الی ان قام ثالث القوم نافجا حضنیہ بین نثیلہ ومعتلفہ وغیرہ وغیرہ کہلوا ہی دیا، انھیں جذبات کے ماتحت یہ خطبہ بھی نظر آتا ہے جسکا ہر ہر فقرہ عہد گزشتہ کے حالات اور واقعات ماضی پر روشنی ڈالتا ہے جیسا کہ اہل عقل سے پوشیدہ نہیں اور جسکی تصریح وتشریح اسی خطبہ میں کی جائیگی

رَجُلٌ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفْسِهٖ
ایک تو وہ شخص جسے اللہ نے (ڈھیل دیکے) اسکے حال پر چھوڑ دیا ہے
فَهُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِيْلِ مَشْغُوْفٌ
سو وہ سیدھے راستے سے ہٹکے چلتا ہے
بِكَلَامِ بِدْعَةٍ ؛ وَ دُعَاءِ ضَلَالَةٍ
بدعت کی باتوں اور گمراہی کیطرف بلانے پر مٹا ہوا ہے
فَهُوَ فِتْنَةٌ لِمَنِ افْتَتَنَ بِهٖ
اپنے ہر فریب خوردہ کے لئے ایسا شخص ایک فتنہ ہے

سلہ قرآن مجید میں ایسے آیات موجود ہیں جو اس مطلب پر شاہد ہیں جناب باری نے جس طرح شیطان کو مہلت دے رکھی ہے اسی طرح وہ منافقین وکفار کو بھی مہلت دیتا ہے اور ڈھیل ڈالتا ہے اور ہر طرح کی نعمتوں کی فراوانی ان کے لئے ہوتی ہے اور وہ ہر طرح کی راحت اور آرام میں بسر کرتے ہیں جتنے افعال قبیحہ کرتے جاتے ہیں نعمت ظاہری کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہی راہ جس پر وہ چل رہے ہیں درست اور ٹھیک ہے اور وہاں ذات حلیم ان گناہوں، ان خطاؤں اور ان جور وتعدی کو دیکھ رہی ہے اور دار عمل ہیں "ان ربك بالمرصاد" انھیں کے لئے ہے اور "ونستدرجهم من حيث لا يعلمون" ہم انھیں ڈھیل دیئے جا رہے ہیں، وہ سمجھتے نہیں اس مطلب کو واضح کر رہا ہے۔ ایسی ذات دشمن خدا ہے اور خدا اُسے دشمن رکھتا ہے اور نعمت کی فراوانی ان کے لئے عذاب الٰہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

سلہ اصحاب نبی میں اکثر ایسے تھے جنھوں نے دین میں احداث کیا تھا اور نئی نئی باتیں جاری کی تھیں اور زندگی بھر وہ ان باتوں پر عمل پیرا رہے جن کا وجود آجتک عالم اسلامی میں پایا جاتا ہے جنھیں دیکھنے والے دیکھتے اور سننے والے سنتے ہیں

خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان باتوں کی خبر دے دی تھی اور اپنے اصحاب سے فرما دیا تھا کہ تم میرے بعد بدعتیں کروگے چنانچہ مغازی

واقدی میں جہاں غزوہ احد کا ذکر ہے وہاں ص۳۰۱ پر یہ عبارت بھی مندرج ہے:-

وكان طلحة بن عبيد الله وابن عباس وجابر بن عبد الله يقولون صلى رسول الله على قتلى احد وقال رسول الله انا على هؤلاء شهيد فقال ابوبكر يارسول الله اليسوا اخواننا اسلموا كما اسلمنا وجاهدوا كما جاهدنا قال بلى ولكن هؤلاء لم ياكلوا من اجورهم شيئا ولا ادري ما تحدثون بعدي فبكى ابوبكر وقال انا لكائنون -

طلحہ، عبید اللہ بن عباس اور جابر کہتے تھے کہ رسول نے شہدائے احد پر نماز جنازہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲

پڑھی اور فرمایا کہ میں ان لوگوں پر گواہ ہوں، ابوبکرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ
کیا یہ لوگ دینی بھائی نہیں جیسا کہ ہم اسلام لائے ویسا ہی وہ اسلام لائے اور
جیسا ہم نے جہاد کیا (کیا کہنا بہت خوب) ویسا ہی انھوں نے جہاد کیا" فرمایا ہاں
ایسا ہی ہے مگر فرق یہ ہے کہ انھوں نے اپنی محنتوں کی مزدوری اور اجرت
دار دنیا میں نہیں حاصل کی (بلکہ قربۃً الی اللہ جہاد کیا نہ طمع دولت سے)
اور مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ میرے بعد کیا کیا کروگے، اس پر حضرت ابوبکر
بہت روئے اور فرمایا کہ افسوس ہم آپ کے بعد یہ کچھ کریں گے — واقدی
جس نے یہ عبارت لکھی ہے وہ امام المغازی کہلاتا ہے، ابن خلکان
خطیب بغدادی، ابوالفدا، سیوطی، دمیری، ابن حجر، اور شاہ عبدالعزیز
اسکی توثیق و عدل پر گواہ ہیں۔

اسی طرح بخاری نے جلد چہارم صفحہ ۹۲ و صفحہ ۹۷ پر باب حشر و حوض میں
یہ حدیث مختلف اسنادسے لکھی ہے کہ رسول کے اصحاب روز محشر اور روز
ورود حوض، حوض کوثر سے ہٹا دیے جائینگے کیونکہ وہ بعد رسول مرتد ہوگئے
اور انھوں نے شرع میں ایجادیں کیں اور بدعتوں سے کام لیا۔

(۱) وانہ سیجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول
یارب اصحابی فیقول انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال
العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم الی قولہ الحکیم قال فیقال
انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم (بخاری صفحہ ۹۲)

(۲) ثم لیختلجن دونی فاقول یارب اصحابی فیقال انک لا تدری
ما احدثوا بعدک (بخاری صفحہ [illegible])

(۳) قال لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتھم اختلجوا
دونی فاقول یا اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک (بخاری صفحہ [illegible])

(۴) قال ص یرد علی یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیحلئون عن الحوض
فاقول یارب اصحابی فیقول انک لا علم لک بما احدثوا بعدک

انھم ارتدوا علی
ادبارھم القھقری
(بخاری صفحہ ۹۲ جلد ۴
طبع مصر)
ان تمام احادیث کا
خلاصہ یہ ہوا کہ رسول
نے فرمایا کہ روز قیامت
میرے بعض اصحاب
یا ایک گروہ صحابہ جنھیں
میں پہچانتا ہونگا اور پہچانونگا
حوض کوثر سے ہٹائے اور
مجھ سے دور کردیے جائینگے
میں خدا سے عرض کرونگا
کہ پروردگار یہ تو میرے
صحابی ہیں۔ جواب ملیگا
تمھیں نہیں معلوم کہ
ان لوگوں نے تمھارے
بعد کیا کیا کیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳

اور یہ لوگ تو ہمیشہ مرتد رہے (انھوں نے اسلام کب قبول کیا) اور (اسلام اگر لائے بھی تو) فوراً پچھلے پاؤں پلٹ گئے۔

چند باتیں ان احادیث سے معلوم ہوئیں ایک[۱] تو یہ کہ اصحاب رسول میں ارتداد کی قابلیت ہے اور وہ مرتد ہو سکتے ہیں جیسا کہ ہوئے، دوسرے[۲] یہ کہ انھیں اصحاب رسول نے بعد وفات سرور کائنات بڑے بڑے مظالم اور بڑی بڑی جفائیں خلاف شریعت اسلامی کی ہیں جبھی تو انھیں جنت سے کوئی حصہ نہ ملیگا اور نہ یہ خیال کیا جائے گا کہ یہ صحابی رسول کسی زمانے میں تھے۔ تیسرے[۳] یہ کہ یہ لوگ غالباً صحابی خاص تھے کیونکہ رسول نے انھیں میدان حشر میں اچھی طرح پہچانا۔ چوتھے[۴] یہ کہ یہ ایک دو نہ تھے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے جبھی تو "طائفۃ من اصحابی" کہا گیا ہے۔ پانچویں[۵] یہ کہ ہمیشہ مرتد رہے، چھٹے[۶] یہ کہ اگر اسلام ظاہری لائے بھی تو رسول کے مرتے ہی فوراً اپنے مذہب آبائی پر پلٹ گئے۔ یہ تمام باتیں اصحاب رسول کے لئے تجویز کی گئیں اور غالباً بخاری کے لکھنے کے بعد ان باتوں کے اظہار میں کوئی عیب بھی نہیں۔

موطائے مالک صہ۲۴ انہ بلغہ ان الموذن جاء عمر بن الخطاب یوذنہ لیعلم الصلوۃ الصبح فوجدہ نائما فقال الصلوۃ خیر من النوم۔ یا امیر المومنین فامرہ ان یجعلھا فی نداء الصبح۔

حضرت عمر نماز صبح کے وقت آرام خاص میں تھے موذن نے آکے جگایا اور کہا کہ الصلوۃ خیر من النوم "نماز سونے سے بہتر ہے" آپ کو مؤذن کا یہ فقرہ بہت پسند آیا اور آپ نے اسے اذان میں داخل کر دیا۔ یوہیں آپ نے تراویح کی ایجاد فرمائی اور رمضان کے دن بھر کے روزوں کے بعد صائمین کو صف بستہ مدت تک کھڑا رہنا پڑا۔

حضرت عمر کے اولیات

ھو اول من سمی امیر المومنین واول من حرم المتعۃ واول من جمع الناس فی صلوۃ الجنائز علی اربع تکبیرات واول من یحتبس صدقۃ فی الاسلام واول من اعال الفرائض واول من اخذ زکوۃ الخیل واول من قال اطال اللہ بقائک قالہ العلی

تاریخ الخلفاء ص۱۳۵

سب سے پہلے آپنے اپنا لقب امیر المومنین رکھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۴

جب آپ خلیفہ ہوئے تو فرمایا کہ حضرت ابوبکر تو خلیفۂ رسول کہے جاتے تھے اب مجھے کیونکر خلیفۂ رسول کہا جائے گا مغیرہ ابن شعبہ نے کہا کہ ہم لوگ مومن ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں لہذا آپ امیر المومنین ہوئے۔ حضرت عمر نے کہا ہاں ٹھیک ہے بس مجھے امیر المومنین کہا کرو (استیعاب صفحہ ۴۶۵ جلد دوم طبع مصر) اور متعہ کو حرام کیا، نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اکتفا کی حالانکہ اس سے پہلے پانچ اور چھ تک نوبت تھی، اسلام میں صدقہ کو روکا اور بند کیا، مسئلۂ عول جاری فرمایا، گھوڑوں کی زکاۃ لی اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے یہ دعائیہ فقرہ کہا کہ خدا آپ کی عمر بڑھائے (چونکہ اکثر اوقات جو مسئلے حضرت عمر سے نہ حل ہوتے تھے اُسے آپ حل کرتے تھے لہذا طول بقا کی دعا اپنے مطالب کے لئے تھی۔)

ان اولیات کا تذکرہ تاریخ ابوالفدا صفحہ ۱۷۴ اور حیوۃ الحیوان، طبری، کامل وغیرہ میں بھی ہے جن کا مفہوم ایک ہے لیکن کہیں کچھ زیادتی ہے کہیں کچھ کمی۔

تراویح بھی آپ ہی کی ایجاد ہے جیسا اوپر بیان ہوا۔

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ یا تو یہ احتیاط کہ قرآن کے جمع کرنے میں صرف اس لئے لوہے لگے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر اس کے جمع پر اس لئے راضی نہیں ہوتے تھے کہ میں وہ بات کیسے کروں جو رسول نے نہیں کی اور یا وہ تمام باتیں جو رسول نے نہیں کی تھیں کی گئیں اور دنیائے اسلام میں آجتک رائج ہیں اور رائج رہینگی۔

کوئی پوچھے کہ یہ سنت رسول ہے یا آیت قرآنی کا حکم، تو شاید کوئی اس کا جواب بجز اس کے نہ ہو کہ یہ سنت شیخین میں سے ایک کی سنت ہے اور بس چنانچہ امام بخاری نے جمع قرآن کے واقعہ کو بایں الفاظ اپنے صحیح میں لکھا ہے۔

قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن و انی اخشی ان یستحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول الله قال عمر هذا والله خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک (بخاری صفحہ ۱۳۹ جلد اول طبع مصر)

حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ جب بہت سے قاری قرآن یمامہ میں قتل ہوگئے تو مجھ سے عمر نے کہا کہ قرآن کے جمع کرنے کا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵

حکم دو ورنہ یوں ہی یہ لوگ قتل ہوتے جائیں گے اور قرآن کا وجود بھی ان کے دم کے ساتھ فنا ہو جائے گا (یہ تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر و عمر حافظ قرآن نہ تھے اور نہ تمام آیات قرآنی سے واقف تھے ورنہ یہ خدشہ کبھی نہ پیدا ہوتا) حضرت ابو بکر فرماتے ہیں میں نے کہا کہ (بھائی) وہ کام کیسے کرو گے جو رسول اللہ نے نہیں کیا، حضرت عمر نے کہا، اچھائی تو اسی میں ہے، پھر وہ بار بار مجھ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس مطلب کے لئے خدا نے میری شرح صدر فرمائی اور میں نے جمع قرآن کا کام شروع کرا دیا۔

قال زید قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لانتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ قال ھو خیر الخ (بخاری ص۱۳۹)

زید بن ثابت کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو بکر نے کہا کہ تم ایک جوان آدمی ہو اور انشاء اللہ عقلمند ہو اور ہم تمھیں کسی بات میں اتہام نہ دیں گے، اس کے اسوا تم کتابت وحی رسول کیا کرتے تھے لہذا قرآن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے لکھو اور جمع کرو، زید کہتے ہیں مجھ سے اگر کہا جاتا کہ پہاڑ اٹھالو تو میں اس کو اتنا گراں نہ سمجھتا جتنا اس کام کو سمجھتا ہوں کہ میں قرآن جمع کروں جیسا کہ مجھے حکم دیا گیا لہذا میں نے کہا کہ وہ کام کیونکر آپ لوگ کریں گے (یعنی عمر و ابو بکر وغیرہ) جو رسول نے نہ کیا ہو۔ ابو بکر نے کہا کہ نہیں اچھا یہی ہے۔

ملاحظہ کیجئے ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ جو کام رسول نے نہیں کیا وہ کیونکر کیا جائے، مگر وہاں بھی حضرت عمر کا حکم نافذ رہا اور خلافت ثانیہ و اولیٰ میں بھی آپ ہی کار فرما رہے، یہی وجہ تھی کہ آپ باوجود اس کے کہ اتنے معلومات نہیں رکھتے تھے جتنا کہ خلیفہ رسول کے لئے ہونے چاہیئے، مگر اس عدم علم کی خطا کو

اپنی رائے پر محمول کر کے بیکسار نظر آتے تھے۔ میزان الشعرانی میں ص۲۶ پر یہ عبارت ہے:۔ وکان عمر بن الخطاب اذا افتی الناس یقول ھذا رائے عمر فان کان صوابا فمن اللہ وان کان خطاء فمن عمر۔ یہ عمر کی رائے ہے اگر ٹھیک ہو تو خدا کی طرف سے سمجھو اور اگر غلط ہو تو عمر کی طرف سے جانو۔ یہی فقرہ تقریباً آپ ہر اُس استفتا کے وقت کہتے تھے جس کا جواب آپکو دینا پڑتا تھا۔

ہوئے یہ خیال کرکے کہ
جتنی عبادت زیادہ
ہوگی اتنا ہی ثواب
بھی زیادہ ہونا چاہئے
صبح کی نماز بجائے ۲ رکعت
کے آٹھ کردیں اور بجائے
مغرب کی تین رکعت
کے چھ کردیں تو چونکہ الٰہی
احکام سے اس زیادتی
کو کوئی واسطہ نہیں لہٰذا
اس پر کوئی اجر بھی مترتب
نہیں ہوسکتا یہ وہ بدیہی
امر ہے جسے ہر عاقل
سمجھ سکتا ہے۔

شرعی تغیرات اور ترمیمات

علامہ مقریزی اپنی کتاب
خطط جلد چہارم کے
صـ ۱۲۵ مطبوعہ مصر
میں ان ذاتی تبدیلیوں کا
ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں
قال ابو عمر والکندی
فی کتاب امراء مصر
ولم یزل اھل مصر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶

رسالتمآب کے احادیث جو کتب اسلامی میں درج ہیں انسے بھی تراویح وغیرہ کا معاملہ حل نہیں ہوتا۔ مشکوٰۃ صـ ۱۹ پہ ہے عن جابر قال قال رسول اللہ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدیٰ ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ مسلم۔ جابر نے جناب سرور کائنات سے روایت کی ہے، آپنے فرمایا کہ بہترین حدیث کتاب الٰہی ہے اور بہترین ہدایت احادیث رسول ہیں اور بدترین چیز وہ نئی باتیں اور بدعتیں ہیں جو ان دونوں چیزوں کے علاوہ ایجاد کی گئیں اس کو مسلم نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے۔

مشکوٰۃ صفحہ ۲۳ من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام رواہ البیھقی جس نے صاحب بدعت کی توقیر کی اس نے خانۂ اسلام ڈھاد یا بیہقی نے اسکی روایت کی ہے۔ وقال ابن حزم التقلید حرام ولا یحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ بلا برھان لقولہ تعالےٰ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء ابن حزم نے یہ کہا ہے کہ تقلید حرام ہے اور کسی شخص کے لئے یہ امر حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی بات سوا رسول کی بات اور قول کے مانے جبتک کہ اُسپر کوئی دلیل قائم نہ ہو کیونکہ خدا نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے تمھارے خدا کی طرف سے اسکی پیروی کرو اور اس کے ماسوا کسی کا اتباع نہ کرو اور دوسرونکے قول کی متابعت انکو ولی بناکے نہ کرو۔

یوہیں جناب رسالتمآب نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد۔ وہ عمل مردود ہے جسپر ہمارا عمل نہو چکا ہو جیسا کہ قسطلانی وغیرہ میں درج ہے۔ یوہیں آپ نے ارشاد فرمایا عمل قلیل سنت عمل کثیر بدعت سے کہیں بہتر ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے کتاب شفا کے صـ ۱۲ جلد ۲ میں لکھا ہے۔

باوجود ان باتوں کے وہ ایجادات اور وہ اختراعات جو اسلام میں رونما ہوئے ان کے ذمہ دار بھی وہی لوگ ہیں جو موجد اور مخترع کہے جانے کے مستحق ہیں۔ اب یہ اعمال قابل قبول ہیں یا نہیں انھیں خدا ہی جانے مگر یہ معلوم ہے کہ اگر ہم عبادت کو اچھا سمجھتے

کی اصل اصل وہ پہلی جبارت ہے جو ابتدائے اسلام میں بعد وفات رسول عبادات میں کیگئی ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ شخص جو ان اوصاف کا مالک ہو بدعت وغیرہ وہ دوسروں کی خطاؤں کا ذمہ دار ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷

علی الجهر بالبسملة فی الجامع العتیق الی سنة ثلاث وخمسین ومائتین قال ومنع ارجون صاحب شرطة مزاحم ابن خاقان امیر مصر من الجهر بالبسملة فی الصلوة بالمسجد الجامع وامر الحسین ابن الربیع امام المسجد الجامع بترکها وذلك فی رجب سنة ثلاث وستین ومائتین ولم یزل اهل مصر علی الجهر بها فی المسجد الجامع منذ الاسلام الی ان منع منها ارجون وامران تصلی التراویح فی رمضان خمس تراویح ولم یزل اهل مصر یصلون ست تراویح الخ

ابو عمر کندی نے اپنی کتاب "امراء مصر" میں لکھا ہے کہ اہل مصر نماز میں ہمیشہ بآواز بلند بسم اللہ کہا کرتے تھے اور جامع عتیق میں یہ بات ۲۵۳ھ تک ہوتی چلی آئی۔ "ارجون" جو مزاحم بن خاقان کی طرف سے معین تھا اس نے بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھنے سے منع کر دیا اور مسجد جامع کے امام حسین ابن ربیع کو بالجہر بسم اللہ کہنے سے روکا۔ یہ واقعہ رجب ۲۶۳ھ کا ہے ہمیشہ اہل مصر جب سے اسلام شروع ہوا تھا بسم اللہ آواز بلند ہی کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ارجون نے حکم امتناعی صادر کیا اور بجائے چھ تراویحوں کے مصر میں پانچ تراویح جاری کیں۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام ابتداء سے اسی بات کا سبق دیے ہوئے تھا کہ بسم اللہ نماز میں بآواز بلند کہو جیسا کہ علامہ مقریزی نے ذیل واقعہ میں بیان کیا۔

یہ ترمیمات جو نماز میں برابر ہوتے رہے اور جنکی کثرت مذاہب اربعہ کو دیکھ کے معلوم ہوتی ہے اور ایک کا دوسرے سے تقابل کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے یہ نتیجہ ہے تمام ان اختلافات کا جو عبادات وغیرہ میں عہد خلفا میں ہوئے اور ہوتے رہے اور یہی تمام باتیں اس امر کی اساس ہوگئیں کہ مختلف فرقوں میں جنگ آزمائیاں ہوں اور وحدت اسلامی میں افتراق پیدا ہو ورنہ اگر دین خالص اسی طرح رہتا جیسا کہ رسول لے کے آیا تھا اور ارباب حل و عقد اپنی طمع اور بغض وحسد سے کام نہ لیتے تو آج عالم بھر میں خصوصاً عالم اسلام میں ایک اور صرف ایک مذہب ہوتا۔ اور یہ تمام اختلافات رونما نہ ہوتے۔ ان تمام اختلافات

ضَالٌّ عَنْ ۱ هُدٰيِ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ

اگلے لوگوں کی سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا۔

مُضِلٌّ لِمَنِ اقْتَدٰی بِهٖ فِي

جیتے جی اور مرنے کے بعد (بھی) اپنے پیروؤں کا

حَيَاتِهٖ وَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ

گمراہ کرنے والا۔ (بھٹکانے والا)

۲ حَمَّالٌ خَطَايَا غَيْرِهٖ ۞ رَهْنٌ بِخَطِيْئَتِهٖ

اوروں کی خطائیں اپنے سر لادنے والا، (اور) خود اپنے گناہوں میں گرو ہے

۱ اگلے لوگوں کی سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا۔ وہ راہ جو خدا نے قائم کر دی تھی اور جس پر انبیائے ماسلف کے قدم پڑ چکے تھے اور جو بآواز بلند پکار پکار کے کہہ رہی تھی لن تجد لسنة الله تبديلا الٰہی راستہ کبھی بدلتا نہیں، اور جو بتا رہی تھی کہ وربك يصطفي ويختار وما كان لهم الخيرة اے رسول تیرا خدا ہی اپنا عہدہ دار چنتا اور انتخاب کرتا ہے لوگوں کو کوئی اختیار اس معاملہ میں نہیں وہ راہ جس پر موسیٰ خدا سے کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ واجعل لي وزيرا من اهلي هرون اخي اے خدا تو میرے اہل سے میرا وزیر مقرر کر اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا معلوم ہوا کہ یہ منصب وہ منصب تھا جس کے انتخاب کا اختیار موسیٰ سے کلیم کو بھی نہ تھا، عوام الناس کا کیا ذکر، یہی وہ راستہ تھا جہاں نبوتوں کے خیمے، رسالتوں کے پڑاؤ پڑے ہوئے تھے اور عصمت جہاں ڈیرے ڈالے تھی، اس راہ سے ہٹ کے چلنے والا گویا ہمیشہ کیلئے خدائی قائم کردہ راستہ کو مٹانا چاہتا ہے اور اس لیے وہ مرنے اور جینے دونوں حالتوں میں لوگوں کا گمراہ کرنے والا اور صراط مستقیم الٰہی سے بھٹکانے والا ہوگا۔

۲ " دوسروں کی خطائیں اپنے سر اوڑھنے والا " اس لئے فرمایا کہ جناب باری نے

قرآن پاک میں خود ارشاد فرمایا ہے لیحملن اثقالھم واثقالاً مع اثقالھم اہل جہنم اپنے بوجھ تو لائے ہی ہونگے دوسروں کے گناہوں کے بار بھی انھیں کے سر پر لادے جائینگے (کیونکہ اصل بانی وہی تھے نہ وہ یہ راستہ دکھاتے نہ دوسرے مبتلا ہوتے) یوں ہی اس مطلب کی موید وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کے ص۳۷ پر ابوہریرہ سے منقول ہے:-

قال قال رسول اللہ صلعم من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ الخ رواہ ابوداؤد جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا (اور غلط) تو اسکا بار گناہ اسی کے سر جائیگا جنے ایسا فتویٰ دیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت اس مطلب کو واضح کرتی ہے وہ یہ ہے لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیٰمۃ ومن اوزار الذین یضلونھم بغیر علم الا ساء ما یزرون وہ لوگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۹)

(گمراہ کرنے والے) اپنا کامل اور پورا پورا بوجھ اپنے اوپر روز قیامت اُٹھائے ہونگے اور ان لوگوں کے گناہوں کا بار بھی انھیں کے سر ہوگا جنکو انھوں نے بغیر علم گمراہ کیا ہے ۔ کتنا بڑا بوجھ یہ ہے جو انھوں نے (ان گمراہ کرنے والوں نے) اٹھایا ہے ۔

اسی طرح جناب رسالت مآبؐ کی یہ حدیث اس مطلب کی شاہد ہے ایما داع دعا الی الھدی فاتبع کان لہ مثل اجر من تبعہ لا ینقص من اجرھم شیٔ وایما داع دعا الی الضلالۃ فاتبع کان علیہ مثل وزر من تبعہ ولا ینقص منہ شیٔ کوئی بھی وہ ہدایت کرنے والا ہو جس کی دعوت ہدایت پر خلق نے لبیک کہی اور اسکی پیروی کی اسکا اجر تابعین کے اجر کا سا ہوگا (علاوہ اجر ہدایت کے) اسکے یہ معنی نہیں کہ تابعین کے اجر سے گھٹا کے ان کو اجر دیا جائے گا ، اسی طرح گمراہ کرنے والے کا بوجھ بغیر اس کے کہ گمراہ شدہ کے بوجھ میں کوئی کمی ہو اس گمراہ کرنے والے کے سر جائیگا ۔

بعینہ اسیطرح وہ مفہوم خبر ہے جو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ان حسنات الظالم تنقل الی دیوان المظلوم وسیئات المظلوم تنقل الی دیوان الظالم ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دیدی جائیں گی اور مظلوم کی برائیاں ظالم کو دیدی جائیں گی ۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ سیئات وحسنات منتقل ہونے کی حیثیت رکھیں گے کیونکہ وہ چیزیں جو (اعراض) ہیں ہیں ان کا انتقال کیسا بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ پیغمبر نے بر سبیل استعارہ اس مطلب کو ادا کر کے دنیا کو سمجھایا ہے کہ گمراہ کن اور ظالم نے اگر کوئی اچھائی بھی کی ہے تو وہ مظلوم کے کام آئے گی کیونکہ مظلومیت کا پلہ بھاری ہے ، اسی طرح مظلوم کی برائی اس تحمل ظلم کے مقابلہ میں دب جائے گی ۔ اور اس کا نتیجہ ظالم کو بھگتنا پڑے گا ۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ مظلوم کے قلب میں تحمل ظلم سے وہ استعداد و قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ رحمت و تنویر آلہیہ کو قبول کرے اور رحمت الٰہی اس کی طرف متوجہ ہو جائے یہی قرب رحمت جو ظلم ظالم کے سبب سے ہوا ہے اس نے مظلوم کو اس درجہ پر پہونچا دیا جو عمل حسنات سے حاصل ہوتا ، اور وہ سیئات جو ظالم کی طرف منتقل ہو گئے اس کے معنی یہ ہیں کہ مظلومیت مظلوم نے ظالم کو رحمت الٰہی اور نور الٰہی سے

بعید کر دیا اور اسمیں وہ استعداد و قابلیت پیدا ہوگئی جو رحمت اور ظالم کے درمیان حجاب بنگئی اور وہ قساوت قلبی جو رحمت کو ادھر متوجہ ہونے نہیں دیتی یہی وہ شے ہے کہ ہزار سیئات کے برابر ہے اور ہمیشہ کے لئے ظالم محروم رحمت ہے کیونکہ وہ قابلیت و استعداد جو رحمت الٰہی سے دور کرتی ہے مستمر اور باقی ہے ۱۲

CS CamScanner

وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا ۔ مُوضِعٌ فِي جُهَّالِ الْاُمَّةِ

اور (دوسرا) وہ آدمی جسنے نری جہالت کو (ہر طرف سے جوڑ بٹور کرا کٹھا کر لیا ہے۔
(یہ شخص) گمراہی پھیلانے کے لئے امت کے جاہل لوگوں میں بڑی تیزی سے دوڑ دھوپ کرتا ہے

لے یہ دوسرا آدمی وہ ہے جسمیں آپنے بیس طرح کے عیوب بیان فرمائے ہیں
اوّلے تو "البادی اظلم" کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ ثانی مخزن عیوب ہے، جہالت
کا بٹورنے والا "موضع فی جہال الامّة" موضع اگر بکسر ضاد پڑھا جائے تو
اسکے معنی وہی ہیں جو ترجمہ میں بیان کیے گئے اور اگر بفتح ضاد پڑھا جائے تو اسکے معنی
یہ ہیں کہ یہ آدمی ایسا نہیں کہ اسکا شمار اشراف ناس میں ہو بلکہ ایک ذلیل
اور گرا پڑا آدمی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس جملہ سے آپ نے کس جانب اشارہ فرمایا
ہے۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ صاحب حیوٰۃ الحیوان نے جہاں اصحاب رسول کے پیشوں
کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ عبارت لکھی ہے وکان عمر بن الخطاب دلالا بین البایع 11
والمشتری جناب ابن خطاب دلالی کیا کرتے تھے اور خریدار و بایع کے درمیان
دوڑ دھوپ کرتے تھے۔ ایک دوسرا واقعہ اس مطلب کی طرف اور مشیر ہے۔

قال حج عمر فلما کان بضجنان قال لا الہ الا اللہ العظیم العلی المعطی
ماشاء من شاء کنت ارعی ابل الخطاب بھذا الوادی فی مدرعۃ صوف و
کان فظا یتبعنی اذا عملت ویضربنی اذا قصرت وقد امسیت ولیس بینی
وبین اللہ احد (طبری ص ۳۹ جلد چہارم طبع مصر)

حضرت عمر اپنے خدا کا شکر نعمت خلافت پر ادا فرما رہے ہیں جب حج کو جاتے ہوئے
مقام ضجنان میں پہونچے تو آپ نے گواہی دی کہ سوائے خدائے عظیم و برتر کے جو بڑا
عطا کرنے والا ہے کوئی خدا نہیں جسے چاہتا ہے دیتا اور جو چاہتا ہے دیتا ہے میں
اس وادی ضجنان میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور ٹاٹ کا کرتہ پہنے رہا
کرتا تھا (بھیڑ کے بالوں کا کرتہ) اور بابا جان مجھ پر بہت سخت تھے جب میں انکا کام

کرتا تھا تو وہ میری کھوج میں رہتے تھے کہ دیکھوں یہ ٹالتا تو نہیں اور اگر کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھے ٹھوکتے تھے، اور اب تو میں اس حال میں ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان کوئی حاکم نہیں میں خود خلیفہ وقت اور حاکم ہوں

یوں ہی ہزاروں واقعات ہیں منجملہ ان کے وہ واقعہ بھی جو صاحب عقد فرید وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک بڑھیا نے آپ سے کہا تھا کہ کل تک تو تم "عمیر" (تصغیر تذلیلی) بازار عکاظ میں کہلاتے تھے۔ اور آج عمر خلیفہ ہوگئے۔

پھر آپ ان عیوب کو بیان فرماتے ہیں کہ تاریکیوں میں رہنے والا، اور راہ نجات نہ پانے والا۔ دل کا اندھا نظام امور سے غافل صلح و آشتی سے جاہل۔ عالم نہیں مگر لوگوں نے اسکا نام عالم رکھ دیا اور عالم کی جگہ دیدی، علم میں دوسروں کا محتاج کچھ ادھر سے لیا کچھ ادھر سے سمیٹ سماٹ کر اور جوڑ بٹور کر مسئلے حل کرنے لگا جہل کے گندے پانی کا پینے والا

ناانصافی سے فریادی ہے
غلط فیصلے چیخ رہے ہیں مگر
سنے تو کون۔ قرآن کو چھوڑے
ہوئے، کتاب الٰہی کی تاویل
وتحریف سے خوش وغیرہ
وغیرہ۔

علم اصحاب رسولؐ کی کہانی
علامہ مقریزی کی زبانی

كان من امره صلى الله عليه (واله) وسلم مع قريش ما كان حتى هاجر من مكة الى المدينة فكانت الصحابة رضوان الله عليهم حوله صلى الله عليه وسلم يجتمعون اليه في كل وقت مع ما كانوا فيه من ضنك المعيشة وقلة القوت فمنهم من كان يحترف في الاسواق ومنهم من كان يقوم على نخله ويحضر رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل وقت ومنهم طائفة عندما تجد ادنى فراغ مما هم بسبيله من طلب القوت فاذا سئل رسول الله عن مسئلة

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱)

زلال علم کا تشنہ مسئلوں کے حل کرنے کا زعم حالانکہ خاک کچھ نہیں آتا۔ مگر اسکا ضامن بن بیٹھا کہ مسئلہ کی گتھی سلجھا دے گا۔ اور قاضی بن بیٹھا۔ جب کوئی قضیہ[9] سامنے آیا تو لگا اپنی طرف سے آو باؤ بکنے لگے تو تیر نہیں تو تکا، ذہن[10] کا کمزور دلائل کا بودا جیسے تار عنکبوت ہوا کرتے ہیں۔ شبہوں[11] میں پڑا تو خود پھنسا ہوا ہے کیونکہ نہ عقل ہے کہ نکلے نہ علم ہے کہ اس سے بچے نہ ذہن ہے کہ صورت نجات پیدا کرے، ایسا آدمی دوسروں کو کیا سمجھائیگا اور کونسی راہ ہدایت دکھائے گا۔ درایت[12] و عقل تو چھو نہیں گئی، کچھ بتایا تو اب یہ کھٹکا لگا ہے کہ نجانے ٹھیک کہا کہ غلط۔ بالکل جاہل[13] مسائل کو جہالت کی اندھیاری میں ٹٹولا کرتا ہے اور مسائل شرعیہ کے حل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں پھینکا کرتا پھر رتوندھی[14] میں مبتلا رات کی تاریکی ہی کیا کم تھی کہ اس مرض نے اور بھی اندھا کر دیا اب سوجھے تو کیا سوجھے دیکھے تو کیا دیکھے کس کو نور ہدایت کی طرف لا سکتا ہے۔ خود ہی اندھا ہے۔ قوانین[15] شرعیہ اور معلومات پر خود ہی یقین نہیں۔ روایات کو سوکھی گھاس[16] کی طرح اڑاتا ہے ایک کو چھوڑتا ہے، دوسرے کو پکڑتا[17] ہے نہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے نہ اس سے انتفاع۔ جیسے اور چیزوں کا منکر ہے ویسے ہی علم کا بھی منکر ہے وہ علم کو کوئی چیز نہیں جانتا لہٰذا وہ علم حقیقی سے بالکل کورا ہے، جب کوئی مسئلہ[18] حل کیا یا کوئی بات کہی تو یہ یقین ہے کہ بس اب قلم توڑ دیے دوسرا اس سے بہتر کچھ نہیں بتا سکتا اور نہ کوئی راستہ دوسروں کی گامزنی کے لئے باقی رہ گیا ہے حالانکہ دوسروں کا بیان اس معاملہ میں بادلیل و برہان ہوا کرتا ہے کاش وہ اس پر اعتماد و بھروسہ کرے مگر وہ تو اپنے فہم کے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ کوئی جہالت[19] کر بیٹھا تو اسکے چھپانے کی کوشش ہے کہ دوسرا جاننے نہ پائے کہیں ذلت نہ ہو۔ خون[20] ناحق ان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲)

او حکم بحکم او امر بشیٔ او فعل شیئا وعاہ من حضر عندہ من الصحابۃ وفات من غاب عنہ علم ذلک الا تری ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قد خفی علیہ ما علم حمل بن مالک بن النابغۃ رجل من الاعراب من ہذیل فی دیۃ الجنین وخفی علیہ .... فلما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تفرقت الصحابۃ رضی اللہ عنہم فمنہم من خرج لقتال مسیلمۃ واہل الردۃ ومنہم من خرج لقتال اہل الشام ومنہم من خرج لقتال اہل العراق وبقی من الصحابۃ بالمدینۃ مع ابی بکر عدۃ فکانت القضیۃ اذا نزلت بابی بکر قضی فیہا بما عندہ من العلم بکتاب اللہ او سنۃ رسول اللہ فان لم یکن عندہ فیہا علم بکتاب اللہ ولا من سنۃ رسولہ سال من بحضرتہ من الصحابۃ فان وجد عندہم علما من ذلک رجع الیہ والا اجتہد فی الحکم

ولما مات ابوبکر وولی امر الامۃ من بعدہ عمر بن الخطاب فتحت الامصار وزاد تفرق الصحابۃ فیما افتتحوا من الاقطار فکانت الحکومۃ تنزل بالمدینۃ او غیرہا من البلاد فان کان عند الصحابۃ الحاضرین لہا فی ذلک اثر عن رسول اللہ حکم بہ والا اجتہد امیر تلک البلدۃ فی ذلک وقد یکون فی تلک القضیۃ حکم عن النبی موجود عند صاحب آخر وقد حضر المدنی ما لم یحضر المصری وحضر المصری ما لم یحضر الشامی وحضر الشامی ما لم یحضر البصری وحضر البصری ما لم یحضر الکوفی وحضر الکوفی ما لم یحضر المدنی کل ہذا موجود فی الآثار وفیما علم من مغیب بعض الصحابۃ عن مجلس النبی فی بعض الاوقات وحضور غیرہ ثم مغیب الذی حضر امس وحضور الذی غاب فیدری کل واحد منہم ما حضر ویفوتہ

ما غاب عنہ فمضی الصحابۃ علی ما ذکرنا ثم خلف بعدہم التابعون الآخذون عنہم وکل طبقۃ من التابعین فی البلاد التی تقدم ذکرہا فانما تفقہوا مع من کان عندہم من الصحابۃ .... کاتباع اہل المدینۃ فی الاکثر فتاوی عبد اللہ بن عمر، واتباع اہل الکوفۃ فی الاکثر فتاوی عبد اللہ بن مسعود واتباع اہل مکۃ فی الاکثر فتاوی عبد اللہ بن عباس واتباع اہل مصر فی الاکثر فتاوی عبد اللہ بن عمرو بن العاص .... الخ

جو واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش کے درمیان ہوئے وہ یہ ہیں یہاں تک کہ آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، صحابہ آپ کے گرد وپیش رہا کرتے تھے اور ہر وقت آپ کے پاس ان کا مجمع رہا کرتا تھا باوجود اسکے کہ

(معلوم ہوا بعض مقامات ایسے نکلتے تھے جہاں آپکا علم قرآن وسنت کوتاہی اورکمی کیا کرتا تھا) تو آپ ان صحابہ سے پوچھتے تھے جو آپ کے گرد وپیش موجود تھے کہ بھائی تمھیں اس مسئلہ کے متعلق اگر کچھ علم ہو تو بتاؤ، اگر انھیں علم ہوتا تھا تو آپ اُنکے علم سے مدد لیکے فیصلہ کردیتے تھے، ورنہ جو کچھ اجتہاد اپنی رائے سے کرسکتے تھے کرتے تھے اور جو اسوقت آپکا ذہن بتاتا تھا (بغیر اسکے کہ قرآن، علم صحابہ یا سنت سے ماخوذ ہو) ویسا فیصلہ کردیا کرتے تھے۔

جب حضرت ابوبکر دنیا سے سدھارے تو حضرت عمر کے ہاتھوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۳)

ان کو رزق کی تنگی تھی اور ان کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا، ان میں بعض صحابہ ایسے تھے جو حرفت اور پیشہ کیا کرتے تھے اور بازاروں میں اپنا دھندا کرتے تھے بعض ایسے تھے جو باغ خرمہ کی خبرگیری کیا کرتے تھے اور اس میں ان کا رزق منحصر تھا اور اسکے علاوہ وقت میں ہر وقت رسول کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے ان میں سے بھی بعض صحابہ وہ ہوتے تھے کہ انھیں اپنے کام کاج سے ذرا بھی فرصت ملی اور بیٹھ کے دھندے سے ذرا بھی فراغت ملی تو وہ رسول کے پاس اپنا وقت گزارتے تھے (ایسی صورت میں) جب رسول اللہ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور آپ اسکا جواب دیتے یا کسی بات کا حکم کرتے یا کوئی حکم دیتے یا کوئی بات علمی حیثیت سے کرتے تو اسے وہی صحابی سنتا یا دیکھتا تھا جو اس وقت آپکے پاس موجود ہوتا تھا اور جو صحابہ کہ اسوقت موجود نہ ہوتے تھے انھیں ان باتوں کا یا فعل رسول کا علم بھی نہ ہوتا تھا، یہی تو وجہ تھی کہ عمر بن خطاب پر حمل بن مالک بن نابغہ کا (جو ایک اعرابی تھے اور قبیلۂ ہذیل سے تھے) وہ عمل جو دیتِ جنین کے بارے میں انھوں نے کیا مخفی رہا، یہ اسلئے کہ انھوں نے اس مسئلہ کو رسول سے سنا تھا اور حضرت عمر اپنے موجود نہ ہونے کی وجہ سے نہ سُن سکے تھے

جب رسول کا انتقال ہوگیا اور ابوبکر خلیفہ مقرر کئے گئے تو صحابہ کرام شہر وبلاد میں متفرق ہوگئے۔ کوئی مسیلمہ کذاب سے لڑنے چلا گیا کوئی اہل ردہ سے جنگ کرنے گیا کوئی اہل شام سے مقابلہ کرنے روانہ ہوا، کوئی اہل عراق کے قتال کیلئے نکلا اور گنتی کے صحابہ ابوبکر کے ساتھ مدینہ میں رہ گئے، اسوقت جب کوئی مسئلہ ابوبکر کے سامنے آتا تھا اور آپ اسکا فیصلہ کرنا چاہتے تھے تو جو کچھ علم آپ کو کتاب خدا اور سنت رسول کا اس معاملۂ خاص میں ہوا کرتا تھا اسی کے مطابق فیصلہ کردیتے تھے اور اگر معلومات قرآنی اور علم سنت رسول اس معاملہ میں آپ کو نہ ہوتا تھا

عَادٍ فِي أَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ

اور فتنہ (وفساد) کی اندھیاریوں میں پچھلے پہر، بڑی پھرتی سے دوڑتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴)

بجام خلافت آئی، ملک فتح ہونے لگے اور صحابہ بکثرت مدینہ چھوڑ چھوڑ کے فتح ملک و امصار کے لئے نکل کھڑے ہوے (اس وقت اتنے صحابہ بھی گرد و پیش عمر نہ تھے جتنے کہ عہد ابوبکر میں رہا کرتے تھے) اب فیصلہ مسائل اور حکم کا صدور یا تو خاص مدینہ میں ہوتا یا کسی نہ کسی شہر میں، وہاں جو صحابہ موجود ہوتے اگر ان کو اس مسئلہ خاص کا علم ہوتا تو وہ اس علم کے موافق فیصلہ، قضیہ کر دیا کرتے تھے ورنہ جو اس شہر کا والی ہوتا تھا مقدمہ وہ فیصل کرتا تھا اور اپنے اجتہا و رائے سے کام لیتا تھا (وہ جیسی بھی ہو)۔

ایسا نہ تھا کہ اس قضیہ میں کوئی حکم مرسل آلہی کا نہ رہا ہو، نہیں نہیں کسی نہ کسی کے پاس وہ حکم علمی صورت میں موجود ہوا کرتا تھا مگر اس فیصلہ کرنے والے کو اسکا علم نہ ہوتا تھا لہذا اسے اپنی رائے سے فیصلہ کرنا پڑتا تھا (یہی سبب تھا) کہ جو مصری نہ جانتا تھا وہ مدنی جانتا تھا اور جو مصری جانتا تھا اس سے شامی غافل تھا اور جو شامی کو معلوم تھا اس سے بصری جاہل تھا اور جس کا علم بصری کو تھا اس سے کوفی بالکل بے خبر تھا، اور جو کوفی جانتا تھا اسے مدنی نہ جانتا تھا۔

یہ تمام باتیں اور واقعات آثار سلف میں پائے جاتے ہیں اور بعض صحابہ کی مجلس نبی سے غیبت اور بعض کے حضور و وجود نے اس مطلب کو واضح و آشکار کر دیا ہے (اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں (پھر نہ یہی کہ)

مجلس نبوت اور بزم رسالت سے کل ایک صحابی غائب تھا اور آج وہ حاضر ہے یا کل حاضر تھا اور آج وہ غائب ہے ایسی صورت میں اس دن کے احکام رسول اور عمل رسول سے وہ صحابی عالم ہوتا تھا جو موجود تھا اور اسے ان باتوں کا بالکل علم نہ ہوتا تھا جو اس دن نہ آتا تھا۔

صحابہ اسی حالت پر جو ہم نے بیان کی گزر گئے ان کے بعد تابعین کا دور آیا جنھوں نے صحابہ سے سلسلہ علم لیا تھا اور سنت لی تھی اور ہر طبقہ تابعین کا جو شہروں میں تھا اس نے فقہ و شریعت انھیں صحابہ سے اخذ کی تھی جو اس شہر میں رہ چکا تھا (لہذا علم کل شریعت اسے بھی نہیں حاصل ہو سکا کیونکہ اسکا علم صحابہ موجودہ شہر سے ماخوذ ہے اور اس

عَمٍّ بِمَا فِيْ عَقْدِ الْمُدْنَةِ

اطمینان وسکون اور صلح و آشتی کے (فائدوں سے) اندھا ہے (یا اس ڈھیل اور مہلت سے جو اللہ نے اسے دے رکھی ہے اندھا ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵)

صحابی کو باعتبار وجود بزم رسالت جتنا بھی علم حاصل ہو سکا ہوگا اور یاد بھی رہ گیا ہوگا اسی کی تعلیم یہ اس تابعی کو دیسکا ہوگا یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔

لہذا ہر ہر شہر کا مجتہد علیحدہ تھا، مقلد علیحدہ، اہل مدینہ اکثر فتووں میں عبداللہ بن عمر کی تقلید کرتے تھے اور انھیں کی رائے پر تھے، اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود کی تقلید میں تھے اور انھیں کے فتاوی پر انکا عمل تھا، اہل مکہ فتاوائے عبداللہ بن عباس پر عامل تھے اور اہل مصر عمرو بن عاص کے صاحبزادے عبداللہ کے فتووں پر عمل کیا کرتے تھے۔

اسکے بعد زمانہ نے کروٹیں لیں اور تابعین تابعین کا دور شروع ہوا یہاں تک کہ نوبت ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل تک پہونچی اور ان کے مقلدین پیدا ہوگئے، سب سے زیادہ جنکا اثر اہل دنیا پر ہوا وہ ابوحنیفہ تھے اور انکی تعلیم ان عبارات سے اور ان سلسلوں سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ علم اور شریعت، حکم رسول اور سنت کے حاصل کرنے میں اسوقت سے لیکے اسوقت تک اسلام والوں نے کسی ایک مقام پر بھی اہل بیت نبوت وطہارت کو واسطہ اور ذریعہ نہیں بنایا حالانکہ بنص حدیث رسول دعویداران اسلام کو قرآن کی طرح (جو ایک خاموش کتاب ہے اور جسکے معنی بتانے کیلئے زبان وحی وعلم ربانی چاہیے) عترت رسول کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے تھا کیونکہ حدیث متفق علیہ، جو عمل وعلم سنت رسول کا ثبوت ہو سکتی ہے، اسپر اسلام والوں کا عامل رہنا ضروری اور بہت

ضروری تھا تاکہ گمراہی کا خوف برطرف ہو جاتا اور شاہراہ ہدایت ہمہ وقت سامنے رہتی اور وہ حدیث یہ ہے إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي إِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ (گروہ ناس میں تم میں دو گرانبہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک خدا کی کتاب ایک اپنی عترت جب تک تم ان دونوں سے تمسک کرتے رہوگے اور ان دونوں کا دامن تھامے رہوگے گمراہ نہ ہوگے اور کبھی بھی نہ بھٹکوگے، اور یہ دونوں یقیناً ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں) وہ سلسلہ علم وحصول علم جو اوپر بیان کیا جا چکا اور جس کو علامہ مقریزی نے لکھا ہے اسکے دیکھنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حصول علم شریعت اور سنت رسول میں اہل بیت کا لگاؤ کہیں نام کو نہیں، اور جو کچھ علم بھی لیا گیا وہ صحابہ وغیرہ سے حالانکہ انکا علم خود محتاج علم تھا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تشنۂ تکمیل، ناقص تھا اور محتاج تعمیل، پھر کیا اسے یہ سمجھوں کہ حدیث رسول کو غلط سمجھا گیا اور سنت رسول کو چھوڑ دیا گیا یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ دستگیری سنت کا دعویٰ ہے پھر آخر وہ کیا سبب ہے کہ رسول کی بتائی ہوئی راہ سے انحراف کامل کیا گیا اور ایک نیا اور بالکل نیا راستہ اختیار کیا گیا اس راہ کا ذمہ دار رسول ہو سکتا ہے خدا ہی جانے ؟!!

علامۂ مقریزی کی عبارت سے یہ بات تو معلوم ہی ہو گئی کہ کسی ایک صحابی کو علم کامل نہ تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حکم خدا کے خلاف آیت الٰہی کے خلاف حکم رسول کے خلاف اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے مسائل شرعیہ میں کام لیا جاتا تھا، یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سلسلہ صحابی سے تابعین تک اور ان سے ائمہ اربعہ تک پہونچا اور آج تک یہ سلسلۂ علم ناقص دنیا بھر میں رائج ہے اب اگر پوچھا جائے کہ اس کا بانی کون اور اس ٹیڑھی راہ کا نکالنے والا کون اور اس راہ ہدایت سے جس کی تعلیم رسول نے دی تھی اور جو صراط مستقیم کہلاتی ہے ہٹانے والا اور بہکانے والا کون، اور ان تمام لوگوں کی گمراہی کا مواخذہ دار کون اور مظلمہ کس کے سر تو ہمارے پاس اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے اور اگر ہو بھی تو ہم منھ سے نکال کب سکتے ہیں۔

بات پر واں زبان کٹتی ہے ۔۔۔ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

حدیث رسول کے معنوں کے سمجھنے میں اختلاف

قرآن کو جانے دیجئے وہ تو الٰہی کلام ہے "انما انا بشر مثلکم" (میں تمہیں سا ایک آدمی ہوں) یہ رسولؐ کا دعویٰ تھا آپ کی حدیث کے سمجھنے میں صحابہ میں کیا کیا اختلافات ہوئے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں:-

قال صدرت مع عمر رضی اللہ عنہ من مکۃ حتی اذا کنا بالبیداء اذا ھو برکب تحت ظل سمرۃ فقال اذھب فانظر من ھؤلاء الرکب قال فنظرت فاذا صہیب فاخبرتہ فقال ادعہ لی فرجعت الی صہیب فقلت ارتحل فالحق بامیر المومنین فلما اصیب عمر دخل صہیب یبکی یقول واخاہ واصاحباہ فقال عمرؓ یا صہیب اتبکی علی وقد قال رسول اللہ ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ قال ابن عباس فلما مات عمر ذکرت ذالک لعائشۃ فقالت رحم اللہ عمر واللہ ماحدث رسول اللہ ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اھلہ علیہ ولکن رسول اللہ قال ان اللہ لیزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ وقالت حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا زوج النبیؐ قالت انما مرّ رسول اللہ علی یہودیۃ یبکی علیہا اھلہا فقال انھم لیبکون علیہا وانہا لتعذب فی قبرھا۔

صحیح بخاری باب البکاء علی المیت صفحہ ۱۷۲ طبع مصر

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۰)

میں حضرت عمر کے ہمرکاب مکہ سے روانہ ہوا جب ہم لوگ ایک جنگل میں پہنچے تو ایک سواروں کے گروہ کو دیکھا کہ درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا ہے حضرت عمر نے مجھ سے کہا جا کے دیکھو تو یہ کون لوگ ہیں جب میں نے دیکھا تو صہیب تھے میں نے آکے خبر کی کہا میرے پاس بلا لاؤ میں نے صہیب سے آکے کہا کہ جاؤ تمھیں امیر المومنین عمر بلا رہے ہیں ــ جب حضرت عمر زخمی ہوئے اور زمانہ موت قریب ہوا (اوپر کے ٹکڑے سے کیا ربط ہے یہ علامہ بخاری جانیں) تو صہیب "ہائے میرا بھائی! ارے میرا صاحب (مالک) !! کہتے ہوئے اور روتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے، صہیب کو روتا دیکھ کر عمر نے کہا کہ کیوں صہیب تم مجھ پر روتے ہو، حالانکہ رسول اللہ فرما گئے ہیں کہ رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے (مگر ابھی تو حضرت عمر میت کہے جانے کے مستحق نہ تھے مگر گویا اس زخم کی تکلیف سے زندہ درگور تھے) جب انکا انتقال ہوگیا تو عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کو جناب عائشہ سے بیان کیا انھوں نے فرمایا خدا رحم کرے عمر پر رسول نے یہ نہیں بیان کیا (جو وہ سمجھے) رسول نے یہ تھوڑی ہی بیان فرمایا ہے کہ اہل وعیال کے رونے سے کسی مومن کی میت پر عذاب ہوتا ہے، ہاں یہ البتہ فرمایا ہے کہ کافر کی میت پر اسکے اہل کے رونے سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور اے ابن عباس تمھیں تو قرآن کافی ہے اور اس میں یہ آیت صریحی ہے کہ ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھاتا"

اس حدیث سے چند باتیں مستفاد ہوئیں ایک تو یہ کہ اصحاب نبی صہیب وغیرہ میت پر رونے کو جائز سمجھتے تھے اور روئے؛ دوسرے یہ کہ رونا بدعت نہیں تیسرے یہ کہ حضرت عمر معنی حدیث کو نہ سمجھے تھے جبھی تو جناب عائشہ نے اسکی تشریح فرمائی۔ چوتھے یہ کہ حضرت عمر کے پیش نظر غالباً یہ آیت لا تزر وازرة وزر اخرى جس سے جناب عائشہ نے استدلال فرمایا تھا، نہ تھی، جس طرح روز وفات رسول

آیہ "انک میت وانھم میتون" آپکے کانوں تک نہ پہونچی تھی اور اس سے آپ بالکل لاعلم تھے، ادھر تو ان واقعات کو دیکھتا ہوں اور ادھر میری نگاہ حسبنا کتاب اللہ پر پڑتی ہے دونوں میں کوئی صورت جمع کی پیدا ہو ناممکن ہوتا ہے۔

پھر حدیث مذکور کی تشریح جناب عائشہ نے دوسری حدیث سے فرمائی اور کہا کہ رسول تسر ایک دن ایک یہودین کے پاس سے ہوکے گذرے جوا پنے کسی عزیز پر رو رہی تھی تو آپ نے اتنا فرمایا کہ یہ رو رہی ہے اور اس میت پر عذاب کی زیادتی ہو رہی ہے۔

پھر جب معانی حدیث میں یہ اختلافات رونما ہوں کہ اصحاب کبار کچھ سمجھیں اور ازواج مخصوص کچھ سمجھیں تو قرآن کے معنوں کا اختلاف قابل ذکر نہیں۔

قَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَ لَيْسَ بِهٖ

نام کے آدمیوں نے اسکا نام عالم رکھدیا، حالانکہ وہ عالم نہیں

ھ چونکہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں دقت ہوا کرتی تھی اسیوجہ سے مسائل کے حل کرنے میں بھی مشکلیں پڑا کرتی تھیں اور حضرات خلفا کو دوسروں کی احتیاج ہوا کرتی تھی جیسا کہ کتاب المیراث مشکوٰۃ اور موطاے مالک کے صفحہ ۳۸۷ پر یہ واقعہ درج ہے:۔

عن قبیصۃ بن ذویب قال جاءت الجدۃ الی ابی بکر فسالہ میراثھا فقال لھا مالک فی کتاب اللہ شیٔ وما لک فی سنۃ رسول اللہ فارجعی حتی اسال الناس کسی میت کی دادی جناب ابوبکر کی خدمت میں آئی اور اپنے حصہ میراث کو پوچھنے لگی آپ نے فرمایا نہ تو کتاب خدا کی روسے تیرا کوئی حق معلوم ہوتا ہے نہ سنت رسول کے اعتبار سے اسوقت چلی جا پھر جب میں لوگوں سے اس مسئلہ کو (اچھی طرح) پوچھ لوں تب آنا)

الفاظ قرآنی کے معنوں سے لاعلمی

عن عمر انہ قرأ قولہ تعالیٰ فانبتنا فیہ فاکھۃ الی قولہ وابا ثم قال ما الاب ثم قال ھذا لعمری ھو التکلف فخذوا ایھا الناس ما بین لکم فما عرفتم فاعملوا ما لم تعرفوا فکلوا علمہ الی اللہ (ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۵)

حضرت عمر سے سلسلہ بیہقی نے روایت کی ہے کہ انھوں نے ایک دن قرآن مجید کی یہ آیت فانبتنا فیہ فاکھۃ..... تا..... وابا" پڑھی پھر فرمایا کہ یہ "ابا" کیا چیز ہے (ابا سے اتنے لاعلم اور یہ لفظ مع معنی اسقدر مجہول لذات) پھر خود ہی فرمایا "بھائی اپنی زندگی کی قسم یہ تکلف ہے تکلف ہے (اسکے بعد حکم دیتے ہیں) لوگو! جو کچھ قرآن میں تمھیں بیان کیا گیا ہے اور جس کو تم نے جان پہچان لیا ہے

اس پر عمل کرو اور جسے نہیں سمجھے اسکا علم خدا کے حوالہ کرو"

دنیا دیکھے! کہ دعوائے حسبنا کتاب اللہ کے بعد قرآن کا نہ جاننا اور پھر نہ جاننے کی ترغیب لوگوں کو دینا اور پھر اپنی سمجھ کے مطابق قرآنی آیات کے مفہوم لینا اور ان پر عمل کرنا، خواہ وہ منشاے الٰہی کے موافق ہو یا خلاف، کہانتک درست ذریعہ ہو سکتا ہے۔

وہ کتاب جس پر اسلام کی اساس ہے، وہ کتاب جس کی تبلیغ کے لئے رسول نے اپنا خون پانی ایک کردیا، وہ کتاب جو ابد الآباد تک کیلئے اپنے دامن میں وہ احکام ربانی لیے ہوے ہے جو کبھی منسوخ نہیں ہو سکتے یہانتک کہ صبح قیامت ان خود رائیوں پر مسکرائے"

اگر جناب باری کو لوگوں کی سمجھ کے موافق ہی قرآن پر عامل بنانا تھا تو رسول پر اتارنے کی ضرورت، رسول کے بھیجنے کی حاجت، رسول کو یہ جفاکشی اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ قرآن کی تبلیغ و

بن الاسود عن سعید بن المسیب قال کان عمر یتعوذ من معضلۃ لیس لھا ابو الحسن اخرجہ احمد و ابو عمر

حضرت عمر ہر اس مشکل مسئلہ سے پناہ مانگا کرتے تھے جس کے لئے علی بن ابیطالب علیہ السلام موجود نہوں، آپ نے ایک مجنون عورت کے رجم کا حکم دیدیا تھا اور ایک اس حاملہ کے متعلق جس کے یہاں چھ مہینہ کے بعد ولادت ہوئی اسے بھی حضرت عمر نے رجم کرنا چاہا تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا فرماتا ہے کہ حمل و رضاعت کی مدت تیس مہینہ ہیں اور یہ حدیث بھی بیان فرمائی کہ رسول نے فرمایا ہے کہ تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں اور ان سے مواخذہ و بازپرس نہیں، انھیں تین میں سے ایک مجنوں بھی ہے۔ تب عمر نے کہا کہ اگر علی نہوتے تو میں ہلاک ہوگیا ہوتا۔"

احمد بن حنبل نے اسی مطلب کو اپنے مسند میں بیان کیا ہے اور حدیث کامل حیثیت سے بیان کی ہے کہ تین آدمیوں پر کوئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

تبلیغ میں وہ کوششیں فرمائیں کہ جنکے خیال سے آج باہمت لوگ لرز رہے ہیں اور ان تکالیف کا اندازہ کرکے چیخ اٹھتے ہیں۔

حدود و احکام شرعیہ سے لاعلمی

(۱) ابن عبد البر صاحب استیعاب ترجمہ علی علیہ السلام میں آپ کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"عن سعید بن المسیب قال کان عمر یتعوذ من معضلۃ لیس لھا ابو الحسن و قال فی المجنونۃ التی امر برجمھا و فی التی ولدت لستۃ اشھر فاراد عمر رجمھا فقال لہ علیؑ ان اللہ یقول حملہ و فصالہ ثلثون شھرا الحدیث وقال لہ ان اللہ رفع القلم عن المجنون الحدیث فکان یقول لولا علی لھلک عمر۔"

(استیعاب برحاشیہ اصابہ طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۳۹)

امام احمد بن حنبل نے بھی اپنے مسند کے جلد اول میں اسکا تذکرہ کیا ہے "حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا سعید عن قتادہ عن انس ان عمر بن الخطاب اراد ان یرجم مجنونۃ فقال لہ علی سمعت رسول اللہ یقول رفع القلم عن ثلثۃ عن النائم حتی یستیقظ و عن الطفل حتی یحلم و عن المجنون حتی یبرأ و یعقل فادرأ عمر"

مسند صفحہ ۸۱

صاحب ریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ جلد ثانی طبع مصر صفحہ ۱۹۴ پر بھی یہ روایت باین الفاظ موجود ہے روی ان عمر بن الخطاب اراد رجم المرأۃ التی ولدت لستۃ اشھر فقال لہ علی ان اللہ یقول و حملہ و فصالہ ثلثون شھرا وقال تعالی و فصالہ عامین الحمل ستۃ اشھر و الفصال عامین فترک عمر رجمھا و قال لولا علی لھلک عمر اخرجہ العقیلی و اخرجہ ابن السمان عن ابی حزم۔

بکرٌ فاستکثرَ من جمع

اس نے جلدی جلدی (جہالتوں اور گناہوں کی) بہت کچھ جوڑ بٹور کر اکٹھا کر لیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰)

حد شرعی نہیں، مجنون، سونے والا اور بچہ جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔

صاحب ریاض النضرہ نے بھی اس مطلب کو ادا کیا ہے اور سلسلہ روایت میں عقیل بن سمان، ابن حزم وغیرہ کو بھی ذکر کیا ہے کہ انھوں نے بھی اس روایت کو لکھا اور بیان کیا ہے ان سب نے یہ لکھا ہے کہ " لولا علی لھلک عمر " یا اسکے ہم معنی الفاظ حضرت عمر کے دہن سے جناب امیر المومنین علیہ السلام کے لئے نکلا کرتے تھے " اطال الله بقاءک " بھی اسی موقع و محل پر نکلا تھا " یہ زندگی کی درازی، واقعہ یہ ہے کہ اپنی غرض کیلئے مطلب یہی ہوگی کہ مسائل مشکلہ حل ہوتے رہیں۔

ان چیزوں کو ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی صفحہ جلد اول مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کا حکم تھا کہ مسجد میں اگر علی ہوں تو کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے، اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گئے ہوتے، کبھی یوں کہ خدا عمر کو اس مشکل کے لئے باقی نہ رکھے جس کے لئے علی موجود نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔

اور کبھی یہ کہتے کہ " اب علی سا آدمی نہ پیدا ہوگا " جیسا کہ موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب کے صفحہ ۴۸ طبع ایران پر اس زن حاملہ کے رجم کا واقعہ لکھ کر لکھا ہے اور شیخ الاسلام قسطنطنیہ شیخ شاہ سلیمان حنفی بلخی قندوزی نقشبندی یعنی بابا خواجہ کلاں نے بھی ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۶۲ پر خوارزمی سے اسکو نقل کیا ہے۔

بخاری نے بعض حصہ اس واقعہ رجم کا اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور سنن ابو داؤد میں بھی اسکا ذکر ہے، اس واقعہ کے متعلق اگر تفصیل دیکھنی ہو تو مصنف عدیم النظیر علامہ علی الاطلاق قدوۃ المتکلمین و عمدۃ المناظرین جناب مولانا سید محمد قلی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی تصنیف منیف

لطیف " تشئید المطاعن " جلد اول دیکھی جائے اور داد تحقیق دی جائے۔

اسی طرح حد شراب کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ کوئی حد ہی معین نہ تھی اور لطف یہ کہ اگر کوئی علامت شراب نوشی پر قرآنی آیت پڑھ دیا کرتا تھا تو حضرت عمر کے پاس اس کا کوئی جواب ہی نہ ہوتا تھا، جیسا کہ خود شاہ ولی اللہ نے کتاب قرۃ العینین میں اس واقعہ کو درج کیا ہے جس سے ان معلومات پر ایک تیز روشنی پڑتی ہے جو حضرت عمر قائل " حسبنا کتاب اللہ " کو قرآن کے متعلق تھیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

عن ابن عباس ان الشراب کانوا یضربون علی عهد رسول الله بالایدی و النعال حتی توفی رسول الله وکانوا فی خلافة ابی بکر رضی الله عنه اکثر منهم فی عهد رسول الله فقال ابو بکر لو فرضنا لهم حدا فتوخوا ما کان یضربون فی

مَا قَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ

جس کی کمی زیادتی سے (کہیں) بہتر ہے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

عہد رسول اللہ فکان ابو بکر یجلد ہم اربعین حتی توفی ثم قام من بعدہ عمر فجلدہم کذلک اربعین حتی اتی برجل من المہاجرین الاولین وقد کان شرب فامر بہ ان یجلد فقال لم تجلدنی بینی وبینک کتاب اللہ عزوجل فقال عمر رضی اللہ عنہ فی ای کتاب اللہ تجد انی لا اجلدک فقال ان اللہ تعالیٰ یقول فی کتابہ لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا فانا من الذین آمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا شہدت مع رسول اللہ بدر والحدیبیۃ والخندق والمشاہد فقال عمر الا تردون علیہ ما یقول قال ابن عباس ان ہذہ الآیات انزلت عذرا للماضین وحجۃ علی الباقین لان اللہ یقول یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان حتی انفد الآیۃ الاخری ومن کان من الذین آمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا فان اللہ عزوجل قد نہی ان یشرب الخمر فقال عمر صدقت فماذا ترون فقال علی (علیہ السلام) نری انہ اذا کان شرب سکر واذا سکر ہذی واذا ہذی افتری وعلی المفترین ثمانون جلدۃ فامر عمر یجلد ثمانین اخرجہ الحاکم

ابن عباس سے روایت ہے کہ شراب پینے والے عہد رسول میں ہاتھوں اور جوتیوں سے ٹھونکے جاتے تھے۔ جب رسول کی وفات ہوئی تو عہد نبی کی بہ نسبت عہد خلافت اول میں شرابخواروں کی کثرت بہت تھی، حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اگر ان شرابخواروں کی کوئی سزا (حد شرعی) معین کر دی جائے تو بہتر ہے لہٰذا آپ نے چالیس کوڑے مقرر کیے۔ حضرت عمر نے بھی اپنے عہد میں اس حد کو جاری رکھا۔

ایک دفعہ ایک شخص جو مہاجرین اولین میں سے تھے (کیا ایسے ہی مہاجرین ممدوح قرآن ہیں؟) انھوں نے شراب پی اور ان پر حد جاری کرنے کا حکم بارگاہ خلافت سے ہوا، انھوں نے کہا ہمارے تمہارے درمیان قرآن مجید فیصلہ کن ہے، عمر نے کہا تو کس کتاب میں آپ یہ لکھا ہے کہ میں تم پر حد نہ جاری کروں، شراب پینے والے نے کہا خدا فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان اختیار کیا اور اعمال نیک کیے ان پر کھانے (پینے) میں کوئی گناہ نہیں (شراب نوشی بھی ان آیات کے تحت میں کھینچ کے لائی گئی) میں انھیں لوگوں میں ہوں جو ایمان لائے، اعمال نیک کیے پھر تقویٰ کیا (خوب! بعد شراب نوشی تقویٰ خوب باقی رہا) ایمان لائے پھر تقویٰ کیا (بہت خوب) اور اچھے کام کیے، میں رسول کے ساتھ بدر، حدیبیہ، خندق اور دیگر معرکوں میں شریک تھا۔"
(یہ وہ بیان تھا جس سے حضرت عمر کے فرمان حد میں بھی کچھ تزلزل سا رونما ہوگیا۔ کیونکہ قرآن سے اس مہاجر نے استدلال پیش کیا تھا

حَتّٰی اِذَا ارْتَوٰی مِنْ اٰجِنٍ ؕ

یہاں تک کہ جب وہ (جہالت اور علوم باطلہ) کے سڑے ہوئے پانی سے اپنی پیاس بجھا چکا،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲

اب اسکا جواب ہی کیا ہو سکتا تھا) لہذا حضرت عمر نے گروہ اصحاب سے خطاب کر کے پوچھا کہو کوئی تم میں سے اس استدلال (استدلال بدیع!!) کی رد کرتا ہے؟

ابن عباس نے کہا۔ یہ آیات گزشتہ لوگوں کے لئے عذر آفریں (یعنی جو قبل تحریم خمر شراب پی چکے وہ بری الذمہ ہیں) اور موجودہ لوگوں پر حجت قائم کرتی ہیں اس لئے کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ "شراب قماربازی وغیرہ یہ نجس ناپاک چیزیں اور کرتوت ہیں یہ شیطانی کام ہیں" اور جو لوگ کہ باایمان عامل اعمال صالح متقی، محسن، اور مومن ہیں، تو خدا نے ان کو شراب پینے سے روکا ہے"

حضرت عمر نے کہا ابن عباس! تم سچ کہتے ہو، اچھا تو پھر اب کیا کرنا چاہیے، حضرت علیؑ موجود تھے فرمایا (ہونا کیا چاہیے! یہ ہونا چاہیے) کہ اس شرابی پر اسّی کوڑے لگائے جائیں کیونکہ جب شراب پی تو نشہ ہوا اور جب نشہ ہوا تو اس نے ہذیان بکا اور جب ہذیان بکا تو افترا کیا اور جب افترا کیا تو مفتری کے لئے اسّی کوڑے مقرر ہیں، اور اس روایت کو حاکم نے نکالا ہے"

لیجئے! وہ چالیس کوڑے ختم ہوئے اور حد صحیح آج سے معین ہو گئی۔

اس روایت میں قابل غور یہ امر ہے کہ مہاجرین اولین کے افعال اس طرح کے بھی ہوتے تھے اور بشری حیثیت سے یہ امر مستبعد بھی نہیں لہذا معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی مدح جناب باری نے فرمائی ہے اور جو حقیقی مہاجرین تھے وہ کوئی اور تھے۔ اس مہاجر کو تو اپنے گناہ پر اصرار تھا، آیت کو غلط بیان کرنے پر اصرار تھا، اور حلت خمر پر (باوجود حکم ربانی) اصرار تھا یہاں توبہ اور قبول توبہ کا کیا ذکر۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عہد تک ہر شخص اور ہر صحابی قرآن کو اپنے مطلب اور سمجھ کے مطابق بیان کرتا تھا اک ذرا یہ بات امانت کے خلاف ہے

اور دیانت کے مخالف۔

یہ شراب نوشی کا واقعہ قدامہ بن مظعون کا ہے جو مہاجرین اولین میں شامل ہیں اور جنھوں نے قرآن کی آیت اپنے مطلب کے موافق پیش کی تھی جیسا کہ منہاج السنۃ میں ابن تیمیہ نے اقرار کیا ہے اور اس واقعہ کو لکھا ہے اور صاحب تشیید المطاعن اعلی اللہ مقامہ نے صفحہ ۵۲۳ پر اسے نقل کیا ہے، اور دیگر کتب فرقۂ عامہ میں یہ روایت درج ہے۔ مگر اس میں میکش کا نام نہیں لیکن اصابہ وغیرہ کتب رجال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کو قدامہ بن مظعون ہی نے مقام استدلال اور گلو خلاصی میں پیش کیا تھا جیسا کہ آئندہ ابھی معلوم ہوگا قدامہ بن مظعون حضرت عمر کے بہنوئی تھے اور صفیہ بنت خطاب انھیں بیاہی ہوئی تھیں (اصابہ صفحہ ۲۲۹ جلد ۳ طبع مصر) حضرت عمر نے ان کو بحرین کا والی مقرر کیا۔ یہ جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے چنانچہ عہد حکومت بحرین کا خاص قصہ جو بہت مشہور ہے یہ ہے کہ جارود سردار قبیلہ عبدالقیس بحرین سے

واکتنز ون عنیر طائل

اور عمل اور بیفائدہ باتوں سے اپنے خزانۂ دماغ کو بھر چکا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

حضرت عمر کے پاس آئے اور انہوں نے آکے بیان کیا کہ قدامہ نے شراب پی ہے اور ان پر سکر طاری ہوا اور حد شرعی انپر واجب ہے لہٰذا میں نے آپ کو اطلاع دیدی اور بری الذمہ ہوگیا عمر نے کہا اور تمہارے ساتھ گواہ کون ہے؟ کہا ابوہریرہؓ ، عمر نے ابوہریرہؓ کو بلایا اور ان سے پوچھا ، ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے انھیں شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا لیکن اس حالت میں دیکھا کہ یہ نشہ میں تھے اور قے کر رہے تھے ، عمر نے یہ سنکر ابوہریرہؓ سے کہا کہ شہادت میں بڑے گہرے گئے اور بڑی فصاحت سے کام لیا ، اسکے بعد قدامہ کو تحریر بھیجی اور بحرین سے بلوالیا ، جب قدامہ آگئے تو جارود نے پھر کہا کہ اب ان پر حد جاری کیجیے ، عمر نے کہا کہ یہ تو بتاؤ تم قدامہ کے دشمن ہو یا ان کے اس فعل پر گواہ بنکے آئے ہو ۔ جارود نے کہا میں گواہ ہوں ، کہا تو بس پھر تم گواہی دیچکے ، یہ سنکر جارود چپ ہو گئے ، مگر پھر دوسرے دن صبح کو حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا "حد جاری کیجیے" ، حضرت عمر نے جھلا کے کہا کہ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ تم قدامہ کے دشمن ہی ہو اور تمہارے ساتھ صرف ایک شخص نے (ابوہریرہؓ) گواہی دی ہے ۔ جارود نے کہا میں بقسم آپ کو قسم دیتا ہوں ، حضرت عمر نے کہا "جارود اپنی زبان روکے رہو گے یا پھر میں تمہاری خبر لوں اور تمہارے ساتھ برا سلوک کروں ؟ جارود نے کہا (سبحان اللہ !) اے عمر یہ تو حق کوشی نہیں کہ شراب پئیں تمہارے ابن عم قدامہ اور سزا مجھے بھگتنی پڑے ! ابوہریرہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہماری گواہی میں شک ہے تو قدامہ کی بی بی کو بلا کے پوچھ لیجیے ، چنانچہ قدامہ کی بی بی آئیں اور شراب نوشی کی تصدیق کی (مگر عورت کی گواہی اسکے شوہر کے لئے یا شوہر کی گواہی اسکی زوجہ کیلئے شاید قابل قبول نہو جیسا کہ واقعہ فدک میں ہوا) جب زوجہ نے گواہی دی تو حضرت عمر کو یقین ہوا اور کہا کہ قدامہ میں

تم پر حد جاری کرونگا اسوقت قدامہ نے اپنی شراب نوشی کی حلت پر آیات مذکورہ سے استدلال کیا اور حضرت عمر آیات کو سنکر حد جاری کرنے میں کچھ ہچکچائے (مگر جب ابن عباس نے تفصیل و تصریح کی تو حد جاری کرنے پر آمادہ ہوئے ۔) جب حد جاری ہو چکی تو اس دن سے سالے بہنوئی میں ناچاقی اور دشمنی ہو گئی (رحماء بینھم) حضرت عمر کو قدامہ پر غصہ رہا اور قدامہ نے عمر سے علیحدگی اختیار کی ۔

ایک دفعہ قدامہ اور حضرت عمر دونوں حج کیلئے گئے ، جب پلٹے تو عمر راستہ میں سو گئے اور جب جاگے تو کہا قدامہ کو بلاؤ تو مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے اور حکم ملا ہے کہ قدامہ سے مصالحت کروں (صفائے نفس و مکاشفات) جب لوگ قدامہ کو بلانے گئے تو انھوں نے ملنے سے انکار کیا (کیونکہ انھیں تو کوئی خواب دکھایا نہیں گیا تھا) حضرت عمر نے یہ سنکے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴)

قدامہ میرے پاس صلح کرنے نہیں آتے تھکم دیا کہ کھینچ کے لے آؤ چنانچہ ایسا ہی ہوا (ممکن تو ہے کہ نتیجہ جبر صلح و مصالحت ہو)

یہ واقعات صفحہ ۲۲۰ و صفحہ ۲۲۹ اصابہ اور صفحہ ۲۶۱ استیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر پر لکھے ہوئے آج بھی نظر آتے ہیں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ سوا قدامہ کے کوئی ایسا بدری نہیں جس نے شراب پی ہو۔

علمی کارناموں پر مختصر نوٹ

اگر طول کلام کا خوف نہ ہوتا تو تفصیلی حیثیت سے اس فقرہ کے اثبات میں جو امیر المومنین نے ارشاد فرمایا "قد سماہ اشباہ الناس عالماً" نوٹ لکھتا مگر تلخیص مطلب پر اکتفا کرتا ہوں۔

واقعات مذکورہ سے یہ امر تو اچھی طرح واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کے مطالب سے یہ لوگ غافل بلکہ جاہل تھے اور یہی وجہ تھی کہ تمام مسائل فقہیہ میں سخت غلطیاں اور احکام شرعیہ میں سخت تعطل ہوا کرتا تھا، احکام دینی کی تحقیقی تبلیغ گم تھی اور مفہوم قرآن کی تحقیقی تعلیم مفقود تھی اب یہ در بات ہو کہ اسی فقدان کا نام اسلام حقیقی، اور نشر احکام رکھ لیا جائے۔

حضرت عمر یا تو کثرت کار خلافت و سیاست کی وجہ سے یا سن کے تقاضے سے یا ترک مزاولت سنن و قرآن کی وجہ سے تقریباً اپنے معلومات کو خیر باد کہہ چکے تھے اور اس معاملہ میں ان پر کوئی الزام ہی نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کیوں بھول گئے یا کیوں صحیح تعلیم نہیں اختیار کی "ہر کسے را بہر کارے ساختند" اسکے ماسوا جب دنیاوی احکام اور بادشاہت کا مرحلہ آجائے تو اسوقت میں آخرت اور الٰہی تعلیمات سے کیا واسطہ؟

ایک اسلامی ہی خلیفہ تھا جسکا واقعہ کتب تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ جب عنان حکومت انکے ہاتھوں میں آئی تو اس نے قرآن مجید کو ہاتھوں میں لیکر کہا ھذا فراق بینی و بینک بس آج سے مجھ سے اور تجھ سے جدائی ہے۔

جہانتک سیاست کا تعلق تھا وہاں تک خلیفہ وقت کا دماغ خوب کام کرتا تھا چاہے اس میں باطل کی کامیابی ہو یا حق کی بواسطہ حق مطلوب قلبی تک رسائی ہو یا بذریعہ باطل، اب اگر باطل سے بچنے کی کوشش ہمہ وقت کی جاتی تو ظاہر ہے کہ مقصود اصلی اور غرض مطلوب کسی صورت سے نہ حاصل ہوتی، لہٰذا ایسے وقت میں ہمیشہ "الاھم فالاھم" کے نظریہ پر عمل کیا گیا۔

(۲) آپکو یہ علم نہ تھا کہ زیورات خانہ کعبہ اور خزائن خانہ کعبہ میں تصرف نہ کرنا چاہیئے، آپ کے زیورات و خزائن صرف کرنا چاہتے تھے مگر علی بن ابی طالب علیہ السلام نے روکا اور سمجھایا جسپر

CamScanner

(۸) آپ اس بات سے بھی ناواقف تھے کہ کسی نامحرم عورت کے قبر میں اترنا جائز نہیں چنانچہ آپ زینب بنت جحش زوجہ رسول کی قبر میں اترنا چاہتے تھے، مگر ازواج رسول نے یہ کہکے روکا کہ تم زینب کو بحکم شرع زندگی میں دیکھ نہ سکتے تھے لہذا اسوقت اترنا نہیں جائز نہیں کیونکہ نامحرم ہو (کنز العمال فضائل ازواج نبی ترجمہ زینب بنت جحش)

(۹) آپکو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ لوگوں کا انبیا کے نام پر اپنی کنیت رکھنا مکروہ ہے یا نہیں چنانچہ آپ ہمیشہ اسے مکروہ جانا کئے اور مغیرہ کی کنیت "ابوعیسیٰ" اور صہیب کی کنیت "ابو یحییٰ" سے آپ بیزار رہے۔

جب ان لوگوں نے بتایا کہ یہ کنیتیں رسول نے رکھی ہیں تو خاموش ہوگئے۔ اس واقعہ کو ابوالقاسم سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے۔ اور سنن ابو داؤد کتاب الادب میں بھی یہ واقعہ درج ہے بلکہ اس روایت میں اتنا اضافہ لطیف اور ہے کہ جب ان لوگوں نے کنیت کے متعلق رسول کا نام لیا تو آپ نے جواب دیا قال ان رسول اللہ قد غفر لہ ماتقدم من ذنبہ وما تاخر" کہ رسول کے اگلے پچھلے گناہ سب خدا نے معاف کردیئے"۔ گویا یہ فعل رسول آپکے نزدیک گناہ تھا، ابن قیم نے زاد المعاد میں بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵)

آپ نے فرمایا "لولاک لافتضحنا" اے علی اگر تم نہ ہوتے تو میری بڑی فضیحتی ہوتی، اس واقعہ کو ربیع الابرار میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے اور صاحب تشئید المطاعن علیہ مقامہ نے جلد اول صفحہ ۵۲۶ پر لکھا ہے۔

(۳) آپ کو دیت املاص (اسقاط حمل بضرب) کا کچھ بھی علم نہ تھا جیسا کہ صاحب کنز العمال نے کتاب الفضائل حرف قاف ترجمہ آیات میں لکھا ہے) اور اگر کہیں حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی کچھ نہ کہتے تو آپ اس کے خود قائل رہے کہ غلط حکم صادر فرما دیتے۔ اسی واقعہ کیطرف علامہ مقریزی نے اشارہ کیا جو اس سے پہلے ان کی عبارت میں گزرا، اسکے ماسوا اس واقعہ کو مختلف عبارتوں میں حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، اور صاحب ازالۃ الخفا نے مقصد دوم فقہیات عمر میں، اور حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے۔

(۴) آپ کو یہ نہ معلوم تھا کہ وہ مرد و عورت جو حرام کاری میں مشغول ہوں اور جنھیں آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے ان پر اقامت حد شرعی جائز ہے یا نہیں جیسا کہ کنز العمال میں ذیل حد زنا میں (کتاب الحدود) مرقوم ہے، اور صاحب ازالۃ الخفا نے مقصد دوم کے صفحہ ۸۰ پر بیان کیا ہے (فی الاحیاء روی ان عمر کان یعس..... فرای رجلا وامرأۃ علی فاحشۃ۔

(۵) آپ کو یہ بھی علم نہ تھا کہ اگر اولیائے مقتول کسی قاتل کو معاف کردیں تو اس قاتل کا قتل جائز نہیں جیسا کنز العمال کے کتاب القصاص میں موجود ہے اور صاحب ازالۃ الخفا نے باب الحدود من فقہیات عمر میں لکھا ہے۔

(۶) آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ اگر کوئی مسلم کسی کافر ذمی کو قتل کرڈالے تو قصاص جائز ہوگا یا نہ ہوگا۔ وہ تو خیریت گذری کہ مسئلہ کو زید بن ثابت نے بتایا۔ کنز العمال کتاب قصاص، قصاص فی حرف قاف)

(۷) آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ باپ بیٹے کے درمیان قصاص نہیں معاذ بن جبل نے آپکو آگاہ کیا۔ (دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۱۵۱ مقصد دوم)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢٠٦)

(١٠) اگر کچھ مال مسلمین میں تقسیم ہو اور کچھ حصہ اس کا بچ جائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے اسکا بھی علم آپ کو نہ تھا، چنانچہ باب فضائل عمر میں صاحب کنز العمال نے لکھا ہے، بعض اصحاب نے رائے دی تھی کہ اسکو اپنے پاس کسی مشکل وقت کے لئے امانت رکھئے، مگر امیر المومنین سے جب پوچھا گیا تو آپ نے تقسیم کا حکم دیا۔ اسے صاحب ازالۃ الخفا نے بھی لکھا ہے۔

(١١) اور ابن عبد البر نے اپنی کتاب استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد ٢ صفحہ ١٩٦ مطبوعہ مصر ترجمہ صعصعہ بن صوحان میں اس واقعہ کو لکھا ہے:۔

دو آدمیوں نے ایک عورت کو سو دینار سپرد کئے تھے کہ امانت رکھے اور جبتک دونوں بیک وقت موجود نہ ہوں کسی ایک کو نہ دے، اتفاقاً ایک سال کے بعد ان میں کا ایک واپس ہوا اور اس نے وہ دینار امانت مانگے، عورت نے انکار کیا، پھر جبراً اسے دینا پڑا سال بھر کے بعد دوسرا آدمی آیا اور اس نے مطالبہ کیا، عورت نے واقعہ بتایا؟ اس مسئلہ اور قضیہ کا فیصلہ کیونکر کریں آپ کو سخت پریشانی تھی، آخر فیصلہ امیر المومنین ع نے کیا۔ کتاب ریاض النضرہ اور تذکرہ خواص الامہ میں یہ واقعہ درج ہے، اور صاحب تشیید المطاعن نے صفحہ ٤٢٢ پر وہیں سے نقل فرمایا ہے۔ صاحب ازالۃ الخفا نے بھی اسے لکھا ہے۔

(١٢) نماز کی رکعتوں میں اگر شک ہو تو کیا کیا جائے، آپ کو اس کا بھی علم نہ تھا۔ ازالۃ الخفا۔

(١٣) یونہی آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ حالت صوم میں عورت سے مباشرت ممنوع ہے جیسا کہ کنز العمال کتاب الصوم ترجمہ مبیح و مفسد میں ہے۔

(١٤) آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ شتر مرغ کے انڈے حالت احرام میں توڑنا کیسا ہے، جائز ہے یا نہیں۔ محب طبری نے ذخائر العقبیٰ میں صاحب کنز العمال نے باب الحج میں اور صاحب ازالۃ الخفا نے نہایت اختصار کے ساتھ مقصد دوم کے صفحہ ١٥٠ پر لکھا ہے، یہ بھی وہ مسئلہ تھا جسکو امیر المومنین ع کے در دولت پر پوچھنے گئے تھے اور آپ نے حل فرما دیا تھا۔

(١٥) آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ کسی کو مجبور کر کے اسکا گھر مسجد میں نہ داخل کرنا چاہیئے چنانچہ عباس بن عبد المطلب پر آپ برابر جبر کر رہے تھے کہ وہ اپنا گھر جو قریب مسجد تھا مسجد میں ملا دیں اور دیدیں اور عباس انکار کرتے تھے، آپ نے کئی صورتیں پیش کیں بیع وغیرہ کی اس پر بھی عباس راضی نہ ہوئے آخر اس مسئلہ کو ابی بن کعب نے حل کیا اور کہا کہ اے عمر، بغیر رضائے عباس صورت جواز نہیں (تفسیر در منثور سیوطی پارہ پانزدہم سورہ اسری تفسیر آیت الی المسجد الاقصیٰ رکوع اول) ازالۃ الخفا صفحہ ٢ مقصد اول فصل ششم میں بھی موجود ہے۔

(١٦) آپ اس سے بھی ناواقف تھے کہ عورت چھ مہینہ کا بچہ بھی پیدا کرتی ہے، ایک ایسی عورت کے رجم پر آپ آمادہ تھے، وہ تو خیریت

ابد الآباد تک نہ سمجھینگے اس بات کو سنکر خود حضرت عمر برابر کہا کرتے تھے کہ کلالہ کو اب کبھی بھی نہ سمجھوں گا۔ کیونکہ رسول اللہ میرے اس عدم فہم و علم پر یقین کئے ہوئے ہیں۔ اس حدیث کو ابن راہویہ اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح ہے (کنز العمال ترجمہ کلالہ باب الفرائض حرف فا) مسند امام احمد بن حنبل میں مسند عمر بن خطاب میں اس واقعہ کو دوسری صورت سے لکھا ہے۔ معدان بن ابی طلحہ بسلسلہ اسناد راوی ہیں کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ جتنا میں نے رسول سے کلالہ کے متعلق سوال کیا ہے اتنا کسی بات کو نہیں پوچھا۔ یہاں تک کہ ایک دن جب میں پوچھ رہا تھا تو رسول نے میرے سینہ میں اپنی انگلی چبھو دی اور کہا کہ سورہ نساء کے آخر والی آیت تمھیں کافی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢٠٧)

گذری کہ امیر المومنین ؓ نے آیت قرآنی ارشاد فرما کے روکا۔ (تفسیر کبیر رازی میں یہ واقعہ تفسیر آیت "وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا" کے تحت میں مندرج ہے اور ازالۃ الخفا مقصد اول صہ ٢٣٣ فصل ششم میں بھی موجود ہے۔

(١٦) آپ کو اس کی بھی خبر نہ تھی کہ مجوس سے جزیہ لیا جا سکتا ہے اور رسول ؐ نے جزیہ لیا۔ (تفسیر در منثور)

(١٧) آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ دیت زوج سے زوجہ میراث پا سکتی ہے۔ جب بعض صحابہ نے اسی مسئلہ میں عمل و فعل رسول بیان کیا اور شہادت دی تو آپ نے اُس کے مطابق حکم دیا (تفسیر کبیر تحت آیت من قتل مومنا خطاء الآیۃ میں اور سنن ابو داؤد باب الفرائض باب ترث المراۃ من دیۃ زوجھا" میں کچھا ہے)

(١٨) آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ قرآن میں لفظ کلالہ" کے کیا معنی ہیں اور مسئلہ "فقیہ کلالہ" کیا ہے اور باوجودیکہ آپ نے کئی دفعہ اس مسئلہ کو سمجھنا چاہا مگر کسی صورت سے نہ سمجھ سکے اور ذہن اقدس میں نہ آیا۔

چنانچہ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے مسئلہ توریث کلالہ کو جناب رسالتمآب سے پوچھا کہ یہ کیونکر میراث پائیں گے، آپ کے جوابات کا رُخ پوچھنے والے کو دیکھتے ہوئے اور ہی ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا خدا نے قرآن میں بیان نہیں فرما دیا۔ پھر آپ نے آیت قرآنی پڑھی "وان کان رجل یورث کلالۃ"۔ مگر حضرت عمر بالکل نہ سمجھے پھر دوسری آیت اتری "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" حضرت عمر پھر بھی نہ سمجھے اور آپنے اپنی صاحبزادی سے کہا کہ دیکھنا جب رسول خوش ہوں تو ذرا اس وقت اُن سے کلالہ کے معنی تو پوچھ لینا چنانچہ حسب موقع و محل حفصہ نے رسول اللہ سے پوچھا، آپ نے فرمایا کہ یہ تم سے تمھارے باپ عمر نے پوچھوایا ہوگا، بھائی مجھے تو یقین ہے کہ وہ اس مسئلہ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸)

دکبھی نہ بتایا) اسی مسند میں با قرار جناب ابن خطاب یہ بھی ہے کہ جیسا سختی رسول نے مجھپر اس بارے میں کی یعنی مسئلہ کلالہ میں اور مجھے نہ بنانا تھا نہ بتایا اتنی کبھی نہیں کی، جب سے میں آپ کی صحبت فیض آثار میں بیٹھا تھا اسوقت سے آجتک سوا اس مسئلہ کے کسی بات میں مجھپر شدت نہیں کی یہانتک کہ ایک دن پوچھنے پر وقت میرے سینہ میں انگلی بھونک دی اور کہا کہ آیہ صیف جو آخر سورہ نسار میں ہے وہ تمھیں کافی ہے، ایک وقت وہ آئیگا جب تم اسکے بارے میں عملی حیثیت ہو حکم کرو نگے تو اس وقت ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ جان جائے گا۔ کنز العمال میں حضرت عمر کا یہ کلام بھی موجود ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ اے خدا جس نے کلالہ کے معنی سمجھے ہوں سمجھے ہوں مگر میں نے تو کچھ بھی نہیں سمجھا۔

کتاب مذکور میں مسروق سے روایت ہے کہ میں نے عمر سے کلالہ کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اپنی ڈاڑھی پکڑی اور کہا خدا کی قسم اگر اسکا علم مجھے ہوتا تو وہ مجھے دنیا و ما فیہا سے محبوب تر ہوتا۔ مگر میں تو رسول سے پوچھتا ہی رہا اور وہ یہی جواب دیتے رہے کہ آخر سورہ نسار میں جو آیت ہے وہ کافی ہے۔

(۱۹) آپ ضمانت مال بایع سے جو کوئی مشتری حاصل کرے بالکل بے خبر تھے چنانچہ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا کے صـ۱۵۲ مقصد دوم کتاب البیوع میں رقمطراز ہیں کہ ایک شخص سے عمر نے ایک گھوڑا لیا اس قصد سے کہ اسے مول لیں گے ایک آدمی کو اس پر سوار کیا اتفاقاً وہ گھوڑا مر گیا، گھوڑے کے مالک نے اپنے مال کی طلب شروع کی اور حضرت عمر سے جھگڑا کرنے لگا، عمر نے کہا اچھا کسی شخص کو اس معاملہ میں حکم قرار دے اس نے کہا شریح کو حکم بنا دیجئے چنانچہ شریح نے یہ فیصلہ کیا کہ عمر نے جو نکہ گھوڑا صحیح و سالم پایا تھا لہذا وہ اس کے ضامن ہیں اور انھیں اس گھوڑے کو صحیح و سالم واپس کرنا چاہئے۔ یہ فیصلہ سن کے آپ بہت متعجب اور خوش

ہوئے اور شریح کو قاضی مقرر کیا کسی خطبہ کے ذیل میں کعب ابن سور کے منصب قضا کا واقعہ لکھا جا چکا ہے، ان کا بھی تقرر از ین قبیل ہوا تھا۔

(۲۰) آپ حجر اسود کے ضرر و نفع کو نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ انک حجر لا تضر ولا تنفع تو تو ایک پتھر ہے جو نہ ضرر پہونچا سکتا ہے نہ نفع۔ جس کی تشریح آپ امیر المومنین ؑ نے فرمائی اور آپ دعائیں دینے لگے جیسا کہ کتب قوم میں مرقوم ہے۔

(۲۱) آپ ان مسائل کا مطلق کوئی جواب نہیں دے سکے جو قیصر روم نے لکھ بھیجے تھے اور جسکا تذکرہ سبط ابن جوزی نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے۔

(۲۲) آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ مملوک کتنے عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۲۳) اور نہ یہ معلوم تھا کہ عمرہ کیا چیز ہے اور کیونکر ہوتا ہے۔

حسان بن ثابت ایک روز
شعر پڑھ رہے تھے تب حسان
کو گھور گھور کے دیکھنا شروع کیا
حسان نے کہا دیکھئے کیا ہو جو
تم سے مرتبہ میں بہت بہتر تھا
یعنی رسول ہیں اسکے سامنے بھی
اشعار پڑھا کرتا تھا اور پھر حسان
نے ابو ہریرہ سے اپنے بیان
کی تصدیق کرائی تب آپ کو
سکون ہوا۔ (جذب القلوب
ص ۱۰۹ منقول از تشئید المطاعن
جلد اول ص ۵۹۸)

(۲۸) آپ کو یہ بھی یاد نہ
تھا کہ رسول کا حلیۂ مبارک
کیا تھا ان کے اخلاق و عادات
کیا تھے (تو احکام شرع اور
اسوۂ رسول کو کیا کہا جائے)
چنانچہ تفسیر کبیر میں ذیل تفسیر
آیت ارایت الذی ینھی
عبدا اذا صلے"
واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک یہودی
نے آپ سے آکے پوچھا آپکے
رسول کا کیا حلیہ تھا؟ کیا
اخلاق تھے؟ ذرا بیان کیجئے
آپ نے کہا بلال سے پوچھو وہ
مجھ سے بہتر جانتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹)

(۲۴) آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ خوشبو کا لگانا قبل طواف حج میں جائز ہے یا کیا، چنانچہ موسم حج میں آپ نے اپنے خطبہ میں بیان فرمایا کہ رمی جمرات کے بعد حاجیوں پر جو چیزیں حرام تھیں وہ حلال ہو جاتی ہیں مگر عورت اور خوشبو یہ اسوقت تک حلال نہیں جب تک کہ طواف بیت نہ کر لیا جائے۔

مگر اس حکم کی طرف فقہائے کرام نے کوئی اعتنا نہیں کی اور جواز و حلت خوشبو کا فتوی حکم عمر کے خلاف برابر جاری ہے اور جاری رہیگا، اس واقعہ کو بھی صاحب ازالۃ الخفا نے کتاب ابحج مقصد دوم ص ۱۰۵ میں درج کیا ہے۔

(۲۵) آپ ربا کے معنوں سے بھی ناواقف تھے اور ہمیشہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش آپ جانتے کہ یہ ربا کیا چیز ہے، چنانچہ صاحب کنز العمال نے کتاب البیع فی الربا کے فصل میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے کہ رسول کا انتقال ہو گیا مگر انھوں نے ہمیں "ربا" کو نہیں بتایا لہذا ربا اور ریبہ دونوں کو چھوڑ دو (شاہ ولی اللہ نے ص ۱۰۹ ازالۃ الخفا پر بھی اس کو لکھا ہے

(۲۶) آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ آیا ایمان والا اپنے کو مومن کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ آپ کو پتہ لگا کہ ایک شخص شام میں اپنے کو مومن کہتا ہے اور سمجھتا ہے، اسے آپنے اس جرم میں بلا بھیجا جب وہ آیا تو پوچھا کہ تو ہی اپنے کو مومن سمجھتا ہے؟ اُس نے کہا جی ہاں" کہا تجھ پر وائے ہو کیونکر؟ اس نے کہا کیا رسول کے ہمراہ کئی قسم کے لوگ نہ تھے، مشرک بھی تھے منافق بھی تھے اور مومن بھی تھے اب آپ بتائیے (اے عمر) کہ آپ کس گروہ میں اپنے کو شمار کرتے ہیں، چنانچہ یہ سنکر حضرت عمر خوش ہوئے اور اس سے باقاعدہ ہاتھ ملایا (دیکھو کنز العمال باب ثانی کی پانچویں فصل کتاب الایمان)

(۲۷) آپ کو اس بات کا علم بھی نہ تھا کہ مسجد میں شعر پڑھنا کیسا ہے، چنانچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰)

غرضکہ بلال در دولت سیدہ علیہا السلام پرسے گئے اور امیر المومنین علیہ السلام نے اس یہودی کے سوال کا جواب دیا۔

تذکرۃ الاولیا میں ترجمہ اویس قرنی میں مذکور ہے۔ کہ جب امیر المومنین اویس قرنی سے گفتگو کر چکے تو عمر نے کہا اے اویس تم رسول کی زندگی میں کیوں نہ آئے کہ ان کو دیکھ لیتے اور زیارت سے مشرف ہوتے، اویس نے کہا، مگر آپنے تو ضرور دیکھا ہوگا۔ اچھا یہ تو بتایئے کہ رسول کی بھویں ملی ہوئی تھیں یا کشادہ؟ حضرت عمر کچھ جواب نہ دے سکے حالانکہ دیر تک سوچتے رہے۔ (منقول از تشیید المطاعن صفحہ ۵ جلد اول۔)

(تعجب اور بڑا تعجب ہے کہ رسول کا چہرہ باوجود اس کے کہ مصاحبت کیوجہ سے ہر وقت سامنے رہتا رہا ہوگا پھر بھی حضرت عمر کے حافظہ نے کمی کی اور آپ یہ نہ بتا سکے کہ رسول کے ابرو ملے ہوے تھے یا کشادہ؟)

(۲۹) آپکو مسئلہ استیذان (کسی گھر پر جا کے اذن لینا اور اندر جانا) کا بھی علم نہ تھا، چنانچہ محمد اسمٰعیل بخاری نے اپنے صحیح میں (جلد ۲ ص۳ کتاب البیوع مطبوعہ مصر) لکھا ہے کہ ایک روز ابو موسیٰ اشعری نے در دولت خلافت پر آکے اذن دخول چاہا (مگر غالباً حضرت عمر کسی خاص کام میں مشغول تھے اس لئے دیر تک کوئی جواب نہ ملا وہ پلٹ کے چلے گئے، تھوڑی دیر بعد حضرت عمر نے پوچھا کہ ابو موسیٰ اشعری آئے تھے کہاں گئے۔ معلوم ہوا چلے گئے، حکم ہوا بلالاؤ، ابو موسیٰ آئے عمر نے کہا۔ تم چلے کیوں گئے تھے کہا اس لئے کہ پیغمبر کا حکم اور شرع کا حکم یہی تھا کہ اذن طلب کرو۔ جب کوئی جواب نہ آئے تو پلٹ جاؤ" چنانچہ میں پلٹ گیا، عمر نے کہا اس بات پر کوئی دلیل پیش کرو کہ حکم شرع یہی ہے جو تم کہتے ہو، ابو موسیٰ (حیران و پریشان) انصار کے پاس آئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہماری جماعت میں جو سب سے زیادہ

صغیر السن ہے یعنی ابو سعید خدری (وہ بھی اس کو جانتا ہے) اور وہ تمہارے قول کی تصدیق کرے گا، چنانچہ ابو سعید خدری نے تصدیق کی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ ہاں (عہد رسول میں) میں بازاروں میں بغرض تجارت پھرا کرتا تھا اس لئے مجھے اس مسئلہ کی خبر نہ ہو سکی

(۳۰) آپ کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ نماز عید میں رسول اللہ کون کون سے سورے پڑھتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم (باب مایقرأ فی صلوٰۃ العید) میں لکھا ہوا ہے، چنانچہ حضرت عمر نے واقد لیثی سے پوچھا تھا کہ بھائی رسول عیدین کی نماز میں کس کس سورۃ کی تلاوت کرتے تھے تو انھوں نے بتایا کہ قاف والقرآن المجید، اقتربت الساعۃ الخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱)

آیات والفاظ قرآنی کا علم

(۳۱) آپ کو الحمد للہ کے معنی نہ معلوم تھے اور نہ سمجھتے تھے کہ کیا ہیں، چنانچہ فرماتے تھے کہ "سبحان اللہ" اور "لا الہ الا اللہ" تو سمجھ میں آیا یہ "الحمد للہ" کیا ہے (بسم اللہ ہی غلط) دیکھو در منثور سیوطی تفسیر سورہ حمد) کنز العمال فصل رابع باب پنجم کتاب الاذکار) تشیید المطاعن جلد اول صفحہ ۵۷۹)

(۳۲) ازالۃ الخفا فصل ششم مقصد اول صفحہ ۲۲۰ پر یہ واقعہ ہے کہ آپ سبحان اللہ کے معنی نہ جانتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ الحمد للہ کو تو سمجھے (یہ تو ویسی ہی ہے) جیسے لوگ ایک دوسرے کا شکریہ ادا کیا کرتے ہیں (خوب سمجھے) "لا الہ الا اللہ" کو بھی سمجھ گئے کہ اللہ سے پہلے بتوں کی عبادت ہوا کرتی تھی (یہ بھی اچھا سمجھے) "اللہ اکبر" کو بھی سمجھے نماز پڑھنے والے تکبیر کہتے ہیں (یہ بھی بے نظیر سمجھے) مگر سبحان اللہ کیا ہے؟ ایک شخص نے کہا خدا ہی جانے کہ کیا ہے اور وہ بہتر جاننے والا ہے۔

(۳۳) آپ، اگر زنا بھی ہو تو مسئلہ کی ناواقفیت کی وجہ سے حد جاری نہ کرتے تھے یا پس و پیش کرتے تھے چنانچہ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۲۱ مقصد اول میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ عورت نے اپنے غلام سے تعلق ناجائز پیدا کیا، یہ قصہ حضرت عمر کو بیان کیا گیا، آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا کہ میں خیال کرتی تھی کہ عورتوں کے لئے غلام اسی طرح حلال ہیں جس طرح مردوں کے لئے کنیزیں (قیاس باعتبار قیاس درست ہے اور غالباً یہ نتیجہ ہے ان قیاسات کا جو عدم علم شرع کی وجہ سے اس عہد میں جاری ہو گئے تھے، جیسے ڈھیلے سے استنجا وغیرہ)

حضرت عمر نے پنچایت سے مشورہ کرنا شروع کیا کہ کیا ہونا چاہیئے، اصحاب نبی نے کہا کہ اس عورت نے کتاب خدا کی تاویل غلط کی ہے، یہ سنکر حضرت عمر نے اپنی تجویز کردہ سزا اس عورت کے لئے تجویز فرمائی اور کہا تو عمر بھر تر سیگی اور تجھے آج سے کسی کی آزادی کے لئے حلال نہ کروں گا نہ تو عقد کر سکیگی اور یہ غلام بھی تجھ سے الگ رہیگا یہ سزا تجویز کر کے حد شرعی نہیں جاری فرمائی۔

(گویا حلال و حرام خدا کے حرام و حلال کر دینے کا اختیار کامل حضرت عمر کے ہاتھوں میں تھا جبھی تو یہ کیا۔)

(۳۴) ایک اعرابی حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور اس نے کہا میں نے حالت احرام میں شکار کیا ہے لہذا میری سزا یا جزا کیا ہونی چاہیئے، ابوبکر نے ابی ابن کعب کیطرف رجوع کی اور کہا بتاؤ بھائی بتاؤ۔ اعرابی نے کہا سبحان اللہ میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ سے پوچھتا ہوں آپ خلیفۂ رسول کا منصب رکھتے ہیں اور آپ مسئلہ کو دوسروں سے پوچھتے ہیں

(۳۵) یہی واقعہ دوسرے عنوان سے حضرت عمر کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۳)

بیان کیا گیا ہے کہ دو آدمی جو حالت احرام میں تھے اُن میں سے ایک نے ہرن کا پیچھا کیا اور ہکایا اور دوسرے نے اسکا شکار کیا یہ دونوں حضرت عمر کے پاس آئے اسوقت عبدالرحمن بن عوف بھی بیٹھے ہوئے تھے، جب مسئلہ پوچھا گیا تو عمر نے عبدالرحمن سے کہا "بولو بھائی بولو کیا رائے ہے؟" کہا ایک بھیڑ ہدی کیجائے گی، عمر نے کہا ہاں میرا بھی یہی خیال تھا کہ اس کے عوض میں ایک بھیڑ ہو گی پھر اُن دونوں سے کہا تم دونوں ایک بھیڑ ہدی کرو۔ جب یہ دونوں چلے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ عمر امیر المومنین "نہ جانے کیا کہتے ہیں جبتک دوسرے سے نہ پوچھ لیں" اتفاق سے کہیں حضرت عمر نے یہ گفتگو سن لی۔ بس فوراً انکو واپس کیا اور جس نے یہ کہا تھا اُسے کوڑوں سے خوب مارا (ازالۃ الخفا صـ۱۷۷ مقصد اول)

قرآنی آیات کے متعلق جب بھی آپ سے سوال کیا گیا یا کسی دوسرے سے پوچھا گیا اور آپ کو علم ہو گیا تو آپ نے ہمیشہ پوچھنے والوں کو بری طرح مارا اور یہ وہ گہری سیاست تھی جو گہرے زخم ڈال کر لوگوں کو ہمیشہ کے لئے چپ کر دیتی تھی اور خوف زد و کوب سے کسی میں یہ جسارت نہ تھی کہ وہ قائل حسبنا کتاب اللہ سے قرآن کی آیات کے متعلق کچھ پوچھ سکتا۔ گویا اس سیاست نے سائل و مسئول دونوں کے معلومات پر ایک گہرا پردہ ڈالدیا تھا اور بغیر اسکے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پُرپیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

(۳۶) چنانچہ تاریخوں میں یہ قصہ ہے کہ صَبیغ نامی ایک شخص مدینہ میں آیا اور آیات متشابہات قرآنی کے متعلق معلومات بہم پہونچانا چاہیں۔ یہ خبر جب حضرت عمر کو معلوم ہوئی تو آپ نے اُسے بُلا بھیجا اور پہلے سے اسکے لئے نخل خرما کی سنٹیاں فراہم کرلی تھیں، اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا میں خدا کا بندہ صُبیغ ہوں یہ سُنتے ہی آپ نے سنٹی اٹھائی اور دھڑا دھڑ مارنا شروع کیا، اور فرماتے جاتے تھے کہ تو خدا کا بندہ صُبیغ ہے اور میں خدا کا بندہ عمر ہوں اُسے اتنا مارا کہ اُسکا سر پھٹ گیا، اور خون جاری ہوگیا، اس نے کہا امیر المومنین بس کیجئے اب میری سزا کو پہونچ گیا۔ (اب کبھی کچھ نہ پوچھونگا)

یہ تھی اس آیت کی تفسیر فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھو" ادھر خدا پوچھنے کا حکم دیتا ہے اور ادھر مار پڑتی ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ اہل ذکر سے پوچھا ہوتا نہ کہ حضرت عمر سے)

اسی روایت کو دوسرے عنوان سے نافع مولی عبداللہ نے بیان کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ اتنا مارا کہ صبیغ کی پشت لہولہان ہوگئی پھر اُسے

اس کو کھال کے تسمّوں کو رُڑے لگا کرتے تھے، پھر اُسے پالان شتر پر بٹھا کے بصرہ بھجوا دیا اور ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ اس سے کوئی بات چیت نہ کرے اور اسکا کلّی بائیکاٹ کیا جائے اور کبھی یہ کوئی خطبہ کسی مجمع میں نہ پڑھنے پائے (دراز علم کے افشا کا خوف تھا) چنانچہ یہی کیا گیا اور باوجود اس کے کہ سردار قبیلہ تھا، بری طرح کس مپرسی میں مرا (خدا جانے یہ عدل تھا یا ظلم

(۳۸) آیت تخوف" کے معنی جو اس آیت میں ہے۔ "أو يأخذهم على تخوف" بھی نہیں جانتے تھے، ممبر پر لوگوں سے سوال کیا تو قبیلہ ہذیل کے ایک شیخ نے استشہاد میں ایک شعر جاہلی پڑھ کر، اس کے معنی بتلائے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ شعر ذہن سے نہ جانے پائے کیونکہ اس میں تمھاری کتاب کی تفسیر ہے یعنی قرآن کی (تفسیر کشاف تفسیر آیت مذکورہ) اس نقطہ نظر سے بھی اہلبیت کی وقعت بالاتر نظر آتی ہے اگر سمجھ میں آئے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳)

چھوڑ دیا اور اتنے دنوں انتظار کیا کہ زخم پشت اچھے ہو جائیں اور پھر بلا کے مارنا شروع کیا، پھر پیٹھ زخمی ہوئی پھر چھوڑا۔ پھر زخم اچھے ہوئے، پھر بلایا تو صبیغ نے کہلا بھیجا کہ اگر مجھے آپ قتل ہی کرنا چاہتے ہیں تو قتل جمیل کا حکم دیدیجئے اس روزروز کی زد و کوب سے نجات پاؤں اور اگر بلا کے میرے زخم دیکھنے ہیں تو اب میں اچھا ہوگیا ہوں۔ خیر حضرت عمر نے درگذر کیا اور اُسے اسکے وطن جانے کی اجازت دی مگر ابو موسیٰ اشعری کو جو اُس سرزمین کے گورنر تھے حکم بھیجا کہ اس شخص کا جسکا نام صبیغ ہے بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی شخص اس کے پاس نہ اُٹھے بیٹھے اور نہ اس سے راہ و رسم رکھی جائے۔ ازالۃ الخفا ص۸۲ مقصد دوم۔

(۳۷) یہی واقعہ بعنوان مختلف ازالۃ الخفا مقصد دوم کے ص۱۹۹ پر بھی درج ہے اور صورت واقعہ یوں ہے کہ صبیغ کے متعلق لوگوں نے عمر کو اطلاع دی کہ وہ بصرہ سے آیا ہے اور تفسیر قرآن لوگوں سے پوچھا کرتا ہے، آپنے بغیظ و غضب فرمایا اے اللہ ایسا کر کہ صبیغ میرے ہاتھ لگے اور میں کسی وقت اس پر قابو پا جاؤں، چنانچہ ایک دن صبیغ عمامہ و عبا پہنے ہوئے آگیا اُس وقت لوگ کھانا کھا رہے تھے یہ بھی دسترخوان پر بیٹھ گیا، جب کھانے سے فارغ ہوا تو حضرت عمر کے نہان صبیغ نے کہا اے امیرالمومنین یہ تو بتائیے قرآن مجید میں "والذاریات ذروا فالحملت وقرا" کے کیا معنی ہیں اور اسکا کیا مطلب ہے؟

آپ نے کہا وائے ہو تجھ پر تو وہی ہے (اچھا لے بتائے دیتا ہوں) یہ کہکے آپنے آستین چڑھائی اور کوڑوں کا مینھ برسانے لگے، یہانتک کہ اسکا عمامہ سر سے گر گیا اور اسکی دو زلفیں لہرانے لگیں، آپ نے کہا کہ اگر تیرا سر منڈا ہوتا تو میں تجھے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا (خدا جانے اسمیں کیا راز تھا یعنی اگر چوٹی نہ ہوتی تو قتل کر دیتے بہت بلیغ ہے) جب وہ ادھ مرا ہوگیا تو اُسے ایک مکان میں بند کرا دیا اور روزانہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴)

(۳۹) آپ "عدن" کے معنی بھی نہیں جانتے تھے چنانچہ کعب بن سور سے پوچھا تھا کہ "عدن" کیا ہے، انھوں نے کہا کہ جنت میں ایک قصر ہے جسمیں یا تو نبی داخل ہوگا یا صدیق، یا شہید، یا حاکم عادل (تفسیر درمنثور سیوطی تفسیر ادخلھم جنات عدن، ازالۃ الخفا فصل ششم تفسیر آیات متعلق خلافت)

(۴۰) اسی مقصد اول میں شاہ ولی اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر کو "حرج" کے معنے اس آیت میں "ما جعل علیکم فی الدین من حرج" نہ معلوم تھے تو بنی مدلج کے ایک شخص کو بلوا کے آپ نے "حرج" کے معنی پوچھے اوس نے ضیق اور تنگی بتایا۔

(۴۱) آپ "کلالۃ" کے معنی بھی نہ معلوم تھے جیسا کہ اوپر گزرا، یہی حال حضرت ابوبکر کا بھی تھا، چنانچہ علامہ سیوطی نے درمنثور میں بذیل آیت کریمہ اور ابن حجر نے فتح الباری کتاب الاعتصام میں لکھا اور علامہ علی الاطلاق صاحب تشیید المطاعن نے ۵۸۰ پر اسے تفصیلی حیثیت سے نقل فرمایا ہے، بخوف طول میں ترک کرتا ہوں۔

یوں ہی ہزاروں مسائل ایسے تھے جنھیں نہ آپ سمجھتے تھے نہ آپکو ان کے اوپر عبور تھا اور نہ آپکے سمجھ میں آتا تھا۔ باوجود اسکے کہ "حسبنا کتاب اللہ" آپ کا نعرہ ہمہ گیر تھا۔ مگر کتب تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آیت قرآن کی ایسی نہ تھی جسکے متعلق آپنے اصحاب نبی سے سوال نہ کیا ہو اور اسکے معنی نہ پوچھے ہوں، بحیثیت شاہد صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

صاحب ازالۃ الخفا مقصد اول ص ۱۶۳ پر لکھتے ہیں کہ آیہ "ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ" کے معنے ایک روز آپ نے اصحاب رسول سے پوچھے کہ آخر اس آیت سے کیا مراد ہے، لوگوں نے کہا خدا بہتر جانتا ہے، آپ کو غصہ آیا اور کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ خدا بہتر جانتا ہے۔ تم لوگوں سے اس لئے پوچھتا ہوں کہ تم بتاؤ اگر تمھیں عہد رسول میں معلوم ہو سکا ہو اور اسکے متعلق کچھ سنا ہو اور اگر نہیں جانتے ہو تو کہو کہ نہیں معلوم

"خدا بہتر جانتا ہے" کیوں کہ جو جب نفی یا اثبات میں جواب دیا جا سکتا ہے۔

وہ آیت تھی جسکے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے آپنے رات بھر تڑپ کر سحر کی، آخر ابن عباس سے جب پوچھا تب یہ مسئلہ حل ہوا اور آپ کو اطمینان ہوا۔ دنیا جانتی ہے کہ ابن عباس نے اس اہلبیت سے علم حاصل کیا اور انکے علم کی مثال علم علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے مقابلہ میں "کقطرۃ مطر فی لجۃ البحر" بلکہ قطرہ سے بھی ہزاروں درجہ کم، لیکن اصحاب نبی کے ہوتے ہوئے اگر کوئی اس آیت کا مطلب بیان کر سکا تو وہ ابن عباس اور صرف ابن عباس تھے باقی سناٹا تھا۔

یہ تھے وہ مختصر نوٹ جو اس جملہ پر "قد سمعنا اشیاء الّا عالما ولیس بہ" دیئے گئے اور صرف اسی ایک جملہ کے خواہ بسیط مجلدات پیدا کر سکتے ہیں مگر انکا یہ محل نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵)

ایک سوال

یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فقرے میں تعریضی حیثیت کیوں مراد لی گئی ہے اور کیوں اس سے ذات خلفا مقصود سمجھی گئی، درانحالیکہ امیر المومنین علیہ السلام نے تصریحاً بیان نہیں فرمایا۔

اسکا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ درحقیقت اگرچہ تصریحی حیثیت سے آپنے اس عیب کو ان لوگوں کی طرف منسوب نہیں کیا، مگر اشارۃً اور کنایۃً تعریض فرمائی ہے، جسکا شاہد قوی وہ قرینہ ہے جو اس مطلب پر دال ہے، دراصل قرینہ ہی ایک ایسی شئے ہوتی ہے جو "العاقل تکفیہ الاشارہ" کے چہرہ سے نقاب اٹھا دیتی ہے اور نگاہ نکتہ رس اس تعریض کی تہ تک پہونچ جاتی ہے، اہل نظر اس واقعہ کو بھولے نہ ہونگے جو زمانہ خلافت دوم میں پیش آیا اور جہاں تصریح و تعریض کا فیصلہ بذریعہ قرینہ کیا گیا اور قرینہ کی دلالت اتنی تقینی سمجھی گئی کہ حضرت عمر نے حد شرعی جاری کر ڈالی

چنانچہ صاحب ازالۃ الخفاء صـ۵۶ مقصد اول مسند عمر بن خطاب میں لکھتے ہیں۔

"گر یم تعریض نوعے است از بیان تفہیم و تفہم بآں حاصل میشود اخرج مالک عن عمرۃ بنت عبد الرحمن ان رجلین استبا فی زمان عمر بن الخطاب فقال احدھما للاخر واللہ ما ابی بزان ولا امی بزانیۃ فاستشار فی ذالک عمر بن الخطاب فقال قائل مدح اباہ وامہ وقال اٰخرون قد کان لابیہ وامہ مدح غیر ھذا نری ان تجلدہ الحد فجلدہ عمر بن الخطاب الحد ثمانین۔ پس تعریض ملحق بہ صریح است وتحقیق در تعریض آن است کہ دلالت نمی کند بمحض لفظ لیکن دلالت میکند بمساعدت قرائن و شک نیست کہ قرائن را دلالتے است الخ"

"ہم کہتے ہیں کہ تعریض ایک قسم ہے بیان تفہیم کی جس سے تفہم حاصل ہوتا ہے اور تعریض سمجھ میں آتی ہے مالک نے عمرۃ بنت عبد الرحمن سے روایت کی ہے کہ دو شخصوں نے

خلافت دوم میں آپس میں گالی گلوچ کی اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ "بخدا نہ میرا باپ زانی ہے نہ میری ماں" یہ جھگڑا بظاہر بھی اپنے آغوش میں حضرت عمر کے فہم کے لئے ایک عظیم مشکل مسئلہ لئے ہوئے تھا۔ آپ کو ذرا دقت ہوئی اور آپنے اصحاب نبی سے مشورہ کرنا شروع کیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اس نے اپنے ماں باپ کی مدح کی ہے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ نہیں یہ کھلی ہوئی تعریض ہے اور اس نے کھلی ہوئی چوٹ اپنے فریق مخالف پر کی ہے لہذا حد جاری کرنا چاہیئے حضرت عمر بھی رائے آخر سے متفق ہوئے اور اسی (۸۰) کوڑے لگوا دیئے اور اس تعریض کو باعتبار قرائن دا آلۃ التصریح کا محل دیا گیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کے الفاظ میں بھی یہ تعریضات باعتبار قرائن بمنزلۂ تصریحات ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

۵۲ وہ طبقہ جو جہل مرکب میں مبتلا ہوتا ہے اور دعویدار علم ہوتا ہے اس کے واقعات زندگی ان حالات سے پُر ہوتے ہیں وہ اپنے مطلب کے اثبات کے لئے لغو باتیں اور بیہودہ دلیلیں ذیل کرکے لاتا ہے اور مسئلہ کو اپنے علم کے مطابق ہیر پھیر کر ثابت کرنا چاہتا ہے چاہئے وہ اس کی وجہ سے کسی الجھن یا مشکل میں کیوں نہ گرفتار ہو جائے یہی حالت ان مدعیان علم کی ہوتی ہے اور ہوا کی جو بظاہر عالم اور بباطن جاہل ہیں یہ عام طور سے دنیا میں یہی ہوتا آیا اور یہی ہوتا رہے گا۔

جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا
تو لوگوں میں قاضی بن بیٹھا ۵۳
ضَامِنًا لِتَخْلِيصِ مَا الْتَبَسَ عَلَىٰ غَيْرِهٖ
اور ان مسئلوں کے سلجھانے کا ضمانت دار بن گیا جنکی (گتھی) دوسروں کے نزدیک الجھی ہوئی ہو
فَإِنْ نَزَلَتْ بِهٖ إِحْدَى الْمُبْهَمَاتِ
سو اگر کوئی مشکل مسئلہ اسکے سامنے آتا ہے
هَيَّأَ لَهَا حَشْوًا رَثًّا مِنْ رَأْيِهٖ
تو وہ اپنی رائے سے بیکار کی پوچ چڑ بودی اور مہمل باتیں اور دلیلیں
ثُمَّ قَطَعَ بِهٖ
۵۴ پیش کرتا ہے اور اسکے (صحیح ہونے پر) یقین کر لیتا ہے

۵۳ جلس بین الناس قاضیا الخ (یہ جاہل) لوگوں میں قاضی بن بیٹھا"

اس فقرہ میں بھی تعریض ہے اور کھلی ہوئی، جناب خلیفہ دوم کو سب سے پہلے عہدۂ قضا جناب ابو بکر نے سپرد کیا اور جو دقتیں آپ کو اس عہدہ کے انجام دہی میں اٹھانی پڑیں وہ اہل عالم کے لئے مواساۃ آفرین اور قابل غور ہیں چنانچہ ابن عبد البر نے کتاب استیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۶۵ جلد ۳ میں لکھا ہے قال اول من ولی شیئا من امور المسلمین عمر بن الخطاب ولاہ ابو بکر القضاء فکان اول قاض فی الاسلام وقال اقض بین الناس فانی فی شغل۔

مسلمین کے کاموں کے لئے سب سے پہلے حضرت عمر بحیثیت والی وحاکم مقرر ہوئے اور حضرت ابو بکر نے انکو عہدۂ قضا سپرد کیا، لہذا آپ سب سے پہلے وہ قاضی تھے جو اسلام میں مقرر ہوئے۔ حضرت ابو بکر نے انکو قاضی بناکے کہا کہ تم لوگوں کے قضایا فیصل کیا کرو کیونکہ مجھے اس کی فرصت نہیں۔

ان مسائل خاص کا تذکرہ جو حضرت عمر کے متعلق اوپر بیان کیا جا چکا ہے انھیں تو جانے دیجئے، ایسے مسائل بکثرت ہیں اور اگر تمام یکجا کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب اور ایک بسیط کارنامہ تیار ہو سکتا ہے۔ علمی مسائل تو درکنار بدیہیات سے انکار اور مسائل حقیقی و واقعی میں انکا قول و عمل قابل غور ہے۔ رسول کے انتقال کے بعد ایک مشکل مسئلہ (جو بظاہر بالکل سہل تھا) حضرت عمر کے سامنے آتا ہے، ابھی خلافت کی خبر بھی کوسوں دور ہیں، اور ابھی صرف زمین خلافت کے ہموار کرنیکا وقت ہے اور وہ مسئلہ "موت رسول" کا مسئلہ ہے یہ وہ گتھی ہے جو حضرت عمر کے حل کئے حل نہیں ہوتی۔ دنیا انتقال و موت رسول کی قائل ہے، مشاہدہ مؤید ہے، قانون قدرت سبق آموز ہے مگر حضرت عمر ان تمام دلائل و براہین کو لغو سمجھتے ہوئے انتقال رسول سے انکار کر رہے ہیں۔ نہ صرف انکار بلکہ لوگوں کو قتل کی دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر کسی ایک نے بھی یہ کہا کہ رسول کا انتقال ہو گیا تو اس کی جان

زعون والی سزا اصحاب نبی کے لیے مقرر کئے دیتے ہیں جیسا کہ قول قرآن مجید ہے کہ "لیقطعن ایدیکم وارجلکم ولیصلبنکم علی جذوع النخل"

اسی طبری کے صـ۱۹۸ پر یہ عبارت بھی ہے کہ "وکان عمر یقول لم یمت وکان یتوعد الناس بالقتل فی ذالک" حضرت عمر کہتے جاتے تھے کہ رسول اللہ مرے نہیں، اور لوگوں کو جو اس کے قائل ہیں قتل کی دھمکی دیتے جاتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ تاریخ ابوالفدا میں صـ۱۵۲ طبع مصر جلد اول) تو وہ عبارت ہے جس سے اسلام لرزہ براندام نظر آتا ہے اور ایمان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اسکا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ کو دفن وکفن کی ضرورت نہیں اور انکی میت بے دفن وکفن چھوڑ دیجائے وحکی القاضی شہاب الدین بن ابی الدم فی تاریخہ قال فاقتحم جماعۃ علی النبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم ینظرون الیہ وقالوا کیف یموت وھو شہید علینا لا واللہ ما مات بل رفع کما رفع عیسی ونادوا علی الباب لا تدفنوہ فان رسول اللہ لم یمت فتربصوا بہ حتی نفخ بطنہ وخرج عمہ العباس وقال واللہ الذی لا الٰہ الا ھو لقد ذاق رسول اللہ الموت (ابوالفدا صـ۱۵۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۷)

کی خبر نہیں، آپ تلوار کھینچے ہوئے اور بقول بعض اپنا کوڑا لئے ہوئے مجمع عام صحابہ میں گشت کر رہے ہیں اور نعرۂ بے ہنگام بلند فرما رہے ہیں، اور تمام صحابہ کرام کو منافقین کا لقب دے رہے ہیں۔ جسمیں حضرت ابوبکر "ثانی اثنین" سا باوجاہت صحابی بھی شامل ہے

قام عمر بن الخطاب فقال ان رجالا من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ توفی وان رسول اللہ واللہ ما مات ولکنہ ذھب الی ربہ کما ذھب موسی بن عمران فغاب عن قومہ اربعین لیلۃ ثم رجع بعد ان قیل قد مات واللہ لیرجعن رسول اللہ فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم یزعمون ان رسول اللہ مات

(طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۷ طبع مصر، کامل صـ۱۲۱ جلد ۲ طبع مصر، ابوالفدا، سیرۃ حلبیہ ودیگر کتب عامہ)

جب رسول کا انتقال ہوا تو حضرت عمر نے کہا کہ منافقوں کا یہ خیال ہے کہ رسول نے وفات پائی، بخدا رسول اللہ ہرگز نہیں مرے وہ اپنے خدا کے پاس اسی طرح گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم سے غائب ہوگئے تھے اور خدا کے پاس گئے تھے، پھر وہ چالیس راتوں کے بعد پلٹے درانحالیکہ لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ موسیٰ کا انتقال ہوگیا خدا کی قسم رسول اللہ ضرور اور یقیناً پلٹ کر آئیں گے (یہاں مسئلہ رجعت پر اعتقاد جائز ہے۔ مترجم) اور یقیناً ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول کا انتقال ہوگیا۔

وقت نہیں ورنہ اس مطلب کو ثابت کرتا کہ حضرت عمر کو یہودیوں سے کتنا ربط وضبط، انکے افعال وکردار سے کتنی محبت، اور ان کے معتقدات میں کتنا شغف تھا، رسول اللہ ایک مرتبہ حضرت عمر کے ان باتوں پر غضبناک ہوچکے تھے، جب وہ توریت کا نسخہ بار بار پیش کر رہے تھے، آج پھر وہ مجمع اسلام کو یہودیوں کے راستے پر لگانے کی کوشش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور موت رسول کا انکار کرتے ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸)

قاضی شہاب الدین ابن ابی الدم نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک جماعت (صحابہ نے) میت رسول پر ہجوم کیا اور انکو دیکھ کے کہا کہ یہ مر کیونکر سکتے ہیں یہ تو ہم پر گواہ ہیں، خدا کی قسم یہ مرے نہیں بلکہ عیسیٰ کی طرح اُٹھا لئے گئے ہیں، اور ان لوگوں نے دروازہ پر ندا کی اور منادی کی کہ رسول اللہ کو دفن نہ کرنا کیونکہ وہ مرے نہیں لہذا لوگ ٹھہر گئے اور دفن سے باز رہے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) آپ کا پیٹ پھول گیا، عباس رسول کے چچا نکلے اور انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم رسول کا انتقال ہو گیا ہے۔
معلوم ہوا کہ بنی ہاشم اور رسول کے اقربا موت رسول کے قائل تھے اور یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین علیہ السلام نے تدفین و تکفین کی، باقی حضرات بزم سقیفہ کی زینت رہے، اور صحابہ کرام موت رسول کے قائل ہی نہ تھے وہ انکو زندہ سمجھتے تھے اور انکی بازگشت کے منتظر۔

ایک عجیب لطیفہ

اگر عالم اسلام کی جبیں پر شکن نہ پڑے تو دل چاہتا ہے کہ اتنا پوچھ لوں کہ جب حضرت عمر حیات رسول کے قائل تھے تو یہ فوراً بزم سقیفہ کا انعقاد اور بازار بیعت کی گرم بازاری کیسی؟ جب رسول چالیس دنوں کے بعد آجانیوالا تھا تو یہ جلد بازی بیعت کے کیا معنے تھے، معاذ اللہ شان حضرت عمر میں یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ انھوں نے اپنے خاص کام کے لئے اور اپنی مطلب برآری کے لئے اس فریب کا جال پہلے ہی سے پھیلا دیا کہ کار بیعت باحسن وجوہ تمام ہو یا معاذ اللہ جھوٹ بول رہے تھے۔
بس وہی قول اختیار کیا جا سکتا ہے، جو صاحب سیرۃ حلبیہ نے اختیار کیا ہے کہ "وعمر بن الخطاب قد خبل" "حضرت عمر کا دماغ غم موت رسول سے قابو میں نہ تھا" مگر اس قول کی تصدیق کے لئے وجود موت ضروری ہے اور حضرت عمر اس کے منکر تھے۔
قاضی شہاب الدین نے جو کچھ بھی لکھا ہے جسے ابو الفدا نے نقل کیا، وہ عبارت

محبت خلیفہ دوم کی قوی شاہد ہے، انھوں نے ایک جماعت کو منکر موت رسول ٹھہرا کر درحقیقت الزام انکار حضرت عمر کو ہلکا کر دیا اگرچہ تاریخوں کا تواتر حضرت عمر ہی کے نام کو بار بار دہراتا ہے اور حضرت ایک قاضی صاحب اکثر اصحاب و جماعت اصحاب کے سر یہ الزام لگانا چاہتے ہیں، تاکہ صرف حضرت عمر ہی کا دامن اس داغ سے ملوث نہ ہو۔ مگر کیا کیا جائے۔ زبان تاریخ جو کسی طرح بغیر اس نام (عمر) کے لئے ہوئے چپ ہی نہیں ہوتی۔
یہ رویہ تو پرانا ہے اور بعد موت رسول اسکی اساس فوراً ڈالدی گئی، دیکھئے نا "حدیث قرطاس" کا جھگڑا۔ "قالوا اھجر استفھموہ" لوگوں نے کہا کہ کیا شدت مرض کی وجہ سے رسول ہذیان بک رہے ہیں ذرا سمجھ تو لو کیا کہتے ہیں" یہی اسی صیغہ جمع سے چکایا گیا اور جرم خلافت سبک کر دکھایا گیا حالانکہ خفاجی وغیرہ نے صراحۃً اس فقرہ کا کہنے والا حضرت عمر کو کہا ہے۔
ہاں تو میں اس بات کو بیان کر رہا ہوں کہ موت رسول وہ مسئلہ تھا جسکا حل حضرت عمر سے نہ ہو سکا اور انھوں نے اپنی بوچ پوچ دلیلوں سے مسئلہ حیات رسول کو ثابت کرنا چاہا، اس مسئلہ خاص پر لامحالہ آپ کو یقین بھی تھا۔ مگر انکے دلائل ایسے بودے اور ایسے

کیوں مدینہ چھوڑا تھا اور کون سی ضرورت آپ کو لاحق ہوئی تھی) حضرت ابو بکر رسول کے انتقال کے تیسرے روز تشریف لائے اتنے دنوں کسی کو یہ جسارت وجرات نہ ہو سکی کہ وہ رسول کا چہرہ کھول کے دیکھے، یہانتک کہ (معاذ اللہ) آپ کی میت بگڑ گئی، ابو بکر نے رسول کا چہرہ کھولا اور آنکھوں کے درمیانی حصہ کو بوسہ دیا۔

طبری کی عبارت قابل قبول عقل نہیں، رسول کے چہرہ کو سوا ابو بکر کے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا یہ کذب مسلہ کسی طرح عقل میں نہیں سماتا، رسول کے رشتہ دار تھے اقربا تھے اصحاب تھے، انصار تھے، رسول کی پارہ جگر تھی، رسول کا داماد تھا اور یہ دونوں رسول کو جس قدر محبوب تھے اور رسول جتنا ان کو محبوب تھا ظاہر ہے، خود بقول ادعائے عامہ حضرت عائشہ سی محبوب زوجہ موجود تھی اور کسی نے فرط محبت میں بھی چہرۂ رسول سے چادر نہ سرکائی اور آپکی حالت تین دن تک نہ دیکھی، بھلا ایسا کہیں ممکن ہے؟

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا اس لئے ہوا کہ اصحاب کبار کا حکم امتناعی صادر تھا کہ رسول مرے نہیں انکو دفن کرنے کی ضرورت نہیں، لہذا حکم امتناعی کے پہرے نے میت رسول تک کسی کو جانے نہ دیا ہوگا۔ جب ابو بکر اندر سے پلٹے تو دیکھا کہ حضرت عمر برابر اپنے خیال کی (عدم موت رسول) تلقین مجمع کو کر رہے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹)

کمزور تھے کہ فوراً حضرت ابو بکر نے آکے اسکی رد کردی اور یہ تار عنکبوت ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، یعنی انھوں نے میت رسول کی زیارت کی اور مقام سنخ اپنے مقام خاص سے خبر موت رسول سنکر دوڑ آئے میت رسول پر روئے (نہ باعتبار بدعت بلکہ باعتبار محبت) اور باہر نکل کے حضرت عمر سے کہا۔ یہ کیا کہے جا رہے ہو اور کیوں موت رسول کا انکار کئے جاتے ہو۔

وکان ابو بکر غائبا فجاء بعد ثلاث ولم یجترئ احد ان یکشف عن وجهه حتی اربد بطنه، فکشف عن وجهه وقبل بین عینیه۔

ثم رد الثوب علی وجهه ثم خرج وعمر یکلم الناس فقال علی رسلك یا عمر فانصت فابی الا ان یتکلم فلما راه ابو بکر لا ینصت اقبل علی الناس فلما سمع الناس کلامه اقبلوا علیه وترکوا عمر فحمد الله واثنی علیه ثم قال ایها الناس من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد الله فان الله حی لا یموت ثم تلا هذه الایه وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل الخ قال فوالله لکان الناس لم یعلموا ان هذه الایة نزلت علی رسول الله صلی الله علیه (وآله) وسلم حتی تلاها ابو بکر یومئذ واخذها الناس عن ابی بکر فانما هی فی افواههم وقال عمر والله ما هو الا ان سمعت ابا بکر یتلوه فعقرت حتی وقعت الی الارض ما تحملنی رجلای وعرفت ان رسول الله قد مات

(طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸ طبع مصر) بخاری، ازالۃ الخفا صفحہ ۱۶۹ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابو بکر موت رسول کے وقت اور اسکے بعد تک مدینہ میں موجود نہ تھے بلکہ غائب تھے (اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ امام جماعت ونماز مرض رسول میں حسب دعوائے اہل اسلام آپ ہی تھے، باوجود اس کے کہ محبت رسول کا یہ تقاضا بھی نہ تھا کہ رسول کو اس حال میں چھوڑ کر محبت کرنے والے چلے جائیں اور باوجود اس کے کہ آپ کو علم تھا کہ رسول اس مرض سے جانبر نہ ہونگے، پھر آپ نے

CamScanner

کہ میری سنو مگر عمر کسی طرح نہ سنتے تھے، جب مجمع نے انکی طرف روگردانی کی اور ابوبکر کیطرف متوجہ ہوئے تب خاموش ہوئے اور خود بھی صف سامعین میں آ گئے۔ چوتھے یہ کہ صحابہ کرام خصوصاً ان صحابہ کو جنکے ہاتھوں میں زمام خلافت آنے والی تھی، قرآن مجید مستحضر ہونا چاہئے تھا اور ان کو اسکی تلاوت کرنی چاہئے تھی کیونکہ اس کتاب کے فرامین واحکام پر اسلام وشریعت رسول کا دار ومدار تھا، اچھا اگر وہ آیت جسے ابوبکر نے پڑھا ان لوگوں کو نہ معلوم تھی اور اسکے اترنے میں شک تھا تو کل نفس ذائقۃ الموت اور ویبقیٰ وجہ ربك ذو الجلال والاکرام سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا گیا اور کیلئے رسول کی ہستی اس کل افرادی سے مستثنیٰ کیگئی ممکن ہو یہ آیت بھی اسوقت تک متیقن نہ ہو سکی ہو۔

پانچویں یہ کہ آیہ "وما محمد" کا علم بزبان حضرت ابوبکر اسیوقت ہو سکا اسکے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ قرآن اسوقت تک متواتر بھی نہ تھا تو پھر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان لوگوں کا ایمان قرآن کامل پر موت رسول تک تھا ایسا تو نہیں کیونکہ اس آیت کا اسوقت تک پتہ ہی نہ تھا اور نہ معلوم کن کن آیتوں کے وجود کا علم اسوقت تک نہ ہو سکا ہو تو پھر کامل قرآن کہاں ـ اور ایمان بالقرآن کہاں قرآن مختلف عجب لطف ہو کہ آیہ ما محمد الا رسول الآیۃ اسوقت بزبانی حضرت ابوبکر سنی گئی اور تمام مجمع اصحاب کہتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ اس سے پہلے نہ اس آیت کو ہم نے سنا نہ اسکا علم کبھی اور ہمیں ہوا، خود حضرت عمر بھی اس بات کے قائل ہیں، ادھر تو یا اقوال اور بروے قسم اس آیت سے لاعلمی کو دیکھئے اور ادھر جنگ احد کا تصور کیجئے اور وہاں کے حالات بنظر مطالعہ فرمائیے تو اس عقدۂ لاینحل میں اتنی گتھیاں پڑتی ہیں کہ الہی توبہ ـ یہ ظاہر ہے کہ وفات رسول سے کہیں پہلے جنگ احد ہوئی اور اسیوقت اور اسی عہد میں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰)

حضرت ابوبکر نے کہا ذرا ٹھہر دیکیا کہہ رہے ہو میری تو سنو، مگر وہاں کون سنتے حضرت عمر نے خلیفہ اول کے قول کیطرف کوئی اعتنا بھی نہ کی اور اپنی ہی کہتے رہے۔ جب ابوبکر نے دیکھا کہ عمر سنتے ہی نہیں تو وہ مجمع کیطرف مخاطب ہوئے۔ مجمع نے عمر کو چھوڑا اور ابوبکر کیطرف متوجہ ہو گیا۔ ابوبکر نے بعد حمد وثنائے الٰہی بیان کیا۔ "لوگو! جو رسول کی پرستش کر رہا ہو تو اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ رسول کا انتقال ہو گیا اور جو خدا کی پرستش کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ خدا حی وقائم ہے، وہ مرنے والا نہیں پھر آپ نے اس آیت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل " تلاوت کی۔ محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی رسولوں کو موت آئی ہے، اور وہ اُٹھ گئے ہیں، اس آیت کا پڑھنا تھا کہ لوگ ایسی حالت میں ہو گئے کہ گویا انھوں نے کبھی اس آیت کو سنا ہی نہ تھا اور آج انھیں ابوبکر کے منہ سے یہ آیت معلوم ہوگی اور یہ فیض پہونچ سکا انھیں اچنبھا تھا کہ یہ آیت بھی رسول پر نازل ہوئی ہے۔؟

حضرت عمر بھی کہتے تھے کہ میں نے بھی آج ہی ابوبکر کے منہ سے اس آیت کو سنا اس سے قبل کبھی نہیں سنا جب میں نے انکو یہ پڑھتے ہوئے سُنا تو گویا میرے پاؤں کٹ گئے (بلکہ ہاتھ پاؤں کٹ گئے) اور میں زمین پر چونک کھا کے گر رہا تھا، گویا میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہ سکتے تھے اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ رسول کا انتقال ہو گیا۔

عجب باتیں ہیں، روایت میں چند چیزیں قابل نظر ہیں، ایک تو یہ کہ جس بات پر اس مسئلہ میں حضرت عمر کو یقین تھا وہ یاد رہا تھی اور ایسی کہ حضرت ابوبکر نے اُسے مردود کر دیا، دوسرے یہ کہ صاحب سیرۃ حلبیہ تو یہ لکھتے ہیں کہ غم کیوجہ سے حضرت عمر کا دماغ قابو میں نہ تھا پھر اسوقت حضرت ابوبکر کی تعلیم کیونکر سمجھ میں آگئی اور حواس کیونکر درست ہوئے، تیسرے یہ کہ روز بیعت حضرت عمر کہہ رہے تھے کہ میں ابوبکر خلیفۂ رسول کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا نہ کرونگا خلیفہ رسول" کا لقب قبل اتمام بیعت دیا گیا تھا، اس اعتبار سے حضرت ابوبکر اسوقت بھی جب اعتقاد موت رسول میں نزاع ہو رہی تھی، خلیفہ تھے، پھر کیا وجہ تھی کہ ابوبکر کہتے تھے

کئے ہوئے تھا لہذا انکار موت رسول اور قتل کی دھمکی وغیرہ سے کام لے رہے تھے کوئی پوچھے احد کے دن کیا غم تھا کہ اس دن بھی قتل کی دھمکی دیتے تو کاش اس زبانی قتل سے میدان جنگ میں عمل قتل کے نمونے دکھاتے۔ یہ تھا وہ مسئلہ جو حل ہونے کے بعد بھی اپنی گتھیوں میں حل کرنے والوں کو پھنسائے ہوئے ہے اور پھنسائے رہے گا۔

اس مسئلہ کی صورت تو علیحدہ تھی جبکا دار و مدار قرآن کی تکمیل پر تھا اور آیات کے حفظ و تواتر پر تھا اگرچہ تمام مسائل قرآن ہی سے ماخوذ اور اسی پر مترتب ہوتے ہیں پھر بھی فقہیہ مسائل کی شان جداگانہ ہوتی ہے اور جاہل عالم تا اگر کسی مسئلہ کا جواب دیتا ہے تو چونکہ اُسے اپنے علم پر بھروسہ نہیں لہذا وہ خود شک میں پڑا ہوا ہوتا ہے کہ خدا جانے غلط کہا یا صحیح کبھی خیال کرتا ہے کہ صحیح ہوگا، کبھی سوچتا ہے کہ غلط نہ ہو۔ اسی عدم اعتماد علمی کیوجہ سے مسائل دوسروں سے حل کرائے جاتے تھے۔

اور اسی کی وجہ سے یہ کہنا پڑتا تھا کہ کل الناس افقہ من عمر حتی ربات الحجال ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے یہانتک کہ عورتیں یہ اس وقت ہوا جب آپ نے مہر کی زیادتی کو روکا تھا اور مجمع عام میں برسر منبر آپکو ایک عورت نے بنص قرآنی مجوج کیا تھا۔ آخر آپ کو پھر منبر پر جا کے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا اور کہنا پڑا کہ میں اپنے احکام واپس لیتا ہوں اور مہر کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ دیکھو کنز العمال وغیرہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱)

یہ آیت نازل ہوئی اور اسکے گواہ و شاہد مبین خود حضرت عمر کی ذات بابرکات ہے آپ نے خود بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت جنگ احد میں نازل ہوئی اور میری مرضی اور رائے کی موافقت کرتی ہوئی اتری۔ کیونکہ بہت زیادہ قرآن حضرت ہی کی رائے کی اسی میں بقول اکثر علمائے اسلام اترا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی شان نزول کے متعلق بھی علمائے اسلام یہی لکھتے ہیں اور صاحب ازالۃ الخفا مقصد اول صفحہ ۱۲۸ فصل ششم تذکرہ آیات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ومن موافقات عمر قولہ تعالی وما محمد الا رسول قد خلت الآیۃ عن کلیب قال خطبنا عمر فکان یقرا علی المنبر آل عمران ثم قال تفرقنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد فصعدت الجبل فسمعت یہودیا یقول قتل محمد فقلت لا اسمع احدا یقول قتل محمد الا ضربت عنقہ فنظرت فاذا فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس یتراجعون الیہ فنزلت ہذہ الآیۃ وما محمد الا رسول الی قولہ الشاکرین۔

حضرت عمر کی رائے سے جہاں قرآن نے موافقت کی ہے منجملہ اسکے آیت وما محمد الآیۃ بھی ہے کلیب بیان کرتے ہیں کہ عمر نے ایک دفعہ ہم میں ایک خطبہ پڑھا اور منبر پر سورہ آل عمران پڑھنا شروع کیا، پھر کہا کہ احد کے دن ہم لوگ رسول سے الگ ہو کے اور انکو چھوڑ کے ہٹ گئے تھے چنانچہ میں کوہ احد پر چڑھ گیا اور میں نے سنا کہ ایک یہودی کہتا ہے کہ "رسول اللہ قتل کر دیئے گئے" تو میں نے کہا کہ دیکھو خبردار یہ کوئی نہ کہے ورنہ میں اُسے قتل کر دونگا۔ استنے میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ زندہ موجود ہیں اور لوگ پہاڑ سے اتر اتر کے انکی طرف پلٹ رہے ہیں اور یہ آیت نازل ہوئی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الآیۃ

اب دنیا خود ہی بتلائے کہ حضرت عمر کا کونسا قول سچا مانا جائے اور صحیح جانا جائے وہ کہ جہاں آپ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس آیت کا علم اسوقت ہوا جب ابوبکر نے بعد موت رسول یہ آیت پڑھی۔ یا یہ کہ حضرت عمر کے کلام کی موافقت میں یہ آیت روز احد اتر چکی تھی۔ اللہ بہتر سمجھ سکتا ہے کہ آپ اپنے کن مصالح کی بنا پر کیا کیا کچھ فرمایا کرتے تھے۔ موت رسول کے دن بھی قائل موت رسول کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے اور احد کے روز بھی اس یہودی کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے جیسا کہ روایت مذکورہ سے ثابت ہوا۔ مگر بقول صاحب سیرۃ حلبیہ وفات رسول کیوجہ سے غم کا طوفان اسقدر تھا کہ حواس ظاہری و باطنی و قوت دراکہ کو غرق

فَهُوَ مِنْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِيْ

(درحقیقت) وہ ان شبہوں کی وجہ سے (جنکے حل ہونے میں اسے خود شک ہے)

مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ ۔ لَا يَدْرِيْ

مکڑی کے جالے (کے "تانے بانے") میں پھنسا ہوا ہے (جسکا بودا پن ظاہر ہے) وہ خود نہیں

اَصَابَ اَمْ اَخْطَاَ فَاِنْ اَصَابَ

جانتا کہ اس نے (اس مسئلہ میں) ٹھیک جواب دیا یا غلط۔ اگر اتفاقاً ٹھیک کہا تو

خَافَ اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اَخْطَاَ

(دل میں چور ہے) ڈرتا ہے کہ کہیں غلط نہ کہا ہو

وَاِنْ اَخْطَاَ رَجَا اَنْ يَّكُوْنَ

اور اگر غلط جواب دیا تو آس لگائے ہوئے ہے کہ ممکن ہے

قَدْ اَصَابَ ۔ جَاهِلٌ خَبَّاطُ

صحیح کہہ گیا ہو جاہل اور جہالت کی تاریکیوں میں

جَهَالَاتٍ ۔ عَاشٍ رَكَّابُ عَشَوَاتٍ

ہاتھ پاؤں مارنے والا۔ شبکور اور ایسی سواریوں پر سوار (جنہیں آگے کی کوئی چیز نہ دکھائی دیتی ہو) اور وہ تو مذبذب میں مبتلا ہوں

[1] دیکھئے نا مسئلہ رجم وغیرہ میں آخر کیا ہوا جب دوسروں نے مدد کی تو حکم قرآنی کے مطابق فیصلہ ہو سکا ورنہ ایک ناکردہ گناہ کی مفت میں جان گئی ہوتی۔ تار عنکبوت سے ذہن جاہل کی مثال اس لئے دی ہے کہ جس طرح تار عنکبوت کمزور ہوتے ہیں اسی طرح اسکے دلائل اور جس طرح مکھی جالے سے نکلنے نہیں پاتی اسی طرح شبہوں میں پھنسا ہوا ذہن نجات نہیں پاتا

[2] اسی شک کا نتیجہ تھا کہ آیات کا مفہوم احادیث کے معنے احکام رسول کو اصحاب سے پوچھا کرتے تھے کیونکہ یقینی حیثیت سے آپ کو کوئی بات نہ معلوم تھی اور اگر کوئی کہتا تھا کہ اللہ جانے تو بگڑتے تھے اور خفا ہو جاتے تھے اگرچہ اپنے صادر کئے ہوئے احکام کو خدا ہی کے حوالے کیا کرتے تھے۔ اسی شک کا نتیجہ تھا کہ آپ مسائل میں متردد رہا کرتے تھے۔ جسکی طرف امیر المومنین علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ صاحب ازالۃ الخفا نے مقصد دوم ص۔ پر منجملہ اور واقعات کے ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے۔

ان عمر کان یعس فی المدینۃ ذات لیلۃ فرای رجلا وامراۃ علی فاحشۃ

لَمْ يَعَضَّ عَلَى الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ

(کبھی اس نے علم کی لکڑی کو دانت سے نہیں کاٹا (اسنے علم کو علم کی طرح نہیں حاصل کیا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳)

فلما اصبح قال للناس ارا یتم لوان اماما رای رجلا وامراۃ علی فاحشۃ فاقام علیھما الحد ما کنتم فاعلین الخ

آپ شہر کے گشت کو راتوں کو نکلتے تھے، ایک شب آپ نے دیکھا کہ ایک مرد اور ایک عورت مشغول حرام ہیں، صبح کو آپ نے اصحاب سے پوچھا کہ اگر کوئی امام اپنے آنکھوں سے اس طرح کا واقعہ دیکھ لے تو اسے حد جاری کرنی چاہئے یا نہیں، لوگوں نے کہا کہ جب تک چار گواہیاں نہوں کیسے ممکن ہے، آپ صرف امام ہیں تو رہا کریں۔ پھر حضرت عمر نے اسی مسئلہ کو پوچھا اور پھر انھیں یہی جواب دیا گیا۔ اس واقعہ کو صاحب ازالۃ الخفا نے احیاء العلوم غزالی سے نقل کیا ہے۔ غزالی نے اس واقعہ کو لکھکر لکھا ہے۔ وھذا مشیر الی ان عمر کان مترددا فی ھذہ المسالۃ یعنی اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عمر اس مسئلہ میں متردد تھے۔

اسی لاعلمی کا نتیجہ تھا کہ حدود شرعیہ میں تعطل پیدا ہوتا تھا، اور قرآن کی آیتوں کی تعمیل نہ ہو سکتی تھی، قرآن کا دعویٰ ہے کہ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ قرآن کا حکم ہے ما اتاکم الرسول فخذوہ جو رسول تمھیں دے (حکم) اسے لو، مگر حضرت عمر فرماتے تھے کہ رسول نے "ربوا" (ربا) کو بیان نہیں کیا لہذا ربا و ریبہ اور ایسی ہی چیزوں کو جن کی تصریح و تشریح نہیں کیگئی، چھوڑ دو اور انکا خیال نہ کرو دیکھو ازالۃ الخفاصہ۔

اسی شک اور عدم علم کی وجہ تھی کہ مسئلہ عول میراث میں آپ متحیر کیا تھا اور فرماتے تھے ما ادری کیف اصنع بکم واللہ ما ادری ایکم قدم اللہ ولا ایکم اخر وما اجد فی ھذا المال شیئا احسن من اقسمہ علیکم بالحصص ثم قال ابن عباس وایم اللہ لو قدم من قدم اللہ واخر من اخر اللہ ما عالت فریضۃ الخ ص ۱۰۱ ازالۃ الخفا

آپ فرماتے تھے کہ بھائی مجھے نہیں معلوم کہ تقسیم میراث میں میں تم لوگوں کے لئے کیا کروں

اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ کن رشتہ داروں کو خدا نے مقدم کیا ہے اور کن کو موخر کیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر تقدیم و تاخیر الٰہی کا خیال میراث میں کیا جاتا تو حصے برابر تقسیم ہو جاتے اور کوئی ایسی زیادتی نہ ہوتی جس سے مسئلہ عول پیدا ہوتا۔

آیات قرآنی کے کماحقہ نجاننے کی وجہ سے اور نہ سمجھنے کی وجہ کو یہ دقتیں پیش آتی رہیں جیسا کہ حضرت عثمان سے کسی نے مسئلہ جمع بین الاختین کو پوچھا تھا تو آپ نے جواب دیا کہ کیا بتاؤں ایک آیت تو حلال بتاتی ہے اور ایک حرام ص ۱۵۱ ازالۃ الخفا

بہرحال یہ وہ طویل بحث ہے جس کا پایان نہیں اور ارباب بصیرت سے امیر المومنین علیہ السلام کے جملوں کے اشارات پوشیدہ نہیں۔

حاشیہ صفحہ ہذا

لہ لم یعض بضرس۔ کنایہ ہے۔ انسان کسی چیز کو چباتا ہے اور پھر اسے اچھی طرح چبا نہیں سکتا گویا باوجود امکان کے تکمیل کار نہیں کر سکتا ہے یہیں سے اس کنایہ کا استخراج ہے زمانے میں کیا ایسا شخص تو ونین شرعیہ اور احکام شرعیہ کو تھوڑا بہت جانکر بھی ایقان و یقین سے الگ رہتا ہے اور اسے کسی امر کا یقین نہیں ہوتا نہ وہ ان شبہات کیوجہ سے کسی صحیح نتیجہ تک پہونچ سکتا ہے۔

CamScanner

یُذرِی الرِّوَایَاتِ اِذْرَاءَ الرِّیحِ الھَشِیْمَ

حدیثوں اور روایتوں کو (بے کھٹکے) یوں اڑاتا ہے جیسے ہوا بھوسے اور سوکھی گھاس کو تتر بتر کر دیتی ہو

سلمہ وہ روایات کو یوں اُڑاتا ہے جیسے سوکھی ہوئی گھاس کو ہوا اُڑاتی ہے، یعنی نہ روایات کے حصول میں وہ سعی کرتا ہے نہ ان کے انتقاد میں، نہ اون کے با محل صرف کو وہ دیکھتا ہے، نہ ان کے مفہومات پر نظر غور ڈالتا ہے، وہ لوگ کہ جو فقیہ بنتے ہیں اور فقیہ نہیں ہوتے ان کا حال یہی ہوتا ہے، یہ بات عمومی حیثیت سے ان تمام فقہا کے لئے ثابت ہے جو حقیقت میں فقیہ نہیں اور خصوصیت سے خلفا کے لئے ثابت ہے۔

ملاحظہ نہ کیجیے کہ حضرت عمر نے کیونکر اس حدیث کو اور روایت کو ان المیت یعذب ببکاء اھلہ "میت پر رونے سے عذاب ہوتا ہے" سمجھا اور کیونکر اس کو بے محل صرف کیا اور کیونکر جناب ام المومنین نے حضرت عمر کی فہم پر ایک بلیغ نکتہ چینی کرتے ہوئے، اسکی رد کی جیسا کہ بخاری اور دیگر کتب میں مرقوم ہے اور جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا۔

اسی طرح وہ خبر واحد ہے جو حضرت ابوبکر کے دہن سے بعد وفات رسول بضعۃ الرسول کے دعوے کے مقابلے میں نکلی اور صدیقہ کی صداقت سے بلند ہوتی ہوئی قرآنی احکام کو پامال کرتی ہوئی، اخلاق پر بجلیاں گراتی ہوئی، مواسات انسانی پر خاک ڈالتی ہوئی، احسانات گزشتہ رسول کو محو کرتی ہوئی۔ اپنے انتفاع کا بیڑا اٹھاتی ہوئی۔ قول رسول کے حقوق کو مٹاتی ہوئی، صاحبان تطہیر کی وقعت کو فنا کرتی ہوئی، دامن احادیث رسول کو جلاتی ہوئی، تاریخی صفحات میں آجتک رہ گئی اور دل مومن کا داغ بن کر ہمیشہ رہے گی۔

جس کی خبر واحد ہونے پر خود علمائے گروہ اسلام متفق ہیں۔ چنانچہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ صدق المرتضی فیما قال اما عقیب وفاۃ النبی و مطالبۃ فاطمۃ بالارث فلم یرو الخبر الا ابوبکر وحدہ و قیل انہ رواہ معہ مالک بن اوس بن الحدثان، کہ جناب سید مرتضی رحمۃ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ یہ حدیث جو

دعوائے فاطمہ زہرا (صلوٰۃ اللہ علیہا) کے مقابلہ میں دہن ابوبکر سے نکلی یعنی (نحن معاشر الانبیاء لانورث ما ترکناہ صدقہ) یہ سوا حضرت ابوبکر کے کسی کو معلوم نہ تھی۔ تمام عالم محدثین اس جگہ خاموش ہے صرف حضرت ابوبکر کی آواز اس عالم میں گونجتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اس خبر و حدیث کی کسی ایک نے بھی نہیں روایت کی مگر ابوبکر نے اور وہ بھی تنہا ہیں بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اس روایت کی تائید مالک بن اوس بن حدثان نے کی ہے اور وہ بھی اسکے راوی ہیں۔

یہ لکھکر ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ ھذا حدیث غریب لان المشھور انہ لم یرو حدیث انتفاء الارث الا ابوبکر وحدہ"

یہ حدیث غریب ہے اسکو مالک

بن الخطاب قال بمحضر
من الصحابۃ منہم علی والعباس
وعثمان وعبدالرحمن ابن
عوف والزبیر بن العوام
وسعد بن ابی وقاص
انشدکم باللہ الذی باذنہ
تقوم السماء والارض اتعلمون
ان رسول اللہ قال لانورث
ما ترکناہ صدقۃ قالوا
اللھم نعم ثم اقبل علی
علی والعباس فقال انشدکما
باللہ ھل تعلمان ان رسول
اللہ قد قال ذالک قال
اللھم نعم۔

بخاری نے مالک ابن اوس بن حدثان النصری سے یوں روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب نے اصحاب نبی کے مجمع میں جسمیں علی، عباس، عثمان، عبدالرحمن ابن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص تھے، کہا کہ تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہے۔ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ رسول نے حدیث لانورث ما ترکناہ صدقۃ فرمائی۔ ان سب نے کہا ہاں ہاں فرمائی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵)

بن اوس نے بھی اس کی روایت کی کیونکہ یہ بات بہت مشہور ہے کہ "حدیث نفی ارث" کی سوا ابوبکر کے کسی اور نے روایت نہیں کی۔ (تاریخ الخلفا فصل فیما وقع فی خلافۃ ابی بکرؓ اختلفوا فی میراثہ فما وجدوا عند احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم یقول انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

(صواعق محرقہ باب اول فصل خامس شبہ رابعہ) واختلفوا فی میراثہ فما وجدوا عند احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ یقول انا معشر الانبیاء لانورث ما ترکناہ صدقۃ۔

بعد وفات رسول میراث رسول میں اختلاف ہوا اور اسکے متعلق کوئی علم کسی کے پاس نہ تھا۔ مگر صرف ایک حضرت ابوبکر نے یہ گواہی دی کہ رسول نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیا کا نہ کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ وارث بناتے ہیں۔

اسکے ماسوا اتفاق اہلسنت نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ خبر خبر آحاد میں ہے اور سوا ابوبکر کے کوئی اسکا راوی نہیں۔ طول کلام کے جہت سے اس تفصیل کو ترک کرتا ہوں، اگر دیکھنا ہو تو اس مبحث میں مبسوط کتابیں اور بسیط رسالے لکھے جا چکے ہیں، انکی طرف رجوع کیجائے۔ خصوصاً صاحب تشیید المطاعن علیہ الرحمۃ والرضوان کی محنتیں اس مقام پر قابل غور و داد ہیں ملاحظہ کی جائیں۔

اس خبر واحد کو خبر واحد کی قید سے نکالنے کے لئے بعض محبین صحابہ نے ایک اور نام مؤیدین حضرت ابوبکر میں پیش کر دیا اور اس نام کے پیش کرتے وقت عقل و تدبر، غور و خوض سے کام نہیں لیا گیا کہ عقل والے جب اس کی تنقید کریں گے تو کیا کہیں گے اور صداقت قول مدعی میں کہاں تک یہ مؤثر ثابت ہوگی۔

وہ حدیث جسمیں مالک ابن اوس کا نام ہے اور جسکا اخراج بخاری نے کیا ہے حسب ذیل ہے:۔

اخرج البخاری عن مالک بن اوس بن الحدثان النصری ان عمر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶)

پھر عمر علی، و عباس کی طرف مخاطب ہوئے اور ان سے بقسم اس حدیث کے متعلق پوچھا انھوں نے بھی اقرار کیا ـــــ اللہ اللہ ــ چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

اب بحث یہ ہے کہ مالک بن اوس بن حدثان، آیا اسوقت بحیثیت صحابی رسول موجود بھی تھے، مسلمان بھی تھے، اور انھیں صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا یا نہیں اور وہ ان وجوہ سے اس قابل بھی ہو سکتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خبر واحد کے لئے ثانی اثنین" بنیں ۔؟ یہ مطلب اسوقت واضح ہو جائیگا، جب کتب رجال میں مالک بن اوس پر نظر ڈالی جائے اسوقت" اصابہ و استیعاب" علمائے ثقات اسلام کے نزدیک بہت موثق ہیں، میں انھیں کتابوں سے مالک بن اوس کو جانچنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ صاحب اصابہ حرف المیم قسم اول صفحہ ۳۳۹ جلد سوم مطبوعہ مصر میں رقمطراز ہیں:۔

مالك بن اوس بن الحدثان بن عوف النصرى يكنى اباسعيد قال ابو عمر زعم احمد بن صالح المصرى ان له صحبة......... وذكره ابن البرقى فى باب من ادرك النبى صلى الله عليه والہ وسلم وراٰه ولم يحفظ عنه شيئًا وذكره الضا فى الطبقة الاولى من التابعين وقال كان قديما لكنه تاخر اسلامه ولم يبلغنا ان له روية ولا رواية وقال البخارى وابو حاتم الرازى وابن حبان لا تصح له صحبة......... وقال ابن حبان من زعم ان له صحبة فقد وهم......... وقال البغوى يقال انه راى النبى وقال يحيى بن معين ليست له صحبة......... وقال ابن مندة ذكره ابن خزيمة فى الصحابة ولا يثبت ثم اخرج من طريقه عن حسين بن عيسى عن ابى ضمرة عن سلمة بن وردان عن مالك بن اوس انه كان مع النبى قال ابن مندة هذه وهم والصواب عن انس بن مالك ـ

قال ابو عمر رضى الله عنه لا اعرف له خبرا فى صحبة اكثر مما ذكرت ولا اعلم له رواية عن النبى......... وتوفى مالك بن اوس بن الحدثان بالمدينة

سنة اثنتين وتسعين وهو ابن اربع وتسعين۔

(استیعاب برحاشیہ اصابہ طبع مصر جلد سوم صفحہ ۳۹۳)

مالک بن اوس بن حدثان بن عوف نضری جن کی کنیت ابوسعید ہے، ابوعمر نے بیان کیا کہ احمد بن صالح مصری کو یہ گمان تھا کہ یہ شخص صحابی رسول ہے (صرف گمان تھا) ابن برقی نے جہاں ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جنھوں نے رسول کو پالیا تھا اور دیکھا تھا مگر وہ صحابہ نہ تھے اور نہ انھوں نے رسول سے کوئی روایت کی تھی، وہاں مالک بن اوس کو بھی لکھا ہے اور ان کا شمار بھی اسی فہرست میں کیا ہے (معلوم ہوا کہ رسول سے کوئی حدیث مالک بن اوس نے نہیں روایت کی) اور یہی انکا شمار صحابہ نہیں بلکہ تابعین کے طبقہ اولیٰ میں کیا ہے اور کہا ہے اگرچہ یہ پرانے تھے مگر بہت بعد میں اسلام لائے اور ہمیں اس امر کی کوئی خبر نہیں پہونچی کہ مالک بن اوس نے رسول کی زیارت کی ہو یا ان سے کوئی

سے سب منکر ہیں، خود ان کے اسلام ہی میں جھگڑا ہے، چہ جائیکہ صحبت اور قول صحیح یہ ہے کہ بہت بعد کو اسلام لائے۔

ابن برقی ابوحاتم رازی ابن حبان یحییٰ بن معین، ابن مندہ، ابوعمر اور بخاری وغیرہ اجلۂ علمائے ثقات نے ان کی صحابی ہونے سے صاف انکار کیا ہے۔ اور انھیں بخاری نے اس روایت کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اوپر گذری اور جس کے راوی مالک بن اوس حضرت عمر سے ہیں، "فیاللعجب"

بہرحال یہ مطلب تو یقینی ہے کہ حضرت ابوبکر کے سوا کوئی صحابی حدیث توریث کا راوی نہیں اور مالک بن اوس کی تائید میرے بیان مذکور سے باین اعتبار کہ وہ صحابی رسول تھے اور انھوں نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی غلط ثابت ہوئی اور ایسی صاف کہ جسکے وضوح میں کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷)

روایت ہی کی ہو اور حدیث بیان کی ہو — بخاری اور ابوحاتم رازی اور ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ خبر صحیح نہیں کہ مالک بن اوس صحابی تھے۔ ابن حبان نے یہ بھی کہا ہے کہ جسنے مالک بن اوس کو صحابہ میں شمار کیا اس کو وہم ہوگیا ہے — بغوی نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ مالک نے رسول کو دیکھا (یقینی نہیں) یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ صحابی نہ تھے اور نہ اسکے لئے صحبت رسول ثابت ہے۔ ابن مندہ کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے انکو صحابہ میں شمار کیا ہے مگر یہ ثابت نہیں۔ پھر انھوں نے اخراج روایت اسکے طریقہ سے یوں کیا ہے کہ حسین بن عیسیٰ نے ابی حمزہ سے انھوں نے سلمہ بن وردان سے انھوں نے مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ مالک رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ ابن مندہ کہتے ہیں کہ یہ بیان مع اس سلسلہ روایت کے وہم ہی وہم ہے اور بالکل غلط ہے، درست یہ ہے کہ اس جگہ انس بن مالک کا نام ہے (ترجمہ عبارت استیعاب) ابوعمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس سے زیادہ کوئی خبر ان کے صحبت کے متعلق نہیں ملی۔ اور نہ میں یہی جانتا ہوں کہ مالک بن اوس نے کوئی روایت رسول سے کی ہو (سلمہ بن وردان اور زمعہ بن صالح کی بنا پر قول صحبت اختیار کیا گیا ہے سو دونوں مجروح کر دیئے گئے ہیں، اول الذکر کی وہمیت کو ابن مندہ نے بیان کیا اور آخر الذکر کے قول کو خود لفظ "زعم" نے مجروح کیا) مالک ابن اوس سنہ ۹۲ھ میں مرے اور کہا گیا ہے کہ سنہ ۵۲ھ (یہ قول خود "قیل" کیوجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا قول اول صحیح ہے) انکی عمر چورانوے برس کی تھی۔

اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ خود گروہ علمائے ثقات اس بات کا منکر ہے کہ انھوں نے کوئی حدیث یا روایت رسول سے سُنی اور بیان کی ہو اور جو لوگ اس کے خلاف قائل ہوئے ہیں انکو انھیں علما نے وہمی اور غلط گو سمجھا ہے۔ اگر صحبت ان کی مان بھی لی جائے بفرض محال تو روایت کا تو قطعی انکار ہے۔ اور ایک سرے

لَامَلِئُ وَاللّٰهِ بِاِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَيْهِ

اس سے اگر کچھ پوچھا جائے تو بخدا وہ اسکو ٹھیک بتا نہیں سکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸)

اس کے ماسوا صحبت کیونکر ہو سکتی ہے اور ان کا قول قابل قبول کیونکر ہو سکتا ہے۔ جبکہ مالک کی عمر وقت موت ۹۴ برس کی تھی اور ان کو ۹۲ھ میں موت آئی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ہجرت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول کی زندگی میں وہ زندگی جب سے اسلام کی نشو و نما ظاہر بظاہر شروع ہوئی یعنی سال اول ہجرت سے انھوں نے صرف دس گیارہ برس گذارے اس میں سے کم از کم چھ برس عالم نافہمی کے نکال دیے جائیں تو پانچ برس صرف بچتے ہیں اور یہ پانچ برس بھی قابل اعتنا نہیں، اور نہ اس سن کا اسلام بفرض محال اور بقول علمائے گروہ اسلام قابل قبول و اعتماد ہے، لہذا کوئی روایت ان کی کیونکر صحیح اور موثق جانی جا سکتی ہے اور انکی صحبت کہاں تک متیقن مانی جا سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ درحقیقت حدیث توریث باوجود اس کوشش بلیغ اور سعی نامشکور کے بھی "خبر واحد" ہی رہی۔ جس کے راوی و ناقل حضرت ابوبکر اور صرف حضرت ابوبکر ہیں۔

اب زمان عمر بن خطاب یا زمان ابوبکر میں اگر کسی وجہ خاص سے یہ گواہی بزبان مالک ابن اوس دلوائی گئی اور اس طرح کی روایت جس میں تسلیم و رضائے علی علیہ السلام و عباس دکھائی گئی ہو بنائی گئی تو اس سے کسی محکم قلعہ پر کیا گزند پہونچ سکتی ہے، اور امیر المومنین و عباس کا اقرار (خدانخواستہ) کب امر واقع و صحیح جانا جا سکتا ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا ؎ تاریخیں شاہد ہیں، واقعات گواہ ہیں، دنیا جانتی ہے کہ ایسا ہی ہوتا۔ نہ کبھی کوئی آیت حل ہو سکی نہ کبھی کوئی حدیث سمجھی اور سمجھائی جا سکی نہ کبھی کوئی مسئلہ حل کیا جا سکا جب کوئی سوال پوچھا گیا یا تو مشورہ اصحاب سے جواب دیا گیا یا امیر المومنین علیہ السلام کی طرف رجوع کی گئی اور وہ مسئلہ حل ہوا یا پھر اپنی عقل سے کام لیا گیا اور وہاں سوا اپنے اجتہاد کے وہ صحیح ہو یا غلط اور کیا تھا، ایسے واقعات سے کتابیں مملو ہیں اور پتہ چلایا جا سکتا ہے۔

ان باتوں کا احساس خود بھی تھا اور یہی وجہ تھی کہ بھید لینے کے لئے اور اپنے علم و عمل کے جانچنے کے لئے آپ اکثر ان مقامات پر جا کے ٹوہ لیتے تھے جہاں لوگوں کا مجمع ہوا کرتا تھا تاکہ آپ معلوم کر سکیں کہ لوگوں کا آپ کے متعلق کیا خیال ہے، آپ کے اس طریق عمل کو آپ کے پیرووں نے "سیاست" سے تعبیر کیا ہے درحقیقت اسکو سیاست کہا جا سکتا ہے مگر وہ سیاست جو حق کا گلا دبا دے اور اپنا کام بزور و قوت نکالے۔

CamScanner

نہ سکے کہ یہ ہجو کی گئی ہے یا کیا لہذا فیصلہ کیونکر کرتے اور سزا کیونکر دیتے) آپ نے حسان بن ثابت جو خود بھی شاعر تھے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے، کیا واقعاً ہجو ہے؟ جیسا زبرقان کہتا ہے۔ حسان نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ ہجو بھی ہے اور منقصبت بھی۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے شاعر کو تہ خانے میں قید کر دیا اور مدت تک قید رکھا۔ جب عبدالرحمن بن عوف اور زبیر نے اسکی سفارش کی تو چھوڑا مگر اس سے عہد و پیمان لے لیا اور دھمکایا کہ وہ آئندہ کسی کی ہجو نہ کرے۔

حالانکہ خود حسان بن ثابت نے رسولؐ کے سامنے اتنی ہجو ابوسفیان اور ہندکی کی ہے کہ ان کے نقل کا بار بھی شرم کتابت نہیں اٹھا سکتی کیونکہ ایسا فحش کلام ہے کہ الٰہی توبہ جس قصیدہ کی ابتدا حسان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹)

سینکڑوں مرد اور عورتیں آپ کے کوڑے سے روزانہ پیٹی جاتی تھیں، گناہ کیا تھا کچھ نہیں، صرف اتنا کہ ایک مقام پر اجماع کیوں ہوا۔ اس اجتماعی صورت میں بہت سے خوفناک خیالات آپ کے دماغ میں آتے تھے لہذا دفعہ ۱۴۴ ہمیشہ نافذ رہی ورنہ کیا وجہ تھی کہ لوگ یکجا رہنے سے منع کئے جاتے تھے۔ صرف یہی کہ آپ کے متعلق مبادلۂ خیالات نہ ہو سکے اور آپ کے افعال پر نکتہ چینی نہ کیجا سکے اور اکثریت ان خیالات میں غرق نہ ہو سکے کہ اس سے خلافت کے متاثر ہونے کا اندیشہ تھا کسی مسئلہ کا حل کرنا تو درکنار، آپکو ہجو و مدح کا بھی امتیاز نہ ہوتا تھا، آپ کو کنایات و اشارات کے سمجھنے میں ہمیشہ دقت پڑا کرتی تھی جیسا کہ کعب بن سور کے قاضی مقرر کرنے کا واقعہ اسکا شاہد ہے جسکا تذکرہ کیا جا چکا۔ رہ گیا ہجو و مدح کا عدم امتیاز وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

فی الاستیعاب ھجی شاعر الزبرقان بقوله

دع المكارم لا ترحل لبغيتها ؂

واقعد فانك انت الطاعم الكاسی

فشكاه الزبرقان الی عمر فسال عمر حسان بن ثابت عن قوله هذا فقضی لدانه هجوله وضعة منه فالقاه عمر فی المطمورة حتی شفع له عبد الرحمن بن عوف والزبیر فاطلقه بعد ان اخذ علیه العهد واوعدہ ان لا یعود لهجاء احد ابدا (ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۷۳)

استیعاب میں یہ واقعہ ہے کہ زبرقان کی مذمت کسی شاعر نے اس طرح ایک شعر میں کی۔ "بزرگیوں کو چھوڑو اور ان کی طلب میں سفر نہ اختیار کرو (کوشش نہ کرو) اور گھر میں بیٹھ کیونکہ تجھے کھانے اور پہننے کے سوا آتا ہی کیا ہے۔"

زبرقان نے اپنی اس مذمت کی شکایت حضرت عمر سے کی (آپ خود تو یہ سمجھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢٣٠)

بن ثابت نے لعن الاله وزوجها معها (خدا (ہندپر) بھی لعنت کرے اور اسکے شوہر ابوسفیان پر بھی) سے کی ہے، وہ ہجو اور گالیوں سے بھرا ہوا ہے مگر رسالتمآب نے اسکو بُرا نہیں سمجھا۔ برخلاف اسکے حضرت عمر اس معمولی ہجو پر شاعر کو سزا دیتے ہیں حالانکہ اس کو فحش وغیرہ سے کوئی لگاؤ نہیں۔

بات صرف اتنی تھی کہ آپ "سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل" اور "گربہ کشتن روز اول" کا خیال کرتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ ہجو کی عادت ذات گرامی کے عیوب آئندہ نہ ظاہر کرنے لگے اور پوشیدہ ومخفی راز زبان شعر پر نہ آجائیں۔ ورنہ اگر حسان بن ثابت کا فیصلہ نہ ہوتا تو نہ شاعر کو سزا دیجاتی نہ آپ اس قدر برافروختہ ہوتے، کیونکہ ہجو اور مدح کا فرق آپ کی سمجھ سے باہر تھا، ہجو اپنے مقام پر باقی رہتی، اور آپ کو اگر شکایت نہ کیجاتی تو اسکی طرف کوئی اعتنا بھی نہ ہوتی۔

اور یہی حضرت عمر اشعار کے مطلب سمجھنے میں بالکل معذور تھے کیونکہ آپ کو شعر سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ اور آپکی موزونیت طبع یہاں آکے مضمحل ہوجایا کرتی تھی۔ حضرت ابوبکر شعر کہہ لیتے تھے جیساکہ واقعات سے پتہ چلتا ہے مگر حضرت عمر بالکل قدرت نہ رکھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنے بھائی زید بن خطاب کا مرثیہ لکھنے کی حسرت رہی۔ غالباً میت کا مرثیہ کہنا بدعت نہ رہا ہوگا کیونکہ آپ نے اس لئے نہیں کہا کہ مرثیہ بدعت ہے بلکہ اس سبب سے نہ کہہ سکے کہ آپ کو شعر کہنا ہی نہ آتا تھا جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

وقال عمر لمتمم بن نويرة حين انشده مراثيه فى اخيه لو كنت احسن الشعر لقلت فى اخى زيد مثل ما قلت فى اخيك فقال متمم لو ان اخى ذهب على ما ذهب عليه اخوك ما حزنت عليه فقال عمر ما عزانى احد مثل بالحسن مما عزيتنى به (استيعاب جلد اول ص ٢٤٤ طبع مصر برحاشیۂ اصابہ)

مالک بن نویرہ جو باوجود اسلام خالد بن ولید کے حکم سے اہل ردہ میں شمار کیا گیا اور قتل کردیا گیا اور جس کے قتل پر حضرت عمر خالد سے ناراض اور سخت ناراض رہے) جب اس کے بھائی متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی کا مرثیہ حضرت عمر کو سنایا تو آپ متاثر ہوئے اور آپ نے کہا کہ اگر میں شعر اور اچھا شعر کہنا جانتا ہوتا تو میں بھی اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا، متمم نے کہا کہ اگر میرا بھائی یوں قتل ہوتا جیسے تمھارا بھائی قتل ہوا تو میں اس پر رنج بھی نہ کرتا (مگر میرا بھائی تو بے گناہ بری طرح مارا گیا) عمر نے کہا اس سے بہتر تعزیت کسی نے ادا نہیں کی جیساکہ تو نے مجھے یہ کہہ کے تسلی دیدی۔

رہ گئے حضرت عثمان تو انھیں شعر کیا اور نظم کیا نثر میں بھی وقت اور بڑی دقت ہوا کرتی تھی جیساکہ ابوعثمان جاحظ نے اپنی کتاب "بیان وتبین" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ

ما ورد علیہ جو مسئلہ اس سے پوچھا جائے اور جو مسئلہ اس پر وارد کیا جائے اسکا جواب اچھی طرح نہیں دے سکتا اور نہ بتا سکتا ہے، اسی محل اور اسی مقام کے لئے ہے۔

لما ولی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الخلافۃ اتاہ قوم من احبار الیھود فقالوا لہ یا عمر انت ولی الامر بعد محمد وصاحبہ وانا نرید ان نسالک عن خصال ان اخبرتنا بھا علمنا ان الاسلام حق و ان محمدا کان نبیا وان لم تخبرنا بھا علمنا ان الاسلام باطل وان محمد الم یکن نبیا فقال عمر سلوا عما بدا لکم قالوا اخبرنا اقفال السموات ماھی واخبرنا عن مفاتیح السموات ماھی واخبرنا عن قبر سار بصاحبہ ماھو واخبرنا عمن انذر قومہ لا ھو من الجن ولا ھو من الانس واخبرنا عن خمسۃ اشیاء مشوا علی الارض۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱)

منبر پر خطبہ پڑھنے تشریف لے گئے مگر ایک لفظ نہ کہہ سکے اور چپکے اتر آئے۔ صعد عثمان بن عفان المنبر فارتج علیہ فقال ان ابابکر وعمر کانا یعدان لھذا المقام مقالا وانتم الی امام عادل احوج منکم الی امام خطیب۔

(بیان وتبیین صـ۱۲۹ جلد ۲ طبع مصر)

ایکدفعہ عثمان بن عفان منبر پر خطبہ پڑھنے گئے تو کچھ نہ کہہ سکے (بس یہ کہہ کے اتر آئے) کہ لوگو ابوبکر و عمر پہلے سے خطبہ پڑھنے کے لئے تیار ہو کے آیا کرتے تھے اور میری نظر میں تمھاری احتیاج امام عادل کی طرف، بہ نسبت امام خطیب کے زیادہ ہے۔ جب عالم یہ ہو تو کسی مسئلہ کا جواب کیونکر دیا جا سکتا تھا اور کیونکر علمی فیوض پہونچ سکتے تھے، اور چونکہ آپ کے خزانۂ معلومات میں بہت کمی تھی اس لئے آپ دوسروں سے پوچھ پوچھ کے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، معمولی مسائل بھی آپ بغیر دریافت کئے حل نہ کر سکتے تھے، جسکی ہزاروں مثالیں ہیں چنانچہ تفسیر درمنثور ذیل سورۂ نساء پارہ چہارم یہ واقعہ درج ہے اخرج ابن ابی شیبۃ قال قال عمر من یعلم ما یحل المملوک من النساء قال رجل انا امراتین من النساء فسکت ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ عمر نے پوچھا کہ بھائی کوئی جانتا ہے کہ مملوک کے عورتوں سے تزویج کر سکتا ہے، ایک شخص نے کہا کہ دو عورتوں سے تو آپ چپ ہو گئے۔

یونہیں اذینہ عبدی کا وہ واقعہ ہے جسے صاحب ریاض النضرہ نے نقل کیا ہے کہ اذینہ نے جا کے پوچھا کہ یہ تو بتایئے کہ عمرہ کس مقام سے کروں، کہا یہ بات تو علیؑ سے جا کے پوچھو، چنانچہ وہاں جا کے پوچھا اور یہ عقدہ حل ہوا۔

علامہ ثعلبی نے قصص الانبیاء مطبوعہ مصر میں یہ واقعہ درج کیا ہے اور صاحب تشیید المطاعن رحمہ اللہ نے جلد اول صـ۱۰۵ میں اسکو قصص الانبیاء ثعلبی سے نقل فرمایا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کا یہ فقرہ لاملئ واللہ باصدار

(صاف) کہدیں کہ "ہم نہیں جانتے"۔ یہ سننا تھا کہ یہود اچھل پڑے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہ دین اسلام سچا اور نہ محمد خدا کے رسول تھے، جب یہ حالت دیکھی تو جناب سلمان نے یہودیوں سے کہا کہ ذرا ٹھہرو اور آپ حضرت علیؑ کے پاس پہونچے اور عرض کی اے امیر المومنین ابوالحسن اسلام کی مدد فرمائیے، آپ نے پوچھا کچھ کہو تو واقعہ کیا ہے، جناب سلمان نے من وعن کل واقعات بیان کئے۔ امیر المومنین علیہ السلام رسول کی چادر اوڑھے ہوئے جھومتے ہوئے روانہ ہوئے جب عمر نے آپ کو دیکھا تو مارے خوشی کے کھڑے کودنے لگے اور آپ کو فرط مسرت میں گلے لگا لیا اور کہا کہ اے ابوالحسن تمھیں ہر مشکل مسئلہ اور ہر عظیم مصیبت کے وقت پکارے جاتے اور کام آتے ہو ("یا علی مدد" کی تائید حضرت عمر کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے اور یہ پکارنا صحیح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲)

ولم یخلقوا فی الارحام واخبرنا ما یقول الدراج فی صیاحہ وما یقول الدیک فی صراخہ وما یقول الفرس فی صہیلہ وما یقول الضفدع فی نعیقہ وما یقول الحمار فی نہیقہ وما یقول القبرۃ فی صفیرہ قال فنکس عمر راسہ فی الارض ثم قال لا عیب بعمر اذا سئل عما لا یعلم ان یقول لا اعلم فوثبت الیہود وقالوا نشہد ان محمد الم یکن نبیا وان الاسلام باطل فوثب سلمان الفارسی وقال للیہود قفوا قلیلا ثم توجہ نحو علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ حتی دخل علیہ فقال یا ابا الحسن اغث الاسلام فقال ما ذاک فاخبرہ الخبر فاقبل یرفل فی بردۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما نظر الیہ عمر وثب قائما فاعتنقہ وقال یا ابا الحسن انت لکل معضلۃ وشدۃ تدعی الخ

"جب امیر المومنین عمر بن خطاب مسند خلافت پر بیٹھے تو علمائے یہود کا ایک گروہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم خلیفۂ رسول بعد رسول ہو، ہم تم سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں اگر تم نے ان سوالوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دیدیا تو ہم پیغمبر خدا کو برحق اور دین اسلام کو سچا سمجھینگے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم سمجھ لیں گے کہ دین اسلام باطل ہے اور محمد رسول خدا نہ تھے" عمر نے کہا جو دل چاہے پوچھو، انھوں نے کہا بتاؤ۔ آسمانوں کے قفل کیا ہیں اور انکی کنجیاں کیا ہیں اور وہ قبر کون سی ہے جو اپنے مدفون کو لیکے چلا پھرا کی، اور وہ کون اپنے قوم کا ڈرانے والا ہے جو نہ انسانوں میں ہے نہ جنوں میں۔ اور وہ پانچ چیزیں کون، کون ہیں جو زمین پر چلیں مگر انکی خلقت رحم مادر میں نہیں ہوئی یہ بتاؤ کہ تیتر، مرغ، گھوڑا، مینڈک، گدھا اور چنڈول اپنی اپنی بولیوں میں کیا کہتے ہیں"؟ یہ سنکر حضرت عمر نے اپنا سر زمین کی طرف جھکا یا پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ اسمیں تو کوئی عیب نہیں کہ اگر عمر سے وہ باتیں پوچھی جائیں جو وہ نہیں جانتے تو وہ

وَلَا هُوَ اَهْلٌ لِمَا فُوِّضَ اِلَيْهِ

اور نہ وہ اس عہدے کے قابل[۵] ہے جو اُسے سپرد کیا گیا ہے (منصب خلافت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳)

(امیر المومنین) علی (علیہ السلام) نے ان کے سوالات سنے اور ایک ایک کا جواب دینا شروع کیا۔ اور ان سے یہ عہد لے لیا کہ اگر میں تمہارے سوالات کے جوابات تمہاری آسمانی کتاب توریت کے مطابق دوں تو تمہیں دین اسلام قبول کرنا پڑے گا۔

فرمایا کہ آسمانوں کا قفل، شرک باللہ ہے کیونکہ اگر مرد و عورت مشرک ہیں تو کوئی عمل بلند نہیں ہوتا۔ اور کنجی شہادت، توحید و نبوت ہے" اور وہ قبر جو اپنے صاحب کو لے کے پھرتی رہی وہ یونس کی مچھلی ہے جو سات دریاؤں میں پھری، اور وہ نذیر قوم جو نہ انس میں ہے نہ جن میں وہ سلیمان کی چیونٹی ہے جس نے بعض قرآن اپنی قوم کو یہ کہہ کے ڈرایا تھا۔ یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنودہ وھم لا یشعرون، (اپنے اپنے مسکنوں میں (اے چیونٹیو) چلی جاؤ۔ کہیں سلیمان یا انکا لشکر بے جانے ہوئے تمہیں پیس نہ ڈالے اور کچل نہ دے)

اور وہ پانچ چیزیں جو زمین پر چلیں اور شکم مادر میں نہ تھیں وہ آدم، حوا، ناقہ صالح۔ دنبہ ابراہیم اور عصائے موسیٰ ہے۔

اس کے بعد آپ نے ان کے اور سوالوں کا جواب دیا پھر انھوں نے قصۂ اصحاب کہف اور ان کے نام پوچھے آپ نے وہ بھی بتائے۔ یہ تمام باتیں ایک طویل عبارت کے ساتھ علامہ ثعلبی نے قصص الانبیا میں لکھی ہیں اور صاحب تشیید المطاعن نے نقل فرمائی ہیں، بخوف طول تفصیل کو ترک کرتا ہوں۔

اس بات سے یہ معلوم ہوگیا کہ جس منصب پر قبضہ تھا وہ منصب ان کے سوا کوئی دوسرا

آدمی چاہتا تھا اور اس مسند کو وہ سپرے قدم در کار رکھتے۔ اسی لئے آپ نے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے ولاھو اھل لما فوض الیہ اسے جو عہدہ دیا گیا ہے وہ اسکی اہلیت نہیں رکھتا نہ اسکا اہل ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا

[۵] ۔ وہ اس عہدہ کا اہل نہیں جو اُسے سپرد کیا گیا ہے۔ محمد ابن عبدہ شارح نہج حاشیہ میں لکھتے ہیں ورویٰ ابن قتیبۃ بعد قولہ لا ملی باصدار ما ورد علیہ ولا اھل لما قرظ بہ۔ بدل ولا ھو اھل لما فوض الیہ ابن قتیبہ نے بجائے ولا ھو اھل لما فوض الیہ کے ولا ھو اھل لما قرظ بہ لکھا ہے یعنی جو مدح اس شخص کی کیجاتی ہے وہ اسکا اہل نہیں۔ اگرچہ مقامات مدح تاریخی واقعات پر منطبق نہیں ہوتے اور مقام مدح میں صفر نظر آتا ہے پھر بھی مریدوں کی آوازیں بنائے مدح میں فلک فرسا نظر آتی ہیں مگر واقعات کو دیکھتے ہوئے حالات کو جانچتے ہوئے، مبلغ علم کو پہچانتے ہوئے نہ وہ شخص مدح کے قابل ہے اور نہ اسکا اہل ہے۔

لَا يُحْسَبُ الْعِلْمُ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا أَنْكَرَهُ

(دیباان پڑھ) کو اسے وہم بھی نہیں کہ جس چیز سے وہ انکار کر رہا ہو درحقیقت علم اسی میں منحصر ہے

ف جس چیز سے انکار کیا گیا، درحقیقت علم اسی میں اور اسی کے بیان میں منحصر تھا۔ خود دہن مبارک کا نکلا ہوا فقرہ بتاتا ہے کہ بولنے والا کوئی دو چیزیں ہیں جن میں سے ایک کو اختیار کر رہا ہے اور دوسرے کا انکار کر رہا ہے "حسبنا کتاب اللہ" اسی اقرار و انکار پر مشتمل ہے، اور جس چیز کا انکار کیا گیا علم کا انحصار وہیں تھا، اسکی صداقت عہد خلافت میں روشن ہوجاتی ہے کیونکہ تمام وہ قضایا جو حل کے حل نہ ہوتے تھے وہ اسی گھرانے سے فیصل ہوتے تھے۔ جس گھرانے کا انکار کیا گیا، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ثقلین جو متفق علیہ ہے، اسمیں دو ہی چیزیں ہیں ایک کتاب خدا اور دوسری عترت اور انھیں دونوں چیزوں کو بار بار چاہتے تھے کہ نوشتہ کی حیثیت سے بھی لکھ جاؤں تاکہ قول، فعل سے مؤید ہوکر مضبوط ہوجائے۔ گر "حسبنا کتاب اللہ" (ہمیں صرف کتاب خدا کافی ہے۔) نے پیغمبر کو مراد دل لکھنے نہ دی اور اُمّت ضلالت کے راستہ پر گامزن ہوگئی اور رہیگی۔

پھر کاش "حسبنا کتاب اللہ" ہی پر عمل ہوتا۔ سو وہ بھی نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ قرآن کے معانی و مفہوم سے ناواقفیت رہی اور اجتہادی قوت نے یہ حکم دیدیا کہ قرآن سے جو سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو باقی تکلفات کو چھوڑو "جیسے لفظ "ابّا" کے متعلق اوپر بیان کیا جاچکا ہے جیسے "دعوا الربوا والربیہ" ربوٰ (ربا) اور ربیہ کو چھوڑو اسے پیغمبر نے اچھی طرح بیان ہی نہیں کیا، جیسا صاحب ازالۃ الخفا نے مقصد دوم صت۱ پر لکھا ہے اور فصل ششم مقصد اول میں یہ عبارت بھی لکھی ہے واخرج البخاری ومسلم عن عمر قال ثلث وددت ان رسول اللہ کان

عہد الینا فیھن عہدا انتھی الیہ الجد والکلالۃ وابواب من ابواب الربا۔ بخاری ومسلم نے اس روایت کا اخراج حضرت عمر سے کیا ہے وہ فرماتے تھے تین باتوں کے متعلق میں چاہتا تھا کہ کاش رسول اللہ مجھ سے بیان فرما دیتے اور اسکی تفسیر فرما دیتے (کیونکہ یہ مسائل کچھ سمجھ ہی میں نہ آئے) میراث جد و کلالہ اور ابواب ربا خیر ربا کے متعلق آپ کو علم نہ تھا اسکی وجہ تو آپنے خود بیان کردی ہے جیسا کہ کنز العمال باب چہارم کتاب البیع فی الربا میں مندرج ہے عن عمر ان اخر ما نزل من القرآن اٰیۃ الربا وان رسول اللہ قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربا والریبۃ ...... عن ابی سعید الخدری قال خطبنا عمر بن الخطاب فقال انی لعلی انھاکم عن اشیاء تصلح لکم وامرکم باشیاء لا تصلح لکم وان من اخر القرآن نزولا اٰیۃ الربا وانہ قد مات رسول اللہ ولم یبینھا لنا فدعوا ما یریبکم الی ما لا یریبکم

ان لوگوں کیطرف نہ کرنا کیا اسکے معنے یہ نہیں کہ نیابت رسول ادھر منتقل ہونے والی نہیں ورنہ علم رسول بھی ادھر منتقل کیا جاتا مگر وہ اسلام ایت "اکملت لکم دینکم" کو دیکھ کے اس امر کا معتقد ہے کہ اکمال دین ہوگیا اور تکمیل دین میں کوئی دقیقہ پیغمبر نے فروگذاشت نہیں کیا اور حضرت عمر اس بات کے قائل ہیں کہ مسئلہ ربا مسئلہ میراث جد مسئلہ کلالہ جو معمولی مسائل ہیں انھیں کو پیغمبر نے نہیں بیان کیا جب فروع میں یہ نقص ہو تو اصول کو کیا کہا جا سکتا ہے اور ادعائے تکمیل دین کیونکر کیا جا سکتا ہے جس چیز کو رسول اللہ امت میں چھوڑ گئے تھے اور جسے ہادی مقرر کر گئے تھے وہ قرآن وعترت میں منحصر تھی، آپ جانتے تھے کہ قرآن کے معنے ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آئینگے جنھیں علم سے لگاؤ نہیں لہذا ایسے لوگوں کو ضرورت پڑیگی جو قرآن کے معنی سمجھائیں کیونکہ دار و مدار اسلام کتاب خدا پر ہے۔ اور یوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

عمر نے بیان کیا کہ آخر آیت جو نازل ہوئی وہ آیت ربا تھی اور رسول اللہ نے بغیر اس آیت کی تفسیر بیان کئے ہوئے انتقال فرمایا لہذا اسے چھوڑ دو (اور اسکی تفسیر و تحقیق میں نہ پڑو) ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ بیان فرمایا اور کہا شاید میں تم لوگوں کو کچھ ایسی باتوں سے روکوں جو تمھارے لئے مفید ہوں اور کچھ ایسی باتوں کا حکم کروں جو تمھارے لئے غیر مفید ہوں اور آیت ربا سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ نے ہم سے اس کی تفسیر بیان نہیں کی اور انکا انتقال ہوگیا، لہذا اس چیز کو چھوڑ دو جو تمھیں شک میں ڈالے رہے اور اُسے اختیار کرو جو تمھیں شک میں نہ رکھے۔

مانا کہ اس آیت کی تفسیر اور ربا کی توضیح بسبب موت، رسالتمآب نہ فرما سکے تھے جیسے کہ حضرت عمر کا خیال ہے تو "جد و کلالہ" کی آیات تو آخر میں نہیں نازل ہوئے تھے۔ اس کے متعلق کیوں نہ رسالتمآب نے بیان فرمایا اور کیوں نہ حضرت عمر نے پوچھا پوچھا تو تھا اور اتنا پوچھا کہ جسکی کوئی حد نہیں مگر آخر پیغمبر کو نہ بتانا تھا نہ بتایا اور آختک حضرت عمر کے دل میں یہ حسرت باقی رہ گئی کہ کاش بتا جاتے۔

اگر حضرت عمر کو کسی مصلحت سے نہ بتایا تھا تو یہ معلوم ہے کہ بغیر بتائے ہوئے رحلت نہیں فرمائی اور جس کو اسکا اہل سمجھتے تھے اسکو بتا کے گئے، جسکو ان باتوں کا اہل نہیں جانتے تھے اس سے چھپا کے گئے۔

یہیں سے یہ بات روشن ہے کہ اگر خلافت الٰہیہ اس ذات کے لئے ہوتی تو احکام الٰہی کا ہر ذرہ رسول بحکم الٰہی اس ذات کو بتا کے جاتا کیونکہ گمراہی امت مقصود نہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ ہدایت اُمت کیلئے رسول مبعوث کیا گیا، پھر ہزاروں مسائل شرعیہ اور احکام شرعیہ اور آیات قرآنیہ سے ناواقف رہنا اور رسول کا اپنی زندگی میں کوئی خاص اعتنا

CamScanner

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶)

اہلبیت قرآن سے اور قرآن اہلبیت سے وابستہ ہونگے اور دنیاے اسلام رسول کی ڈیوڑھی پر کشکول احتیاج لئے ہوئے کھڑی ہوگی، یہی بات خدا کو بھی منظور تھی جبھی تو اس نے قرآن میں محکم ومتشابہ منصوص ناسخ منسوخ ہر طرح کی آیات اُتار دیے اور قرآن مجید کو اس طرح تصریحاً نہیں اُتارا کہ ہر شخص اسکے سمجھنے کا مدعی ہوسکے۔ پھر خدا معلوم "حسبنا کتاب اللہ" کون سا عقدہ آجتک حل کرسکا۔ جب الفاظ کے معنے بھی نہ معلوم ہوسکے اور ہزاروں الفاظ قرآنی سمجھ میں نہ آسکے۔

رسالت ہو یا امامت، وصایت ہو یا خلافت اسکا کام تبلیغ احکام خدا ہی تو تھا اور احکام خدا کا ماخذ قرآن ہی تو ہے۔ پھر دنیا بتائے کہ جب قرآن کے الفاظ کے معنی نہ معلوم ہوسکیں، احکام قرآنی کا علم نہ ہو، مسائل الٰہیہ کے معنوں سے بیخبری ہو تو تبلیغ احکام الٰہی کیا خاک ہوگی۔ یہ تو الفاظ میں بحث ہے۔ اور پھر جب یہ ہو کہ ظاہر قرآن کچھ بتاتا ہو، باطن کچھ، محکم کچھ معنی ہوں متشابہ سے کچھ مراد ہو تو کیا کہا جائے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن کے آیات بالکل صاف ہیں اور اسکے معنوں میں کوئی الجھاؤ نہیں تو میں عرض کرونگا کہ جا ہے یہ خیال اب پیدا ہوگیا ہو۔ جب مفسرین نے پڑھ لکھ کے جو کچھ بھی انکے سمجھ میں آیا تفسیریں لکھ دیں اگرچہ ایک دوسرے سے اکثر مقامات پر متعارض ہے، مگر اسلامی سرحد پر جب نگاہ پڑتی ہے اور خلافت کے کنگرہ پر جب نظر جاتی ہے تو وہاں قرآن کے معنوں کی روشنی کی تلاش ہوتی ہے اور جب معانی قرآن کے جلوے نظر ہی نہیں آتے اور کوشش رائگاں ہوتی ہے تو پھر یہ حکم ہوتا ہے کہ قرآن سے جو سمجھ میں آئے اُسے لو اور جو نہ سمجھ میں آئے اُسے چھوڑو یہ تکلفات کیسے۔

جیسا کہ مختلف کتب حدیث وتفاسیر میں اسکا تذکرہ ہے چنانچہ ابن حجر نے کتاب فتح الباری

جو صیقل صحیح بخاری ہے اس کے کتاب الاعتصام میں اُس باب میں جہاں اجر حاکم کا ذکر کیا ہے اور اُسکی کوشش اجتہادی کا خواہ وہ اس کوشش میں ٹھیک راستہ پر ہو یا خطا کرے) اس باب میں ایک طویل روایت مختلف اسناد اور سلسلہ رواۃ کے ساتھ لکھی ہے جسکے اندر متعدد روایات ایک ہی مطلب کی حامل ہیں اور وہ یہ کہ حضرت عمر کو "ابا" کے معنے نہ معلوم تھے، کوئی پوچھے کہ یہ آیت تو آخری نہ تھی جیسا کہ آیت ربا کے متعلق خیال ہے پھر اسکو رسول سے کیوں نہ پوچھ لیا تھا۔

آپ اس لفظ کے معنی کو اکثر سوچا کرتے تھے اور دماغ پر زور دیا کرتے تھے مگر نہ یہ گتھی حل ہوتی تھی نہ معنے لفظ آیت سمجھ میں آتے تھے، یہانتک کہ آپ کو غصہ آجاتا تھا اور جھلا کے قرآن کے خلاف اپنی رائے دیدینے میں بلکہ حکم نافذ کرنے میں کوئی پس وپیش نہ کرتے تھے۔ ابن حجر کتاب فتح الباری میں باب مذکور میں رقمطراز ہیں۔

عن عبد الرحمن بن یزید
ان رجلا سال عمر عن فاکهة
وابا فلما راهم عمر یقولون
اقبل علیهم بالدرة عبد الرحمن
ابن یزید سے بسلسلہ مذکور روایت
ہے کہ حضرت عمر سے لوگوں نے فاکہہ
اور اباً کے معنی پوچھے تو آپ کوڑا
لیکے مارنے کیلئے اٹھے۔ ان واقعات
سے معلوم ہوا کہ انکا دعویٰ حسبنا
کتاب اللہ صرف زبانی اور صرف زبانی
تھا، اور مصلحت وقتیہ نے سیاست
کے پردے میں اپنا کام کیا تھا ورنہ
درحقیقت جن آیات والفاظ قرآنی
سے متعلق صرف یہ سمجھے کہ وہ سمجھ میں
نہیں آتی تھیں، عام لوگوں کو
یہ حکم دیدیا گیا تھا کہ قرآن سے جو کچھ سمجھ
میں آئے اسے لو باقی کو چھوڑ دو علم
انھیں سمجھ نہیں آتی چیزوں میں منحصر
تھا جس سے انکار کیا گیا اللہ امیر المومنین
علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں بھی
خصوصی اشارہ فرمایا ہے جو عام حیثیت سے
الگ ہے مخصوص درجہ رکھتا اور خاص حیثیت رکھتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷)

واخرج عبد بن حمید الضیا من طریق صالح بن کیسان عن الزهری عن انس انه اخبره انه سمع عمر یقول انبتنا فیها حبا وعنبا الایة الی قوله ابا قال کل هذا قد عرفناه فما الاب ثم رمی عصا کانت فی یده فقال هذا العمر والله التکلف اتبعوا ما بتین لکم من هذا الکتاب۔

بسلسلہ مذکور راوی کہتا ہے کہ اس نے عمر کو یہ آیت "انبتنا فیها حبا وعنبا الی قوله وابا" پڑھتے ہوئے سنا اور پھر یہ کہتے ہوئے سنا کہ حب (دانہ) اور "عنب" (انگور) تو ہم سمجھ گئے اور ان دونوں کو پہچانتے بھی ہیں یہ "ابا" کیا ہے۔ آخر اس سوچ بچار میں دماغ پر وہ اثر پڑا کہ آپ کو غصہ آگیا اور جھلا کے وہ لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی پھینک دی اور کہا کہ یہ عمر کے لئے تکلف و تکلیف ہی ہے۔ اسکے بعد حکم دیا کہ دیکھو جی جو کچھ قرآن سے صاف صاف سمجھ میں آوے بس اس کی پیروی کرو۔

واخرجه الطبری من وجهین آخرین عن الزهری وقال فی اخره اتبعوا ما بتین لکم فی هذا الکتاب وفی لفظ ما بین لکم فعلیکم والا فدعوه۔

طبری نے اس روایت کو دو طرح سے اور بیان کیا ہے، ایک میں تو یہ حکم حضرت عمر کا ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کتاب (قرآن) میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور دوسری میں یہ ہے کہ کھلی ہوئی باتوں اور احکام قرآنی پر عمل کرو اور جو سمجھ میں نہ آتا ہو اسے ہٹاؤ۔

اس لفظ "اب" سے آپ ایسا دق ہوئے کہ پہلے تو اس کوفت سے کہ اسکے معنی کیا ہیں خود اپنے ہی اوپر غصہ کر لیتے تھے، جس کی تھوڑی سی جھلک قرآن پر بھی پڑتی تھی۔ مگر آخر میں یہ نوبت پہونچی کہ اگر کوئی پوچھتا تھا کہ "اب" اور "ابا" کے کیا معنے ہیں تو اسے مارتے تھے۔ چنانچہ اسی ذیل روایت مذکورہ میں ابن حجر نے یہ روایت بھی لکھدی ہے۔

وَلَا يَرَىٰ اَنَّ مِنْ وَرَاءِ

(اور نہ یہ جانتا ہے) کہ جہانتک اسکے ذہن کی رسائی ہوئی اسکے ماسوا بھی دوسروں

مَا بَلَغَ مَذْهَبًا لِغَيْرِهٖ

کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ہے۔

وَاِنْ اَظْلَمَ اَمْرٌ اِكْتَتَمَ بِهٖ

جب کوئی بات اسکے سمجھ میں نہیں آتی تو اسے دوسروں[1] سے چھپائے رکھتا ہے

(کہ اسکے علم کا بھرم نہ کھلے اور اس کی جہالت نہ ظاہر ہو)

[1] "اپنے جہل کو چھپانا چاہتا ہے" کبھی دوسروں سے استشارہ کرتے ہوئے اور یوں کہ ہمیں تو معلوم ہی ہے تمہارا کیا خیال ہے یہ انخا عمل میں آیا اور کبھی خاص باتوں میں لاعلمی کا اقرار کر لینے سے اس جہل پر صداقت ظاہری کا پردہ پڑا اور کبھی حدود شرعیہ کو معطل کر کے اور عفو قہری کو کام میں لا کے راز لاعلمی چھپایا گیا" اور کبھی استطرادا سوالات کر کے اور یوں کہ یہ نہ معلوم ہو کہ ہم جاہل ہیں یہ مطلب نکالا گیا، غرضکہ مختلف عنوانات تھے جو حسب وقت حسب مصلحت کام دیجاتے۔

روایت ذیل سے آپکے معلومات اور آپکے طریقہ عفو کی لم سمجھ میں آسکتی ہے چنانچہ صاحب ازالۃ الخفا مقصد دوم ص۷۷ پر ریاست عمر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

روی عن عمر کان یعس بالمدینۃ اللیل فسمع صوت رجل فی بیت یتغنی فتسوّر علیہ فوجد رجلا عندہ امراۃ وخمر فقال یا عدو اللہ اظننت ان اللہ تعالیٰ یسترك وانت علی معصیتہ فقال وانت یا امیر المومنین فلا تعجل ان اکن عصیت اللہ فی واحدۃ فانت عصیتہ فی ثلاث قال اللہ تعالیٰ ولا تجسّسوا وقد تجسّست و قال تعالیٰ ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظهورها وقد تسورت علی وقال تعالیٰ ولا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم وقد دخلت بیتی بغیر اذن و سلام فقال عمر هل عندکم من خیر ان عفوت عنك قال نعم یا امیر المومنین لئن عفوت عنی لا

اعود لمثلها ابدا فعفا عنہ۔ حضرت عمر شب کو مدینہ میں خبر اہل شہر کے لئے گشت لگایا کرتے تھے، ایک رات ایک گھر سے ایک آواز گانے کی سنی، آپ اس گھر کی دیوار پھاند گئے اور اوپر جا کے دیکھا کہ ایک مرد کے پاس ایک عورت ہے اور شراب بھی رکھی ہوئی ہے، یہ دیکھ کے آپنے فرمایا۔ کیوں دشمن خدا کیا تو سمجھتا ہے کہ تو خدا کی معصیت کریگا اور خدا اسے پوشیدہ رکھیگا (یہ شخص بھی بڑا جیالا تھا) اس نے فوراً جواب میں کہا اور اپنی خبر لیجیے آپ بھی تو اللہ کی معصیت میں مبتلا ہیں، ذرا ٹھہریئے دیکھیے اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے اللہ کے تین گناہ ایکساتھ کیے ہیں۔

پہلا گناہ تو یہ کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ کسی کی کھوج نہ کیا کرو اور آپ نے میری کھوج کی اور تجسس کیا، دوسرا گناہ یہ ہے کہ خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ گھروں میں پشت خانہ سے نہ داخل ہو اور آپنے ایسا ہی کیا اور دیوار پھاند کے تشریف لائے۔ تیسرا گناہ یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے گھروں کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں نہ داخل ہو اور آپ میرے گھر میں بغیر اجازت اور بغیر سلام چلے آئے۔

(اب تو حضرت عمر کے پاس کوئی جواب نہ تھا بجز اسکے کہ چپکے واپس جائیں اور یہ لاعلمی آپ کی پوشیدہ رہے) لہذا آپ نے اس شخص سے کہا کہ بھائی تم کوئی اچھائی کر سکتے ہو اگر میں تمھیں معاف کر دوں، اس نے کہا ہاں اب ایسا نہ کرونگا۔ لہذا عمر نے معاف کر دیا۔ چند باتیں اس روایت میں قابل غور و نظر ہیں۔ ایک تو یہ کہ غالباً "گانا" اسوقت بھی خلاف شعار اور حکم اسلامی تھا، اور حضرت عمر ان تمام آیات قرآنی اور حکم ربانی سے خالی الذہن تھے جنکا اظہار اس شخص نے کیا اور جس سے حضرت عمر

لِمَا یَعْلَمُ مِنْ جَہْلِ نَفْسِہٖ

کیونکہ وہ اپنی جہالت سے بخوبی واقف ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۹)

بھی متنبہ ہوئے، تیسرے یہ کہ آپ نے باوجود اس کے کہ حالت معصیت میں دیکھا تھا کوئی حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گواہوں کی ضرورت تھی اور حضرت عمر تنہا تھے۔ مگر یہ خیال تو کیا ہی جا سکتا ہے کہ پھر شہر کے گشت لگانے سے نتیجہ؟ کیونکہ آپ ہمیشہ تنہا ہی شہر کی گشت لگایا کرتے تھے۔ اگرچہ اکثر اوقات آپکے ساتھ دو ایک لوگ بھی ہوا کرتے تھے، اس کے ماسوا خود بھی آپ اس مسئلہ میں متردد تھے کہ جب آپ خود معصیت کو اپنی آنکھ سے بحیثیت امام دیکھ لیتے ہیں تو اب گواہوں کی ضرورت کیوں ہو، جیسا کہ ایک جگہ تفصیلاً لکھا جا چکا۔

چوتھے یہ کہ ھل عندکم من خیران عفوت عنک کیا تیرے پاس کوئی نیکی (میرے لئے) ہے اگر میں عفو کردوں، اس سے مطلب حضرت عمر کا یہی تھا کہ تم میرے اس عدم علم کو چھپائے رکھنا اور ظاہر نہ کرنا جیسا کہ سیاق عبارت بتاتا ہے نہ وہ مراد ہے جو روایت میں ذیل کی حیثیت سے بیان کیا گیا، کہ اس شخص نے کہا اب ایسا نہ کرونگا۔ تو آپ نے معاف کر دیا۔

آپ کا استفہام بتاتا ہے کہ آپ اپنی عدم علم سے شرمندہ اور اس سے مجبور تھے آپ مغلوب تھے اور وہ غالب تھا اور اگر ایسا نہ تھا تو اُسکے جاجت، سماجت سے کام لینا چاہئے تھا اور جب وہ معافی مانگتا تو آپ یہ کہتے کہ اچھا آج تو میں معاف کئے دیتا ہوں مگر آئندہ سے ایسا نہ کرنا۔ برخلاف اس کے اس سے عفو کی خواستگاری اور نیکی کی اُمید کا سوال کرتے ہیں اور جب وہ اقرار کرتا ہے تو آپ معاف کرتے ہیں۔ اور اس معاف کرنے کی تاویل بالفاظ مذکورہ کیجاتی ہے جو کسی طرح لایق مقام نہیں۔ جیسا کہ ارباب بصیرت سے مخفی نہیں۔

اس واقعہ کو بہت سے علماء نے لکھا ہے۔ منجملہ اُن کے غزالی، ابو طالب مکی،

خرائطی، ابو الشیخ، محب طبری، محمد بن احمد خطیب، سیوطی، ملا علی متقی اور ولی اللہ ہیں۔ مستطرف میں جہاں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے وہاں عنوان دوسرا ہے۔ اور اس میں یہ ہے کہ مجرم نے کہا کہ اے امیر المومنین میرا ایک گناہ آپ کے تین گناہوں کے مقابلہ میں ہے ہلا جانے دیجئے" چنانچہ عمر نے جانے دیا یہ تجسس نہ معلوم کس بنا پر تھا حالانکہ دمیری نے حیوۃ الحیوان جلد ا طبع مصر کے صـ۶۵ پر لکھا ہے کہ:- التجسس من شعب النفاق کما ان حسن الظن من شعب الایمان۔ تجسس کرنا اسی طرح سے علامت نفاق ہے جیسے حسن ظن علامت ایمان ہے،

تَصْرُخُ مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ الدِّمَاءُ

اسکے (غلط) ظالمانہ اور ناحق فیصلوں سے خون ناحق فریادی ہیں

سلہ ۔ خون ناحق فریادی ہے اور میراثیں لرزتی ۔ مالک بن نویرہ کا قتل، باوجود اس کے کہ وہ مسلمان تھا اور فجارۃ سلمی کا آگ سے جلا دینا حالانکہ آگ سے جلانا کسی مسلم کا ممنوع تھا اور ایسے ہی بہت سے واقعات ہیں جنسے اس فقرہ کی (خون ناحق فریادی ہیں) توضیح وتفسیر ہوتی ہے۔ چنانچہ مورخین نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور صاحب تاریخ خمیس نے ابوبکر کا وہ فرمان جو اہل یمامہ کے لئے خالد بن ولید کے پاس پہونچا تھا اسکو نقل کیا ہے اس کی عبارت یہ ہے۔

ان ظفرك الله باهل اليمامة فاياك والابقاء عليهم اجهز على جريحهم و اطلب مدبرهم واحمل اسيرهم على السيف وهون فيهم القتل و احرقهم بالنار واياك ان تخالف امرى والسلام

اے خالد اگر تم اہل یمامہ پر فتحیاب ہو تو خبردار ان پر رحم نہ کرنا اور نہ ان میں سے کسی مجروح کو زندہ چھوڑنا۔ ان کے بھاگے ہوؤں کا پیچھا کرو اور ان کے قیدیوں کو قتل کر ڈالو اور ان لوگوں کو بری طرح سے قتل کرو اور انھیں آگ سے جلا دو۔ دیکھو خبردار میرے حکم کے خلاف نہ کرنا والسلام

چونکہ یہ خون ناحق تھا لہذا وقت موت حضرت ابوبکر پر اسکا اثر تھا اور آپ نے یہ آرزو ظاہر کی کہ کاش میں فجارۃ سلمی کو آگ سے نہ جلاتا اور کاش میں اشعث بن قیس کو (جو انکا بہنوئی تھا) اسی دن قتل کر دیتا جس دن وہ قید کر کے لایا گیا تھا اور کاش میں سیدہ کے گھر سے (وقت بیعت) تعرض نہ کرتا وغیرہ وغیرہ تفصیلاً ان آرزوؤں کا تذکرہ ایک خطبہ کی تشریح میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس کے بیان کی ضرورت نہیں چنانچہ ان تمناؤں کا تذکرہ جو یالیتنی کنت ترابا کی تفسیر ہے، طبری، مبرد، احمد بن عبدالعزیز جوہری، ابن ابی الحدید معتزلی، ابن قتیبہ، ابو عبیدہ، اخیثمہ

بن سلیمان اطرابلسی، طبرانی، ابن عساکر، ضیاء مقدسی، جلال الدین سیوطی اور علی متقی نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے تشئید المطاعن صہ ۳۴۰

میراث الگ فریادی تھی کیونکہ ان مسائل کا علم بالکل نہ تھا جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا اور جب علم نہ تھا تو اپنی رائے سے کتاب خدا اور سنت رسول کو چھوڑ کے عمل کرتے تھے اب خواہ صحیح ہو یا غلط اور یہی وجہ تھی کہ مرتے وقت منجملہ ان آرزوؤں کے حضرت ابوبکر کی آرزو یہ بھی تھی کہ وہ کاش رسول اللہ کی پھوپھی اور بھانجی کی میراث کے متعلق پوچھ لیتے کیونکہ انھیں اسکے متعلق کچھ علم نہ تھا

وَ تَعِجُّ مِنْهُ الْمَوَارِيثُ

اور میراثیں واویلا مچا رہی ہیں۔

مسائل میراث و مسائل علمیہ میں حضرت ابوبکر و عمر کا عدم علم اور تحیّر

(بقیہ گزشتہ)

ایک مختصر فہرست تو وہ تھی جو اوپر بیان کیگئی اور جس سے حضرت عمر کے علم و معلومات پر روشنی پڑ چکی ہے۔ یہاں حضرت ابوبکر کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ جب صورت حال یہ ہو تو لامحالہ میراث کی فریاد بلند ہوگی حضرت ابوبکر کے متعلق یہ امر تو ظاہر ہے۔ مخفی نہیں کہ آپ علمی مسائل سے بہت کچھ دور تھے اور یہی وجہ تھی کہ تقریباً ہر مسئلہ میں خواہ وہ علمی ہو یا عقلی، اسکا تعلق میراث سے ہو یا کسی اور سے، قرآن کے متعلق ہو یا سنت سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ موجودہ اصحاب سے مشورہ کرتے تھے اور جب ان سے بھی وہ مسئلہ حل نہ ہوتا تھا تو اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا کرتے تھے، اگر ایسی ہی سخت گتھی ہوئی تو اس کے سلجھانے کے لئے امیرالمومنین علی علیہ السلام تجویز کیجاتے تھے ورنہ نہیں۔ اس استصواب باصحاب کا ذکر صاحب ازالۃ الخفا نے مقصد دوم صفحہ ۳۱ پر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

عن میمون ابن مهران قال کان ابوبکر اذا ورد علیه الخصم نظر فی کتاب الله فاذا وجد فیه ما یقضی بینهم قضی به وان لم یکن فی کتاب الله ولا من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ذالک الامر سنة قضی به فان اعیاه خرج فسال المسلمین وقال اتانی کذا و کذا فهل علمتم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قضی فی ذلک بقضاء فربما اجتمع الیه النظر کلهم یذکر من رسول الله صلی الله علیه وسلم فیه قضاء فیقول ابوبکر الحمد لله الذی جعل فینا من یحفظ علی نبینا فان اعیاه ان یجد فیه سنة من رسول الله جمع رؤس الناس واخیارهم فاستشارهم فاذا اجتمع رایهم علی امر قضی به رواه الدارمی۔

میمون ابن مہران سے روایت ہے کہ جب کوئی قضیہ ابوبکر کے سامنے پیش ہوتا تو وہ پہلے قرآن کو دیکھتے اگر اس کے متعلق کوئی حکم اسمیں ملتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے (اور قرآن میں ہر مسئلہ کے احکام ضروری موجود ہیں نہ معلوم یہ دقت کیوں پڑتی تھی) اور اگر الٰہی کتاب اس قضیہ کے متعلق کچھ نہ بتاتی تھی تو سنت کی طرف رجوع کرتے اور فیصلہ اسکے مطابق کرتے جب ان دونوں کو ڈھونڈھ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۴۲)

تھک جاتے اور کوئی حکم نہ ملتا (بڑا وقت اس تدقیق و تحقیق میں صرف ہوتا رہا ہوگا) تو پھر نکل کھڑے ہوتے اور مسلمانوں سے پوچھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس اس طرح کا واقعہ ہے کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ نے اس طرح کے قضیہ کا فیصلہ کیونکر کیا تھا یا کیونکر کرتے تھے (آپ تو ہر وقت ساتھ رہتے تھے یہاں تک کہ غار کی منزلیں بھی معیت سے نہ چھوٹیں، مگر خدا جانے کیوں ان فیصلوں سے بے خبر رہے جو رسول اللہ فرمایا کرتے تھے) اکثر اوقات یہ ہوتا تھا کہ اصحاب رسول اللہ کے فیصلہ کا حوالہ دیدیا کرتے تھے اور ابوبکر خدا کا شکر بھیجتے تھے اس بات پر کہ ابھی وہ لوگ ہم میں موجود ہیں جو نبی کی سنت کی حفاظت کرنیوالے ہیں (حالانکہ خود کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا) جب اس طرح بھی کامیابی نہ ہوتی تھی اور مسئلہ حل نہ ہوتا تھا اور سنت رسول خاموش نظر آتی تھی۔ تو پھر آپ عمائدین کو اکٹھا کرتے اور اُن سے مشورہ کرتے، جب اس پنچایت میں بالاتفاق رائے اس قضیہ کا فیصلہ طے ہو جاتا تو آپ حکم دیدیا کرتے تھے۔ اس کی روایت دارمی نے کی ہے۔ پھر صاحب ازالۃ الخفا یوں لکھتے ہیں:۔ بعد ازاں در میراث جدہ مسئلہ وارد شدہ حضرت صدیق تفحص بلیغ فرمود تا آنکہ حدیث ظاہر شد و مسئلہ منقح گشت۔

عن الزهري قال جاءت الى ابي بكر جدة ام اب او ام ام فقالت ان ابن ابني او ابن ابنتي توفي وبلغني ان لي نصيبا فمالي فقال ابو بكر ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها شيئا وسأسال الناس فلما صلى الظهر فقال ايكم سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في الجدة شيئا قال مغيرة بن شعبة انا قال ماذا قال اعطاها رسول الله سدسا قال ايعلم ذالك احد غيرك فقال محمد بن مسلمة صدق فاعطاها ابوبكر السدس فجاءت الى عمر مثلها فقال ما ادري ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها شيئا وساسال الناس فحدثوه بحديث المغيرة بن شعبة ومحمد بن مسلمة فقال عمر ايتكما خلت به فلها السدس فان اجتمعتا فهو منكما رواه مالك و الدارمی۔

اس کے بعد میراث جدہ میں جھگڑا پڑا اور اختلاف ہوا حضرت صدیق نے بہت کچھ تلاش کی کہ مسئلہ حل ہو جائے یہاں تک کہ حدیث ظاہر ہوئی اور مسئلہ طے پا گیا (بہرحال خود جناب ابوبکر کو اسکے متعلق کوئی علم نہ تھا) زہری راوی ہے کہ ابوبکر کے پاس جدہ آئی، دادی رہی ہو یا نانی اور آکے اُس نے کہا کہ میرا نواسا یا پوتا مر گیا ہے اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ میرا حصہ اسکی میراث میں ہے تو میرا حصہ کیا ہے۔ آپ بتا دیجئے؟ حضرت ابوبکر نے کہا میں نے اس مسئلہ میں تو کوئی بات رسول کے منہ سے نہیں سنی اور نہ مجھے معلوم ہے کہ رسول نے اس بارے میں کچھ فرمایا ہے (رسول نے صرف مسئلہ میراث میں آپکے سامنے یہ حدیث بیان کی تھی نحن معاشر الانبیاء لانرث

ومن الشیطان اراہ ما خلا الوالد والولد فلما استخلف عمر قال انی لاستحیی اللہ ان ارد شیئا قالہ ابوبکر۔ اخرجہ الدارمی۔

اس کے بعد مسئلہ کلالہ میں اختلاف ہوا اور کلالہ کے مفہوم بتانے میں اصحاب نبی کو چپ لگ گئی کیونکہ کوئی ایک بھی نہ جانتا تھا یہی وجہ تھی عقبہ بن عامر جہنی کہتا تھا کہ جتنی مشکل مسئلہ کلالہ میں اصحاب نبی کو پڑی ہے اتنی مشکل کسی اور مسئلہ میں رونما نہیں ہوئی حضرت ابوبکر اس مسئلہ کے بھی سمجھنے کی کوشش کرنے لگے اور معنی کلالہ کے درپے ہوئے۔

چنانچہ شعبی سے روایت ہے کہ ابوبکر سے پوچھا گیا کہ کلالہ کیا ہے؟ کہا کہ اس مسئلہ میں میں اپنی رائے سے کام لونگا (اسلئے کہ در سد بند تھی)، تمام اصحاب نبی اس سے نابلد تھے پوچھیں تو کس سے پوچھیں جائیں تو کہاں سے جائیں،

(بقیہ حاشیہ ۲۴۳)

ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ چنانچہ آپ کو صرف یہی حدیث یاد رہ گئی!!) اچھا میں لوگوں سے پوچھونگا تب بتاؤں گا، چنانچہ جب آپ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ بھائیو! "جدہ" کے متعلق رسول اللہ کو کچھ فرماتے ہوئے تم لوگوں نے سنا ہے آخر اس کی میراث کا حصہ کیا ہے، سنا ہو تو بتاؤ مغیرہ بن شعبہ نے کہا ہاں سنا ہے اور وہ یہ کہ جدہ کو "سدس" چھٹا حصہ رسول اللہ دلوا تے تھے، ابوبکر نے کہا تمھارے سوا کوئی اور بھی جانتا ہے۔ محمد بن مسلمہ نے مغیرہ کے قول کی تائید کی چنانچہ ابوبکر نے اس عورت کو سدس دیدیا اسی طرح کا مسئلہ حضرت عمر کے پاس بھی آیا، آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں نہ میں نے رسول کے منہ سے اس مسئلہ کے متعلق کچھ سنا البتہ میں لوگوں سے پوچھونگا جب آپ نے لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ کے اس واقعہ کا تذکرہ کیا جو عہد اول میں گزرا تھا۔ تب عمر نے اس عورت سے کہا کہ اگر صرف دادی یا نانی ہوگی تو سدس پائیگی اور اگر دونوں ہونگی تو یہی سدس دونوں میں بٹ جائیگا۔

اس کے بعد دادا اور نانا کی میراث میں اختلاف ہوا۔ اسمیں اصحاب کی رائیں مختلف تھیں۔ چنانچہ صاحب ازالۃ الخفا لکھتے ہیں:۔

"فاروق قولے دارد و علی مرتضیٰ قولے و عبداللہ بن مسعود قولے و زید بن ثابت قولے" عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت ان میں سے ہر ایک کا قول اس مسئلہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ابوبکر کی کچھ اور رائے ہے، انھوں نے دادا کو باپ کی جگہ دی اور اس سے لوگوں میں تحیر بڑھا۔ پھر لکھتے ہیں ص۳۲ مقصد دوم بعد ازاں در تفسیر کلالہ اختلاف واقع شد و در جواب آں اکثر صحابہ راعی در گرفت عقبہ بن عامر جہنی گفت ما اعضل باصحاب النبی شئی ما اعضلت بھم الکلالۃ صدیق اکبر متصدی جواب آں شد عن الشعبی قال سئل ابوبکر عن الکلالۃ قال انی ساقول فیھا برائی فان کان صوابا فمن اللہ وان کان خطاء فمنی

لیکن اسوقت کی بات سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جیسے آپ جانتے تھے اور یہ بھی کہ جیسے آپ کے نزدیک ابوبکر کے بتائے ہوئے معنوں کے خلاف معنی کلالۃ کے تھے جو اسوقت آپ کے خزانہ علم میں موجود تھے مگر قول صدیق کو آپ رد نہیں کر سکتے تھے چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اور چاہے شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ عجیب بات ہے کہ قول صدیق نہ رد ہو چاہے شریعت رد ہو جائے، حالانکہ اسی شریعت کی وجہ سے ابوبکر صدیق صدیق تھے اور خلیفہ غاصب)

اِلَی اللّٰہِ اَشۡکُوۡ مِنۡ مَعۡشَرٍ

اس گروہ کا شکوہ میں خدا ہی سے کرتا ہوں

یَعِیۡشُوۡنَ جُھَّالًا وَ یَمُوۡتُوۡنَ ضُلَّالًا

جو اپنی زندگی جہالت میں بسر کرتا ہے۔ اور گمراہ کرنیکی حالت میں اُسے موت آجاتی ہے

لَیۡسَ فِیۡھِمۡ سِلۡعَۃٌ اَبۡوَرُ مِنَ

اس گروہ کے نزدیک کوئی سرمایہ اور کوئی مال قرآن سے زیادہ

الۡکِتَابِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ

بے قدر نہیں ، (مگر اسوقت) جب قرآن کی تلاوت کا

وَلَا سِلۡعَۃٌ اَنۡفَقُ بَیۡعًا وَلَا اَغۡلٰی ثَمَنًا

صحیح حق ادا کیا جائے۔ اور اگر کہیں (قرآن میں

(البقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۴)

رسول اللہ سے ہمیشہ پوچھا کئے مگر اسی مصلحت سے کہ غیر منشائے نبی جو خلیفہ ہوا ہیں یہ عیب ابدالآباد تک کے لئے رہ جائے۔ آپنے نہ حضرت عمر کو بتایا نہ حضرت ابوبکر کو ظاہر ہے کہ اگر انکی خلافت مقصود اللہ و نبی ہوتی تو رسول اللہ انکو اس طرح سے علمی مسائل احکام شریعت اور مسائل فقہیہ کی تعلیم سے جاہل نہ رکھتے) اگر ٹھیک ہوئی تو اللہ کی طرف سے جاننا اور اگر وہ رائے غلط ہوئی تو میرے اور شیطان کی جانب سے سمجھنا،
(عجب ترازو بنائی کہ ایک طرف آپ ہیں ایکطرف شیطان۔) آپکے نزدیک سوا باپ بیٹے کے سب کلالہ تھے۔

جب عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس بات کو رد کروں جو ابوبکر کے منہ سے نکلی ہے (لہذا کلالۃ کے معنی وہی ہیں جو ابوبکر نے کہے) حالانکہ آپ کو خود اسکا علم نہ تھا اور بارہا پیغمبر سے پوچھا مگر آپ نے کبھی نہ بتایا

حاشیہ صفحہ ہذا

سلہ یہ اس وقت کا حال وہی امیر المومنین علیہ السلام سے بیان ہو رہا ہے جو وقت خیر قرون کہا جاتا ہے اس وقت حق کی بے قدری اور قرآن مجید کی صحیح تلاوت ایسی تھی کہ نفس نبی یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ یہ لوگ اگر قرآن مجید صحیح پڑھا جائے تو قرآن کے دشمن ہیں بھیں یہ بات واضح ہے کہ جب ان کی دشمنی کا انحصار صحت تلاوت قرآن مجید پر تھا تو ان لوگوں کے دشمنی اُن کے دلوں میں کیوں نہ رہے گی جو لوگ قرآن مجید کی صحیح تفسیر کرتے رہے ہونگے، یہی ایک وجہ عداوت آلِ نبی کے لئے کافی و وافی ہے۔ صرف اسی کے لئے تو حدیث ثقلین پس پشت ڈال دی گئی اور معیت قرآن و عترت کو بظاہر باطل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جسے زمانہ اچھی طرح جانتا ہے اور ۱۳ صدیوں کے صفحات آج تک گواہی دے رہے ہیں یہ ہے وہ ظلم جو خاندان رسول اور آل رسول کی دشمنی کو صراحتہ بیان کر رہی ہے۔

مِنَ الْكِتٰبِ اِذَا حُرِّفَ لہ

تحریف کردی جائے اور اُسکے حروف والفاظ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جائیں تو پھر اس

عَنْ مَوَاضِعِهٖ وَلَا عِنْدَهُمْ

(محرف قرآن) سے بڑھ کر نہ ان کے نزدیک کوئی چیز گراں قیمت ہے اور نہ (بازار

اَنْكَرُ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَلَا اَعْرَفُ

تجارت میں) رائج الوقت۔ ان لوگوں کے نزدیک نیکی سے زیادہ کوئی چیز بری

مِنَ الْمُنْكَرِ

نہیں اور بدی سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں

لہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کہیں قرآن میں تحریف کردی جائے اور اس کے حروف والفاظ بدل دیے جائیں تو پھر اس قرآن سے بڑھکر نہ انکے نزدیک کوئی چیز بیش بہا ہے اور نہ بازار تجارت میں رائج" معلوم ہوا کہ اس عہد کے خیالات ایسے ہی تھے اور مسلمانوں کا ایک جتھا جو بظاہر اسلام کا مدعی تھا، وہ یہی چاہتا تھا کہ قرآن میں تحریف ہو، چنانچہ اس نے تحریف سے کام لیا اور وہی قرآن رائج کیا گیا، ایسا نہ تھا تو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو اس تعریض کی کیا ضرورت تھی، یہیں سے ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے، کہ جب قرآن الٰہی ایک تھا اور اسمیں کوئی تبدل و تغیر نہ تھا، اس میں کوئی کمی زیادتی نہ تھی تو آخر ایک اور صرف ایک قرآن کے رکھنے اور تمام قرآنوں کے جلانے کی کیا ضرورت پڑی، کلام الٰہی جسکی عظمت اہل اسلام سمجھ سکتے ہیں، کیا اس کی عظمت کا یہی مقتضیٰ تھا کہ وہ نذر آتش کر دیا جائے؟ اسکا جواب صرف یہی دیا جاتا ہے کہ اس لئے جلوا دیا گیا یا بقولے پھاڑ ڈالا گیا (ایک دو ہوتے تو پھاڑ ڈالنے کا گمان بھی تھا، جب تعداد کی کثرت ہو تو پھر یہ تاویل کہاں ممکن ہے کہ "حرق" پر نقطہ دیکے "خرق" کہا جائے اور یوں قرآن کے جلانے کی آنچ سے بچا جائے۔ رہ گیا اختلاف

قرات نہ ہوا اور لوگ ایک طریقہ اختیار کریں۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ رسول کے وقت تک طریقہ ایک تھا یا مختلف قرآن ایک تھا یا مختلف، قرات ایک تھی یا مختلف، اگر ایک تھی تو اب ایک کرنا اور قرآنوں کو جلا کے ایک کرنا تحصیل حاصل تھا اور اگر اختلاف تھا تو جب رسول اللہ نے اس اختلاف پر کوئی باز پرس نہیں کی اور نہ کوئی اصلاح کی تو اس اختلاف کے مٹانے کی کوشش کیوں کی جاتی تھی صحاح اور دیگر کتب تاریخ میں یہ واقعہ مندرج ہے۔ چنانچہ صاحب تاریخ خمیس نے ص۲۴۳ پر منجملہ ان الزامات کے جو حضرت عثمان پر اصحاب رسول و تابعین و مہاجرین اولین نے لگائے تھے، ایک یہ الزام احراق قرآن کا بھی تھا قالوا ان عثمان احرق مصحف ابن مسعود و مصحف ابی وجمع الناس علی مصحف زید بن ثابت فلما بلغ ابن مسعود انہ احرق

CamScanner

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶)

مصحفہ وکان نسخۃ عند اصحاب لہ بالکوفۃ امرھم بحفظھا وقال لھم قرات سبعین سورۃ وان زید بن ثابت لصبی من الصبیان ۔

حضرت عثمان نے قرآن ابن مسعود وابی بن کعب کو جلوا دیا اور زید بن ثابت کے قرآن کی تلاوت کا اجتماعی حیثیت سے حکم دیا، جب ابن مسعود کو اس جلا دینے کی خبر پہونچی تو انھوں نے قرآن کی ان نقلوں اور نسخوں کے متعلق جو ان کے دوستوں کے پاس کوفہ میں تھے لکھا کہ اسکی حفاظت اچھی طرح کیجائے اور ہاتھ سے جانے نہ پائے اور یہ بھی ان لوگوں سے کہا کہ میں نے ستر سورے رسول سے پڑھے ہیں، اسوقت زید بن ثابت ایک طفل نابالغ تھے۔ گویا ابن مسعود کی مراد یہ تھی کہ میں بھی صحابی رسول ہوں اور عمر و تجربہ و علم میں زید بن ثابت سے کہیں زیادہ جب میں رسول کے پاس بیٹھا تھا اور فیض حاصل کرتا تھا تو زید بن ثابت بالکل صاحبزادے تھے، ایسی صورت میں ترجیح مجھے ہونی چاہیئے نہ زید کو، اگر ان مصالح ملکی و سیاسی کو کیا کیا جائے جو اسوقت اسلام پر حکومت کر رہے تھے،)

مسئلہ تحریف قرآن وہ مسئلہ ہے جو ایک بسیط مضمون چاہتا ہے مگر میں اس جگہ پر مختصراً اتنا بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ تحریف وہ شئے ہے جسکا اقرار مفسرین مورخین، محدثین، حضرت عائشہ اور خود حضرت عمر نے فرمایا ہے، اس میں چون و چرا کی گنجایش نہیں اور نہ یہاں تاویلات سے کوئی مطلب برآری ہوتی ہے۔

تحریف، کمی، زیادتی، تغیر، تبدل اور تقدم تاخر سب پر مشتمل ہے اور ہر طرح کے روایات کتب اسلام میں ملتے ہیں جنکے راویوں کی بھی تصدیق ائمہ فنون نے کی ہے

"اہل اسلام کی روایت کے مطابق قرآن سیکھنے کا حکم کس سے تھا؟"

عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ قال استقرؤا القرآن من اربعۃ

من عبد اللہ بن مسعود و سالم مولی ابی حذیفۃ و ابی بن کعب و معاذ بن جبل متفق علیہم، مشکوۃ شریف صفحہ ۵۶۶ و بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ طبع مصر

جناب ابن عمر راوی ہیں کہ رسول نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن کی تعلیم حاصل کرو اور قرآن سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود (انکا نام سب سے پہلے ہے) سالم مولی ابوحذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل، یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ مگر تاریخیں بتاتی ہیں کہ اس حکم رسول کے خلاف عمل کیا گیا اور عبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب سے سیکھنا تو درکنار بلکہ اُن کا قرآن جلا دیا گیا اور زید بن ثابت جن کا نام بھی رسول نے نہیں لیا تھا اُن کے قرآن کو رواج دیا گیا اور اسی پر اجتماعی حیثیت سے لوگ عمل پیرا رہے یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حکم رسول کی مخالفت یہاں کی گئی؟

یوہیں اور شہر والے اپنے اپنے قرآنوں کو ایک دوسرے سے زیادہ صحیح جانتے تھے (معلوم ہوا تحریف کی بلا عام تھی) جب یہ خبر حضرت عثمان کو پہونچی تو گرد و پیش جو صحابہ موجود تھے انکی رائے اور ان کے اجماع سے آپ نے مدد لیتے ہوئے صرف اسی مصحف کی تلاوت پر لوگوں کو مجبور کیا جو عہد ابو بکر میں جمع ہوا تھا (یہ تمام قرآن جو ملکوں ملکوں پھیلے ہوئے تھے یہ کس کے عہد میں جمع ہوئے تھے، اگر رسول کے عہد میں جمع ہوئے تھے تو اسی پر عمل ہونا چاہئے تھا) اور جو حضرت حفصہ زوجہ رسول اللہ کے پاس محفوظ (غالباً اسی دن کے لئے) رکھا ہوا تھا اور جتنے بھی قرآن اسکے ماسوا تھے سب کو جلانے کا حکم دیدیا چنانچہ تمام قرآن جلا دیے گئے، اسی قرآن کی نقلیں جو حضرت حفصہ کے پاس محفوظ تھا شہر بشہر بھیجی گئیں اور وہی رائج الوقت کیا گیا (اسی کیطرف امیر المومنین علیہ السلام نے اس خطبہ میں اس جملہ سے "ولا سلعة انفق بیعاً ولا اغلی ثمناً من الکتاب اذا حرف عن مواضعہ"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢٤٧)

قرآن کے لکھنے والے وحی خدا میں اپنی طرف سے گھٹاتے بڑھاتے بھی تھے

"وکان عبد اللہ المذکور قد اسلم قبل الفتح وکتب الوحی فکان یبدل القرآن ثم ارتد الی خلافۃ عثمان" تاریخ ابو الفدا ص ١٥٢ عبد اللہ بن ابی سرح یہ فتح مکہ کے پہلے اسلام لائے وحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور قرآن کو بدل کے لکھا کرتے تھے پھر مرتد ہو گئے اور خلافت عثمانی تک مرتد رہے، یہ حضرت عثمان کے رضاعی بھائی بھی تھے اور حضرت عثمان نے ان کو کوفہ کا عامل بھی اپنے عہد خلافت میں مقرر کیا تھا، جیسا کہ تاریخ دیکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب زندگی رسول میں قرآن بدل دیا گیا اور بدل دیا جاتا تھا اور اس میں تغیر و تبدل ہو سکتا تھا تو بعد موت رسول اگر کوئی ایسا کرے تو کون سا محل استعجاب ہے یا کیونکر آیت "وانا لہ لحافظون" اسکا ہاتھ پکڑ لے گی۔

اس ارتداد اور اس تبدیلی و تحریف قرآنی کے بعد اور رسول کی ناراضی کے بعد حضرت عثمان نے کیوں عبد اللہ کو مسلمانوں پر حاکم بنایا اسکو حضرت عثمان ہی بتا سکتے ہیں۔ یہ واقعہ مختلف کتابوں میں مندرج ہے۔

ترمذی جلد ٢ ص ١٥٢ بخاری ص ١٣٠ جلد ٣ طبع مصر ابو الفدا ص ١٧٦ اور اتقان سیوطی میں علامہ جلال الدین نے لکھا ہے کہ سنہ ٣٠ھ میں حضرت عثمان کو یہ خبر پہونچی کہ اہل عراق قرآن مجید کے بارے میں کچھ آپس میں بحث مباحثہ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا قرآن شام والوں کے قرآن سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ہم نے ابو موسیٰ اشعری سے پڑھا ہے اور شام والے کہتے تھے کہ ہمارا قرآن زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم نے مقداد بن اسود سے پڑھا ہے (یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ اسی وقت قرآنوں میں کچھ نہ کچھ تبدیلی اور تغیر ضرور تھا ورنہ اس بحث فخر کی نوبت کیوں آتی اور یہ مباہات کیوں کیجاتی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۸)

صاحب تحفہ اثنا عشریہ اس روایت کو قبول کرتے ہیں

ترتیبی تحریف کا ایک منظر

امیر المومنین علیہ السلام کے جمع کردہ مصحف کی ترتیب مطابق نزول تھی یعنی جس طرح قرآن نازل ہوا تھا اسی اعتبار سے اسکی ترتیب تھی۔ چنانچہ سیوطی نے اتقان کے حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے۔ فمنهم من رتبها على النزول

وهو مصحف علی رض وكان اوله اقرأ ثم المدثر ثم ن ثم المزمل ثم تبت ثم التكوير وهكذا الى آخر المكی والمدنی وكان اول مصحف ابن مسعود سورة البقرة ثم النساء ثم آل عمران على اختلاف شديد وكذا مصحف ابی وغيره۔ ان میں سے بعض جامعین قرآن ایسے تھے جنہوں نے باعتبار نزول ترتیب قرآن کی تھی اور اسی ترتیب مصحف علی علیہ السلام میں تھی۔ سب سے پہلے سورۂ اقرا، پھر مدثر پھر ن پھر سورۂ مزمل، پھر تبت اور پھر تکویر تھا، یونہی آخر مکی و مدنی تک یہ ترتیب چلی گئی تھی، یعنی جو مکہ میں نازل ہوا وہ مکی تھی اور جو مدینہ میں نازل ہوا وہ مدنی۔

مصحف ابن مسعود کی ابتدا سورہ بقرہ سے تھی پھر سورہ نساء، پھر آل عمران بہ شدید اختلاف کے ساتھ اور اسی طرح مصحف ابی وغیرہ

مصحف ابی (بن کعب) کی ترتیب

پہلے حمد، پھر سورہ بقرہ، پھر نساء، پھر آل عمران، پھر انعام، پھر اعراف، مائدہ، یونس، انفال، برارۃ، ہود، مریم، شعراء، حج، یوسف، کہف، نحل، احزاب، بنی اسرائیل، زمر حم اول حم ثانی، طہ، انبیاء، نور، مومنین، سبا، عنکبوت، مومن، رعد، قصص، نمل، صافات، ص، یس، حجر، حم عسق، روم، حدید، فتح، قتال، ظہار، تبارک الملک، سجدہ، پھر انا ارسلنا نوحا، پھر احقاف، ق، الرحمن، واقعہ، جن، نجم، سئل سائل، مزمل، مدثر، اقتربت، حم دخان، لقمن، حم جاثیہ، طور، ذاریات، ن، حاقہ، حشر، ممتحنہ، مرسلات، عم یتساءلون، لا اقسم بیوم القیمۃ، پھر اذا الشمس کورت، یا ایہا النبی اذا طلقتم، نازعات، تغابن، عبس و تولی، مطففین، اذا السماء انشقت، والتین والزیتون، اقرا باسم ربک، حجرات، منافقون، جمعہ، لم تحرم، فجر، لا اقسم بھذا البلد، واللیل، اذا السماء انفطرت، والشمس وضحیہا، والسماء والطارق، سبح اسم ربک، غاشیہ، صف، تکاثر، عصر، خلع، سورہ حفد، ویل لکل ہمزۃ، اذا زلزلت پھر عادیات پھر فیل

پھر صد ۹۳ پر لکھتے ہیں۔ فان سورۃ الفیل وسورۃ لایلاف قریش فیہ سورۃ واحدۃ ونقل ذالک السخاوی فی جمال القراء۔ سورۂ فیل ولایلاف اس قرآن میں ایک سورہ تھا اسکو سخاوی نے جمال القراء میں نقل کیا ہے۔

مجھے بالاستیعاب اس موضوع کو لکھنا مطلوب نہیں ورنہ یہ مضمون خود ایک بسط البسیط چاہتا ہے، البتہ اتنا کہ تحریف کی ہر طرح کی مثالیں کتب عامہ میں موجود ہیں اور اس سے نجات کسی طرح ممکن نہیں اس ترتیب ہی کو ملاحظہ کیجئے کہ ابی بن کعب وابن مسعود کے مصحف میں کیا ترتیب تھی اور موجودہ قرآن میں کیا ہے امیر المومنین علی علیہ السلام کے قرآن کی ترتیب کیا تھی اور اب کیا ہے۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ قرآن مجید تئیس برس میں جستہ جستہ اور رفتہ رفتہ نازل ہوا، اصحاب کی معذوری کا عالم جو تھا وہ لکھے

(بقیہ حاشیہ صد ۲۴۹)

پھر لایلاف، پھر ارایت، پھر انا اعطیناک الکوثر، پھر قدر، پھر کافرون، پھر اذا جاء نصر اللہ، پھر تبت، پھر صمد، پھر فلق، پھر ناس۔ اتقان سیوطی صد ۹۱

مصحف ابن مسعود کی ترتیب

بقرہ، نساء، آل عمران، اعراف، انعام، مائدہ، یونس، برارۃ نحل، ہود، یوسف، کہف، بنی اسرائیل، انبیاء، طٰہٰ، مومنون، شعراء، صافات، مثانی، احزاب، حج، قصص، طٰس، نمل، نور، انفال، مریم، عنکبوت، روم، یٰس، فرقان، حجر، رعد، سبا، ملائکہ، ابراہیم، صٓ، والذین کفروا، لقمان، زمر، حوامیم، حٰم، مومن، زخرف، سجدہ، حٰم عسق، احقاف، جاثیہ، دخان، ممتحنات، انا فتحنا، حشر، تنزیل السجدہ، طلاق، نون والقلم، حجرات، تبارک، تغابن، اذا جاءک المنافقون، جمعہ، صف، قل اوحی، انا ارسلنا نوحا، مجادلہ، ممتحنہ، یاایہا النبی لم تحرم المفصل، الرحمن، والنجم، والطور، ذاریات، اقتربت الساعۃ، واقعہ، نازعات، سال سائل، مدثر، مزمل، مطففین، عبس، ھل اتی، مرسلات، قیامۃ، عم یتساءلون، اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت، غاشیہ، سبح، لیل، فجر، بروج، اذا السماء انشقت، اقراء باسم ربک، بلد، ضحی، طارق، عادیات، ارایت، القارعہ، لم یکن، والشمس وضحٰہا، والتین والزیتون، ویل لکل ہمزۃ، الم ترکیف، لایلاف، الہٰکم، انا انزلناہ، اذا زلزلت، عصر، اذا جاء نصر اللہ، کوثر، قل یاایہا الکافرون، تبت، قل ہو اللہ احد، الم نشرح، اس قرآن میں نہ سورہ حمد تھا اور نہ معوذتین دیکھو صد ۹۱ اتقان۔

علامہ سیوطی اپنی کتاب اتقان صد ۹۳ میں یہ بھی لکھتے ہیں:۔ وفی مصحف ابن مسعود لم یکتب معوذتین وکتب فی اٰخرہ سورتی الحفد والخلع مصحف ابن مسعود میں معوذتین نہ تھے بلکہ آخر قرآن میں سورہ حفد وخلع لکھے ہوئے تھے

HAMARA
S. GANJINA-

مدد کر سکتا ہے، اگر ہر شخص کو یاد ہوتا اور ہر صحابی کے دماغ میں محفوظ ہوتا تو جمع کرنے میں یہ دقتیں کیوں واقع ہوتیں اور اگر حرف بحرف یاد ہوتا تو یہ اختلافات کیوں پیدا ہوتے اور اگر ترتیب یاد ہوتی تو ترتیب میں یہ تقدم و تاخر کیوں پیدا ہوتا۔

بہت سے اصحاب نزول قرآن ہی میں نقد حیات کھو چکے تھے ان کے سامنے پورا قرآن اترا بھی نہ تھا نہ انکا ایمان قرآن کامل پر تھا، کیونکہ قرآن کامل اسوقت موجود ہی نہ تھا، مگر یہ کہ ان کے ایمان میں کوئی شبہہ کیا ہی نہیں جا سکتا، جسقدر بھی قرآن ان کی زندگی میں اترا اس پر وہ ایمان لائے، اور اگر زندہ رہتے تو وہ ایمان لاتے ہی رہتے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ بعض صحابہ ربع قرآن پر بعض خمس پر بعض سدس پر بعض ثلث پر بعض نصف پر بعض تین ثلث پر اور بعض قرآن کامل پر ایمان لائے، یہ ایمان کہیں ایک ایک آیت کے اعتبار سے تھا اور کہیں مجموعی حیثیت قرآن کے اعتبار سے چاہے وہ تمام آیات پر جزوی حیثیت سے نظر ہوئی ہو یا کل کی حیثیت سے، دیکھئے نا جس وقت موت رسول واقع ہوئی ہے اس وقت تک وہ آیت جو حضرت ابو بکر نے پڑھی تھی، وہ اور اصحاب کا کیا ذکر ہے حضرت عمر کو بھی نہ معلوم تھی کہ یہ قرآن میں ہے یا نہیں جیسا کہ مفصل لکھا گیا اب بھی نہ معلوم ہونے سے ایمان پر کوئی حرف تھوڑی ہی آ سکتا ہے

کتب گروہ عامہ میں کمی کی روایتیں

اتقان سیوطی صفحہ ۹۲ پر یہ روایت بھی ہے کہ عبداللہ بن مسعود الحمد للہ اور

حقیقتاً قرآن میں نہ تھے جیسا کہ ابن مسعود کا یقین تھا اور یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے مصحف میں ان سوروں کو نہیں لکھا تھا، تو یہ قرآن میں زیادتی کہاں سے آئی۔ اللہ ہی جانے؟ اور اگر حقیقتاً یہ سورے قرآن کا جزو تھے اور عبداللہ بن مسعود نے نہیں لکھا تھا بلکہ دوسروں کے قرآنوں سے بھی چھیل ڈالا کرتے تھے، تو یہ کمی قرآن میں کیوں ہوتی تھی خدا ہی جانے؟

پھر اگر در اصل سورہ حمد قرآن نہیں تو نماز عالم کی ذمہ داری کس کے سر ہے اور کیونکر سورہ حمد نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، اس کے سمجھنے کے لئے عقل کل کی ضرورت ہے۔

تھا۔ وہ بیت "جبوہ" بھی

سہی نہ معلوم کیوں حضرت حفصہ کے پاس تھا؟

تفسیر در منثور میں علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ یہ نہ کہو کہ ہم نے قرآن کل کا کل پالیا کیا جانو کہ کل قرآن کتنا تھا، بہت سا قرآن جاتا رہا۔ یہ کہو کہ جو ظاہر قرآن مل سکا وہ ہم نے پایا۔

عہد نبی ہی میں قرآن کا اختلاف

عن عبداللہ انہ سمع رجلا یقرا ایۃ سمع النبی خلافہا فاخذت بیدہ الخ۔ عبداللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے

...وں سے قرآن جمع کرنا شروع کیا تو اسکے متعلق صحیح بخاری طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ میں یہ عبارت ہے۔

فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت اٰخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر۔

حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن کو ڈھونڈھنا شروع کیا اور جمع کرنا شروع کیا، چھال وغیرہ پر جہاں جہاں لکھی ہوئی جو آیت ملی اُسے یکجا کیا یہاں تک کہ آخر سورہ توبہ والی آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم الایۃ: مجھے ابوخزیمہ انصاری سے ملی اور کسی ایک کو بھی وہ یاد نہیں تھی، یہ مصحف جو ابوبکر نے جمع کئے تھے یہ تا بہ حیات ابوبکر انکے پاس رہے، پھر حضرت عمر کے پاس پھر حضرت حفصہ کے پاس، چنانچہ حضرت حفصہ سے حضرت عثمان نے لیکے اپنی ترتیب والا مصحف رائج کیا اور باقی مصاحف کو جلوا دیا۔

اس روایت کو دیکھنے کے بعد ہر عقل اتنا تو ضرور سمجھتی ہے کہ سوا ابوخزیمہ کے جتنے لوگ بھی اصحاب میں اسوقت موجود تھے۔ سب قرآن غیر کامل پر عامل تھے یا کم از کم اس ایک آیت کی تحریف یعنی کمی ضرور تھی، مگر ابوخزیمہ کہ ان کے پاس یہ آیت ملی۔ خود حضرت ابوبکر کو بھی اسوقت تک اس آیت کا غالباً علم نہ تھا جب پڑھ کے سنائی گئی ہوگی تب یاد آیا ہوگا کہ ہاں یہ بھی اتری تھی، یہ تو ایک آیت اور ایک سورہ کا حال تھا یوں ہی تمام آیات اور تمام سوروں کو خیال کیجیے

بد میں وہ آیت ہے سنو حضرت عمر نے ...

(صحابی تھا) حضرت عمر نے سنا تو وہ اس طرح قرآن کی آیات صحیح نہ پڑھتا تھا جیسے
حضرت عمر نے رسول اللہ سے سنا تھا جیسے ہی اس نے سلام پھیرا حضرت عمر نے اس کا
گریبان پکڑا اور کھینچا اور اس سے پوچھا کیوں جی یہ سورہ جو تم نے نماز میں پڑھا
کس نے تمہیں پڑھایا، کہا رسول اللہ نے، حضرت عمر نے کہا تو جھوٹا ہے کیونکہ
رسول اللہ نے مجھے یہی سورہ دوسری طرح سکھایا ہے، یہ کہہ کے حضرت عمر اسے
کھینچتے ہوئے رسول اللہ کے پاس لے گئے اور کہا آپ سے تو میں نے اس سورہ کو
کسی اور طرح سنا ہے اور یہ ہشام ابن حکیم بن حزام کسی اور طرح پڑھتا ہے، رسول اللہ
نے دونوں سے سنا اور کہا دونوں ٹھیک پڑھتے ہو، بخاری جلد صفحہ ۱۲۵

کہنا یہ ہے کہ یہی اختلاف اسوقت عہد رسول میں کیوں اس جمع قرآن کا باعث
نہ بنا جسکی ترویج عہد خلیفہ ثالث میں ہوئی تھی اور جس کے سوا تمام قرآن جلا
دیئے گئے تھے، آخر وہاں بھی تو اختلاف قرآن ہی اس بات کا سبب ہوا تھا کہ
تمام قرآن حضرت حفصہ والے قرآن کا انطباق کریں اور جو اسکے خلاف ہو وہ جلا دیا
جائے جیسا کہ بخاری میں موجود ہے اور دیگر مورخین نے بھی اس مطلب کو لکھا ہے
ان حذیفة بن یمان قدم علی عثمان وکان یغازی اهل الشام فی فتح
ارمینیة اذربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفة اختلافهم فی القراءة
حذیفہ بن یمان جب اہل شام سے فتح ارمینیہ آذربیجان کے لئے اہل عراق کیساتھ
لڑ رہے تھے تو وہاں سے پلٹ کے جب حضرت عثمان کے پاس آئے تو انھوں
نے خلیفہ ثالث کو بہت خوف دلایا کہ ان لوگوں میں قرآن کے بارے میں اختلاف

...

جلا دیا جلد لیں (کیا یہ وہی اختلاف
قرأت نہ تھا جسکا منظر عہد رسول
میں کئی بار پیش ہو چکا تھا اور جسکی
بعض روایات میں ابھی درج
کر چکا ہوں، کیا رسالتمآب کو
اس اختلاف سے اپنی امت
پر ڈر نہ تھا اگر تھا تو آپ نے
وہی کیوں نہ کیا جو حضرت عثمان
نے اپنے عہد میں کیا اور اگر
نہ تھا تو پھر حضرت عثمان کیلئے
کیا مجبوری تھی جس سے انھوں
نے مطابق مصحف حفصہ جو
جمع کردہ ابو بکر اور خواندہ عمر
تھا، اُس قرآن کو رائج کیا اور
اس کے خلاف جو بھی تھے وہ
ان کے حکم سے جلا دیئے گئے ''
جب حذیفہ بن یمان نے
عثمان سے آکے یہ گفتگو کی تو
اسجگہ عبارت بخاری یہ ہے۔

... يات فارسلت بها حفصة الى عثمان فامر زيد بن ثابت
وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص وعبد الرحمن بن حارث
بن هشام فنسخوها فی المصاحف حضرت عثمان نے حضرت ابو بکر کا جمع کردہ
قرآن حفصہ کے پاس سے اس شرط پر منگوایا کہ نقل کرکے واپس کردیا جائے گا چنانچہ
انھوں نے بھیج دیا اور حضرت عثمان نے اس مصحف کی نقل کے لئے زید بن ثابت
عبد اللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبد الرحمن بن حرث بن ہشام کو معین فرمایا
یہ جو لوگ لکھنے کے لئے معین کئے گئے تھے ان میں سے سب سے پہلے زید بن ثابت
ہیں جنھیں رسول نے قرآن لینے کو نہیں کہا تھا اور ان چاروں ناموں میں انکا شمار
نہیں فرمایا جو اوپر بخاری و مشکوۃ سے لکھے گئے، حضرت عمر بھی ان سے بہت زیادہ
محبت رکھتے تھے اور حضرت ابو بکر بھی، چنانچہ حضرت ابو بکر کے عہد میں انھیں نے
جمع قرآن بحکم ابو بکر کیا تھا۔ هو الذی جمع القرآن فی عهد ابی بکر ثبت ذلك
فی الصحیح (اصابہ ترجمہ زید ص ۵۶۱ و ۵۶۲) اور حضرت عمر جب کہیں سفر کرتے تھے تو
انھیں کو اپنا قائم مقام بنا کے جایا کرتے تھے، بہت کم ایسا ہوا کہ عمر سفر سے پلٹے ہوں
اور زید بن ثابت کو کوئی نہ کوئی باغ خرمہ جاگیر میں نہ دیا ہو، انکی مدح میں بہت
سے روایات ہیں منجملہ ان کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ تبوک میں رسول اللہ
نے علم لشکر عمارہ بن حزم سے لے کے زید بن ثابت کو دیدیا عمارہ نے پوچھا کیا مجھ سے
کوئی سقطا ہوئی ہے؟ فرمایا نہیں، مگر زید بن ثابت تم سے زیادہ قرآن کو جانتے ہیں
اور قرآن مقدم ہے لہذا میں نے انھیں علم لشکر دیدیا (اب اس اعتبار سے اہلبیت
کے تقدم کا کیا ذکر کروں) اس فضیلت کو صاحب اصابہ نے زید بن ثابت کے

[illegible] فضیلت یعنی یہ
کہ انھوں نے عہد رسول اور
عہد ابو بکر میں جب قرا یمامہ
کا قتل ہوا تو بحکم ابو بکر قرآن
جمع کیا، یہ فضیلت بھی بڑے
شد و مد کے ساتھ صاحب
اصابہ نے لکھی ہے اور بخاری
نے بھی باب جمع قرآن میں
اسکا تذکرہ کیا ہے۔
اس فضیلت پر بھی علامہ
ابن عبد البر صاحب استیعاب
پانی پھیر دیتے ہیں۔ جمع قرآن
کو لکھتے ہیں۔ وقال فجعلت
اجمع القرآن من العسب
والرقاع [illegible] و صدور الرجال
حتی وجدت آخر [illegible]
من التوبة مع رجل [illegible]
[illegible]
زید کہتے ہیں قرآن کو
چھالوں اور ٹکڑوں سے جمع
کرنے لگا اور لوگوں کے سینوں سے

سے محبت قریشیوں کی
خصوصیت رکھتا تھا یہاں
بنایا ، جب ان کی عمر [illegible]
[illegible] سے ان کو عاجز
ہوگئے تو انہیں معزول
کرکے پھر سعید بن العاص
کو بھیجا ، اسی وقت اہل
کوفہ نے حضرت عثمان کو
کہا لا حاجۃ لنا فی
سعیدک ولا ولیدک
[illegible] ہمیں نہ [illegible]
کی ضرورت ہے ، نہ سعید
کی ، یہ بھی خصوصیت حضرت
عثمان میں تھی اور [illegible]
قتل کے بعد [illegible] نہیں
ہو سکے ۔

[illegible] یہ کام کیے تھے ، دوسرے صاحب عبداللہ ابن زبیر تھے جنگ جمل کی داستان اور امیر المومنین سے ان کا بغض یہ اظہر من الشمس ہے ، پھر اسوقت جبکہ حضرت عائشہ خلافت ان کے لئے چاہتی رہی ہوں اور ان کے پیچھے متالی حیثیت سے ان کے باپ زبیر کو نماز پڑھوادی ہو ، دیکھو طبری و ابن اثیر وغیرہ یہی حضرت تھے ، رسول اللہ کا خون پیا تھا وہ محبت میں سہی ، اور رسول نے فرمایا تھا ۔ اشربت الدم ویل للناس منک الخ ، ارے تم نے میرا خون کیوں پی لیا ۔ تم سے لوگوں پر جو مصیبت پڑے گی وہ قابل ذکر و افسوس ہے ، (اصابہ صفحہ ۳۱۰ مصر جلد دوم)

یہ حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ کے قریبی رشتہ دار تھے یعنی اسماء بنت ابوبکر کے بیٹے بھی تھے اور حضرت عائشہ کے بھانجے ۔ خود کی کنیت ابوبکر تھی ، آپ کی داڑھی اور مونچھیں عمر بھر نہیں تھیں ۔ وکان اطلس لا لحیۃ له ولا شعر فی وجهه استیعاب صفحہ ۳۰۳ آپ بخیل بھی تھے بھی تھے ، آپ ہی نے جناب محمد بن حنفیہ کو نکالا اور عبداللہ بن عباس کو طائف میں جلا وطن کیا ، آپ ہی کی وجہ سے زبیر ان کے باپ امیر المومنین سے بچھڑے اور امیر المومنین فرمایا کرتے تھے ما زال الزبیر منا حتی نشاء ابنه عبد الله ۔ یہ تمام باتیں صاحب استیعاب نے صفحہ ۳۰۳ پر لکھی ہیں ۔

تیسرے صاحب سعید بن العاص ہیں ، ان کے اسلاف کافر و مشرک تھے اور کفر [illegible] علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے ہاتھوں سے مارے گئے

کا انتقال ہوا ہے تو انکی عمر دس

میں لکھا ہے، صاحب اصابہ نے اس

عن مصعب وھو وھو بل کان

یہ روایت مصعب سے ہے اور وہم ہے۔ عبدالرحمٰ

بھی چھوٹے تھے، پھر جمع قرآن کے لئے ان کا انتخاب کیوں

حسب ذیل ہو سکتے ہیں:۔

ان کی ماں خالد بن ولید کی سگی بہن تھیں، جب عبدالرحٰ

عمو امیین ۱۸ھ میں مر گئے تو عبدالرحمٰن بہت چھوٹے تھے، حضرت

فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ سے عقد کر لیا اور آپ ہی کی آغوش تربیت

کی پرورش ہوئی، یہ خصوصیات کیا کم تھے کہ جوان ہونے پر حضرت عثمان

صاحبزادی کی شادی بھی ان سے کر دی، پھر اُن پر پورا اور ابھر و

میں، جو فضائل اہلبیت کا حامل تھا، ہوتا تو کس پر ہو سکتا تھا، ا

انکو گروہ صحابہ میں شمار کرتا ہے تو دس ایسے ملتے ہیں جو گروہ تابعین

ہیں۔ بہر حال یہ چاروں آدمی جمع قرآن کے لئے تجویز کئے گئے،

امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا جم

بعد وفات رسول سب سے پہلے یہی کام اہتمام کو پہونچا،

پتہ چلتا ہے، صاحب استیعاب نے ترجمہ حضرت ابو

اصابہ طبع مصر) اس مطلب کو اس عبارت میں لکھا ہے

ابو بکر کی بیعت نہیں کی تو انھوں نے کہلا بھیجا کہ آ

ی، آپ سب و

ے ... ہمیں یہ ثابت کر دیں

رکے بعد فلاں کو خلیفہ بنا لینگے اور

ں وتبصر سے کام لے تو اسکے سمجھ میں آجائیگا

س ہو سکتا ہے، اور وہ کون ہے جسکی بیعت کے

ط فلاں" کے پردہ میں چھپایا گیا ہے، بہر حال وہ

افت اپنے موت کے بعد بھی حضرت عمر نہیں گوارا کرتے

رد پر جو ہنوز عدم سے وجود میں نہیں آئی، بڑے مشتعل اور

رہیں) جب عبد الرحمن بن عوف نے دیکھا کہ حضرت عمر تقریر کرنے

نھیں، وقت کا خیال کرتے ہوئے، اس تقریر سے روکا اور کہا کہ

ں اسوقت اچھے برے سبھی ہیں اور اسمیں زیادہ تر عوام کا مجمع ہے

اپ کی تقریر سے کیا مطلب اخذ کریں اور اسکا نتیجہ کیا ہو لہٰذا مناسب

اس جگہ تقریر فرماویں یوہیں ہے تو مدینہ، جو دار الہجرۃ ہے، میں

چاہے کر لیجئے گا اور دل کی بھڑاس نکال لیجئے گا۔ حضرت عمر

ضبط کیا خاموش رہے اور کہا مدینہ پہونچکے وہ تقریر کروں گا

ابن عباس کہتے ہیں کہ مدینہ میں پلٹ کے آئے تو ایک

جمعہ جکا تھا، ہملوگ مقام تقریر میں پہونچے دیکھا کہ

یل منبر کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں میں بھی انھیں کے

گھٹنا ان کے گھٹنے سے مس ہو رہا تھا، تھوڑی دیر کے

ب میں نے انکو آتے ہوئے دیکھا تو سعید سے کہا کہ

2

... وہم سب

جسے خدا نے نازل کیا تھا،

اور زنا سے محصنہ پر ہیں اس عورت

یا اسکا اعتراف۔

(یقیناً قرآن میں جہاں سے ہم اور آیات پڑھ

سکتے) پھر منجملہ آیات قرآن میں ہم یہ بھی پڑھا کرتے

کفر بکم ان ترغبوا عن ابائکم الخ۔ اور سنو رسول

اس طرح نہ کرنا جسطرح عیسیٰ کی مدح کیجاتی ہے ۔ بس صرف

یہ تو وہ تمہید تھی جو حضرت عمر نے اپنے ادائے مطالب کے لئے ا

سے کم ہو جاتیگا اقرار وغیرہ کرنے کے بعد اب نفس مطلب اور اصل غرض پر

مجھے یہ اطلاع ہو چکی ہے کہ تم میں سے کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ

ہم فلاں شخص کی بیعت کر لیں گے (ہوں!) کہیں اس دھوکے میں جو

یہ خیال کرتے ہو کہ ابو بکر کی بیعت اتفاقی اور ناگہانی تھی جو تمام کو

ہاں، وہ بیعت ایسی ہی تھی، اگر خدا نے اسکے شر سے پناہ دی ! ا

اس وقت کوئی دنیا آدمی نہیں دکھائی دیتا جسکی طرف ابو بکر کیطرح

اگر کسی نے بغیر مشورہ مسلمین کسی کی بیعت کرلی تو ان دونوں کے

ہے۔ (رنج فرمایا)۔ اسکے بعد اپنی داستان جو آپ بیتی

حضرت عمر کا اقرار (سنو!) جب خدا نے رسول کو

(اللہ کا شکر ہے کہ آج رسول کی وفات کے معنے سمجھ میں آئے ا

قائل ہی نہ تھے) تو گروہ انصار نے ہماری سخت مخالفت کی۔ (یعنی

سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے، انصار کے سوا ہماری مخالفت

ساتھ تھے سب نے کی (اب تو اجماع اور مرکز دور ہو گیا بیعت کر

ہی کہا کہ کاہیکو حضرت ابو بکر کو ایمان کی مخالفت کے ...

ہوئے (اور کیوں نہ ہو) وہ مجھ سے زیادہ حکیم

ں بھی بیٹھے ہوے

ر کے اس بات سے مجھ پر

ہ اور یہ اثر حضرت عمر پر پڑا ہوگا۔

ں اکر اور افضلیت برافضلیت دکھائی دے

ں رہا تھا ایک انصاری کہنے لگا کہ انصار کے ہوتے

نصار رہا کسی اور کو کیا حق خلافت ہے، لہٰذا ایک

، قریش نے جب یہ سنا تو بڑی کاؤں کاؤں مچ گئی

یا، میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اختلاف کوئی دوسرا رنگ

نہ دکھا نہ جاؤں) اور ابوبکر سے کہا جلدی سے ہاتھ تو پھیلاؤ انھوں

ں نے جھٹ سے بیعت کر ہی تو لی اور میرے ساتھ ہی ساتھ مہاجرین

، انھوں نے بھی بیعت کرلی، جب مہاجرین نے بیعت کرلی تو انصار نے بھی

کلام ہے، چند گنتی کے رہے ہونگے ورنہ مخالفت انصار کا اقرار خود بیان

ہم سعد بن عبادہ (صحابی رسول) پر چڑھ دوڑے، ان میں سے ایک

بادہ کو مارے ڈالتے ہیں، میں نے اس پر کہا مدسعد کو مارے اور قتل

ں سے زیادہ کوئی مشکل نہ تھی جبھیں ہمیں ڈر تھا کہ قوم مخالفت

بھی طرح) اگر اس بیعت کے بعد کوئی بیعت اسوقت ہوتی تو وہ

نکالتے ہیں)

ے کسی کی بیعت کرے اسکی پیروی نہ کیجائیگی نہ اس شخص کی

اس خوف اور دھوکے میں کہ کہیں وہ دونوں قتل نہ

ا اس دھوکے میں بھی نہ رہیں کہ وہ یوں بیعت کریں گے

—

الانتہٰی" فقال ابوالدرداء اشہدانی